بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر موضوعی

اُصولِ دین

ایمان کی حقیقت

قرآن، حدیث اور جدید علوم کی روشنی میں، آسان زبان میں،
ان اصول دین کو سمجھ کر دل سے مانے بغیر نجات ممکن نہیں

از

مفسر قرآن

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر موضوعی

اُصولِ دین

ایمان کی حقیقت

قرآن، حدیث اور جدید علوم کی روشنی میں، آسان زبان میں،
ان اصول دین کو سمجھ کر دل سے مانے بغیر نجات ممکن نہیں

از
مفسر قرآن
ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر
اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ
B-285 بلاک 13 فیڈرل بی ایریا، کراچی فون 6364519

نام کتاب: اُصولِ دین

ترتیب و تالیف: ڈاکٹر سید محمد حسن رضوی

صفحات: 310

تعداد: 1000

قیمت: 150 روپے

ناشر: اکیڈمی آف قرانک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ

مطبوعہ: النجف پرنٹرز و پبلشرز

ملنے کا پتہ

B-285 بلاک 13 فیڈرل بی ایریا، کراچی۔

فون: 6364519

الف 56 خیابان میر تقی میر رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی

فون: 021-6701290 موبائل: 0300-2459632

مفسر قرآن
ڈاکٹر محمد حسن رضوی
مصنف: خلاصۃ التفاسیر (۳۰ جلد)

DR. S. M. HASAN RIZVI
Add.:285-B, Block 13, Federal 'B' Area, Karachi
Fax / Tel : 636-4519
Mobile : 0302-8298577
E-Mail : mrizvi33@hotmail.com

اکیڈمی آف قرانک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ

اب تک کئی کتابیں چھاپ چکی ہے۔ جن کی فہرست منسلک ہے۔

کچھ کتابیں تو بار بار چھپی ہیں اکثر کتابیں مفت ورنہ صرف اخراجات کی حد تک قیمت وصول کی جاتی ہے۔

۱) آیت اللہ سید علی سیستانی صاحب نے سہم امامؑ کا اجازہ عطا فرمایا ہے۔ اس لیے سہم امامؑ سے اعانت کی جا سکتی ہے۔ رسید آیت اللہ کے دفتر سے منگا کر دی جائے گی۔

۲) آپ کے مرحومین کے لیے ایک پہلا صفحہ مختص کیا گیا ہے جس پر ان کا نام چھاپا جائے گا تاکہ اس کا ثواب مرحوم کو ملے اور ان کا نام بھی زندہ رہے

۳) زندہ افراد پیش کش کے طور پر اپنا نام دے سکتے ہیں۔

۴) خدمت دین اور جہاد کی نیت سے بھی اعانت کی جا سکتی ہے۔

۵) ہم ان کتابوں سے دین اسلام اور محمد و آل محمد کا پیغام اور تعلیمات عام کر رہے ہیں تعاون فرمائیں۔

اجرکم علی اللہ۔ والسلام مع الاکرام

دعا گو

حسن رضوی

25.3.09

خطیب امام جماعت محفل شاہ خراسان کراچی

President : Academy of Quranic studies & Islamic Research

فہرست مضامین

اصول دین

عدلِ الٰہی

صفحہ نمبر	فہرست مضامین	نمبر شمار

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
۱۲۳۔	مشاہدہ کا استدلال	۲۹۲
۱۲۴۔	دوسری زندگی ہماری فطرت کا تقاضا ہے	۲۹۳
۱۲۵۔	برہانِ حکمت	۲۹۵
۱۲۶۔	برہانِ ہدف	۲۹۷
۱۲۷۔	برہانِ نفی اختلاف	۲۹۸
۱۲۸۔	موت پر فتح حاصل کرنے کا طریقہ	۲۹۸
۱۲۹۔	عمل صالح کی حقیقت	۲۹۹
۱۳۰۔	مدارجِ ارتقاء	۳۰۳

تعارف

(کتاب اصولِ دین)

مصنف:۔ مفسر قرآن: ڈاکٹر محمد حسن رضوی

دینِ اسلام کے پانچ بنیادی اصول (بنیادیں) ہیں۔ جس پر سارے دینِ اسلام کی عمارت قائم ہے۔ یہ اصول (۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت (۴) امامت اور (۵) قیامت کے عقائد و تصورات ہیں۔ انہیں پانچوں اصولوں کو پوری طرح سمجھ لینے کے بعد ہی انسان انکو دل و دماغ سے مانتا اور قبول کرتا ہے اور انکو دل سے قبول کرنے کو قرآن کی زبان میں ''ایمان'' کہا گیا ہے۔ اسی مقصد کو پورا کرنے کیلئے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے جس میں ان پانچون اصولِ دین کو قرآن، حدیث اور جدید علوم کی روشنی میں بالکل آسان زبان اور پیرائے میں دوٹوک اور واضح طور پر اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ ہر طالبعلم انکو پوری طرح سمجھ لیتا ہے اور بالآخر اسکا دل و دماغ ان اصولوں کو دل سے مان لیتا ہے۔

اس طرح سمجھ کر دل سے مان لینے ہی کو قرآن نے ''ایمان'' فرمایا ہے جو انسان کی نجات کا ضامن ہے اور اسکے بغیر انسان کو نجات ملنے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہی ایمان تمام نیکیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اسی لئے جناب رسول خداؐ سے جب پوچھا گیا کہ سب سے بڑی نیکی کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا سب سے بڑی نیکی وہ نیکی ہے جس کے بغیر خدا کسی نیکی کو قبول ہی نہیں فرماتا اور وہ ایمان لانا ہے۔ (یعنی

اصولِ دین کو سمجھ کر دل سے ماننا ہے)

ایمان لانے کے بعد عمل کرنے کی منزل آتی ہے۔ جب انسان ان پانچوں اصولِ دین کو سمجھ کر دل و دماغ سے مان لیتا ہے، پھر ان اصولوں کے منطقی تقاضوں پر عمل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب دل و دماغ خداوند عالم کے وجود کو، اسکی قدرتِ کاملہ اور رحمت واسعہ کو، اسکی نعمتوں، حکمتوں، عطاؤں، عنایتوں اور بخششوں کو سمجھ لیتا ہے، تو از خود خدا کی عظمت کے سامنے جھک جاتا ہے۔ خداوند عالم کی بڑائی اور احسانات کو دل سے قبول کر لیتا ہے۔ نتیجتاً خدا کی ناراضگی سے ڈرتا ہے، اسکی نافرمانیوں سے بچتا ہے، اسکے مقرر کئے ہوئے فرائض ادا کرتا ہے۔ اسی کو قرآن نے تقویٰ اور تقوا القلوب فرمایا ہے۔ یعنی دل سے خدا کی عظمت کو مان کر اسکے تقاضوں پر عمل کرنا۔ یہی خداوند عالم کی عظمت اور احسانات کا احساس جب اور قوی ہوتا ہے تو انسان خدا سے بے پناہ محبت کرنے لگتا ہے۔ خدا کی رضامندی حاصل کرنا ہی اسکی زندگی کا واحد مقصد بن جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ خداوند عالم کے ہر حکم کی اطاعت کرنے کو زندگی کا اصل مقصد بنا لیتا ہے۔ خدا کے مقرر کئے ہوئے فرائض کو ادا کرنا اور اسکے ناپسندیدہ تمام کاموں کو پوری طرح چھوڑ دینا ہی اسکی زندگی کا اصل مقصد بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ خداوند عالم ہی اسکا خالق، مالک، رازق ہے۔ ہر نفع نقصان خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ اسلئے اگر کوئی ذات لائق اطاعت اور بھروسہ ہے تو وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ پھر وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ صرف خدا پر بھروسہ کرتا ہے اور صرف خدا کی اطاعت کرتا ہے اور خدا کا یہ وعدہ اسکو حاصل ہو جاتا ہے کہ جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے، خدا خود اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ (قرآن)

خدا پر اس بھروسہ کے ساتھ ساتھ مومن خدا کی مکمل اطاعت کرتا ہے اور اس طرح وہ خدا کے ان خاص بندوں میں شامل ہو جاتا ہے جو خدا کے انعامات کے مستحق ہوتے ہیں۔

مومن تو فقط حکمِ الٰہی کا ہے پابند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

(۲) عقیدۂ قیامت اور عدلِ الٰہی کو سمجھ لینے کے بعد انسان خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کو دل سے مان لیتا ہے۔ یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ خدا نے اس اصول کو اسطرح فرمایا ہے کہ "جو ذرّے کے وزن کے برابر اچھا کام کرے گا وہ اسکو دیکھے گا اور جو ذرّے کے وزن کے برابر برا کام کرے گا وہ اسکو دیکھے گا"۔ (القرآن)

اس لئے عدلِ الٰہی اور قیامت کے عقیدے کو سمجھ لینے کے بعد انسان ہر اچھے کام کی طرف لپکتا ہے اور ہر گناہ سے ڈرتا اور بچتا ہے۔ قرآن کی زبان میں اس کو تقویٰ فرمایا گیا ہے۔ جو قرآن مجید کا اصل پیغام ہے اور انسان کی تمام کامیابیوں کا راز ہے۔ اس طرح انسان کے اندر زبردست احساسِ ذمہ داری پیدا ہو جاتا ہے اور وہ معاشرے کا ذمہ دار اور مفید فرد بن جاتا ہے۔ وہ ہر انسان کا احترام کرتا ہے، اسکا حق ادا کرتا ہے اور کسی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتا۔ کیونکہ وہ خداوند عالم کی عظمت اور عدل کے احساس کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔

(۳) نبوّت اور امامت کے عقیدے کو سمجھ لینے سے انسان یہ بات جان لیتا ہے کہ خداوند عالم کا ہم پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنی ہدایات اور احکامات سے نوازا ہے تاکہ ہم اسکی اطاعت کر کے اسکے عظیم ترین انعامات کے مستحق بن جائیں۔ خدا کی ہدایات اور احکامات پیغمبروںؑ کے ذریعہ ہم کو ملے ہیں۔ اسلئے

پیغمبروںؑ کو ماننا اور انکی عظمت کا کلمہ پڑھنا ایمان کی جان اور حقیقت ہے۔

پیغمبروںؑ کے بعد ائمہ اہلبیتؑ نے خداوند عالم کی ہدایات پیغامات اور احکامات کی حفاظت فرمائی اور حضور اکرمؐ کے ارشادات و اعمال کو جوں کا توں ہم تک پہنچایا اور ان پر مکمل طور پر عمل کر کے دکھایا۔ اسلئے وہ حضور اکرمؐ کے حقیقی اور سچے نائبین ہیں، اور امت محمدیؐ کے امام ہیں، خدا کی حجت ہیں، دینِ خدا کے محافظ ہیں، علومِ الٰہی کے دروازے ہیں، خدا کو پہچاننے اور خدا تک پہنچنے کے دروازے ہیں۔ ان کے بغیر ہم خدا اور رسولؐ تک نہیں پہنچ سکتے۔ انہیں کے ذریعے خداوندِ عالم کی معرفت اور احکامات ہمیں ملتے ہیں۔ دین اپنی اصلی شکل میں باقی رہا ہے، انہیں لوگوں کی قربانیوں کی وجہ سے ہم میں ایمان و عمل کی روح پیدا ہوتی ہے۔ انہیں پیغمبروںؑ اور اماموںؑ کی عملاً پیروی کرنا ہماری تمام کامیابیوں کی کنجی ہے۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

امامانِ حقیقت کی مثالیں دوں تو کس سے دوں؟
کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں مثالیں بے مثالوں کی؟

انہیں ائمہ اہلبیتؑ کیلئے جناب رسول خداؐ نے فرمایا "میں تم میں دو بے حد قیمتی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ (۱) اللہ کی کتاب اور (۲) میری عترت اولاد اہلبیتؑ۔ جب تک تم ان دونوں سے مضبوط تعلق جوڑے رکھو گے، کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ تک نہ پہنچ جائیں"۔ (حدیث رسولؐ از صحیح مسلم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجود خدا کے دلائل اور اس کی معرفت

(سورہ بقرہ۔آیت ۲۸۔۲۹)

"آخر تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو جبکہ تم بالکل بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر وہی تم کو مار ڈالے گا، پھر وہی تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر اسی کی طرف تم کو پلٹ کر جانا ہے۔(۲۸)

وہی (خدا) تو ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں پھر اس نے اوپر کی طرف توجہ کی تو سات آسمان درست کئے۔ غرض وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔(۲۹)" (القرآن)

تشریح:۔

جو لوگ خدا کو نہیں مانتے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ خود اپنی خلقت اور کائنات کی تخلیق کے رموز و اسرار پر غور و فکر ہی نہیں کرتے۔ وہ اتنا بھی غور کرنا نہیں چاہتے کہ وہ یہی سوچ لیں کہ وہ خود کس طرح پیدا ہو گئے؟ ہر شخص کا دل گواہی دے رہا ہے کہ اس نے خود کو از خود پیدا نہیں کیا۔ اب یہ سمجھ لینا کہ ہم جیسی سوچتی، سمجھتی محسوس کرتی، جیتی جاگتی مخلوق کو ایک گونگی بہری، اندھی بے عقل طبیعت کے عوامل (فزیکل ایلیمنٹز) نے پیدا کر دیا ہے، تو یہ عقل دشمنی کے سوا کچھ نہیں۔ بقول ڈاکٹر اقبال:

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا

اس آیت میں خدا نے انسان کی تعجب انگیز خلقت کا ذکر فرما کر اپنے وجود کا اثبات اس نکتے سے فرمایا کہ ہم خود اپنی تخلیق اور زندہ ہونے کے پر اسرار مسئلے پر غور کریں۔ جبکہ ہم کچھ بھی نہ تھے تو آج کس طرح اپنے وجود، اعضاء و جوارح، حواس و ادراک، عقل وشعور کے مالک بن بیٹھے؟ آخر اتنی عظیم چیزیں ہمیں کس نے عطا کر دیں؟ ہر باضمیر انسان گواہی دیتا ہے کہ اس نے خود کو پیدا نہیں کیا۔ جبکہ ہمارا وجود بے شمار چھپے ہوئے پیچیدہ ترین رازوں اور حقیقتوں پر منحصر ہے۔ جن قوانین کی صرف سمجھنے ہی کے لئے بے حد علم اور تجربہ درکار ہے۔ اس لئے ہمارے جیسے عظیم وجود کو یہ بے شعور فطرت جو خود زندگی اور عقل واحساس سے خالی ہے، کس طرح وجود عطا کر سکتی ہے؟

زندگی کے بعد موت کا مرحلہ آتا ہے۔ ہمارے کتنے دوست، عزیز، ساتھی، بزرگ، خود موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ آخر وہ کون ہے جس نے ان سے دینوی یعنی مادی وجود کو چھین لیا؟ اگر نہوں نے اپنی زندگی کو خود پیدا کیا ہوتا تو وہ ہمیشہ ان ہی کے پاس رہنی چاہیے تھی۔ (تفسیر نمونہ)

تیسرا پیغام ان آیات میں یہ دیا گیا ہے کہ تم خدا سے بغاوت کا رویہ کس طرح اختیار کر سکتے ہو جبکہ خدا تمہاری حرکات وسکنات سے باخبر ہے اور وہ تمام حقائق سے واقف ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ علم خدا ہی سے عطا ہوتا ہے۔ اسلئے اس کی ہدایت کے بغیر تم زندگی کا مفہوم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ خدا سے منہ موڑ لینے میں خود تمہارا سراسر نقصان ہے اس لئے کہ خدا ہی تمہارا خالق، پالنے والا اور مارنے والا ہے۔

اُس کے قبضۂ قدرت میں تمہاری زندگی بھی ہے اور موت بھی۔ پھر وہی

پوری کائنات کا مالک اور مدبر بھی ہے۔ اس لئے تمہارے لئے اس کی بندگی اور اطاعت کے سوا زندگی کا کوئی اور ٹھیک راستہ نہیں۔ اس آیت سے انسان اور کائنات کی حقیقت اور اس کا اصل مقام اور حیثیت معلوم ہو گئی۔ (تفہیم)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان آیات میں خدا کے انکار کی جہالت پر بے حد تعجب کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر امام رازی)

ان آیات میں پیغام بھی دے دیا گیا کہ کائنات کا خالق بھی خدا ہے اور اس کو قائم رکھنے والا بھی خدا ہے۔ موت اور زندگی دینے والا بھی خدا ہے۔ اس لئے مشرکوں کا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے کہ کائنات کے خالق برہما جی ہیں اور قائم رکھنے والے وشنو جی ہیں اور موت زندگی دینے والے شیو جی ہیں۔ اس طرح اس آیت نے توحید خالص کی تعلیم دے کر ہر قسم کے شرک اور مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دی۔

دوسرا پیغام یہ دیا گیا کہ ساری مخلوقات انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور انسان کو خدا کی اطاعت کیلئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے فرمایا۔ یہ وہی خدا ہے جس نے جو کچھ بھی زمین میں ہے تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔، مشرک انسان اس فطری، قدرتی اور منطقی ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کیلئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کیلئے

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" دنیا تو تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ اس لئے دنیا ہی میں خدا کی اطاعت کر کے اپنی آخرت سنوارو۔ یہی انسان کا شرف ہے۔ (الحدیث)

ڈارون کا ترقی یافتہ بندر، انسان کے اس مقام کو کیا جانے؟ بقول اکبر آلہ آبادی:

کہا منصور نے خدا ہوں میں　　　ڈارون بولا بوزنہ ہوں میں

سن کے کہنے لگے مرے اک دوست　　　فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ایک دہریئے نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ خدا کے ہونے کی کیا دلیل ہے؟

حضرت امامؑ نے فرمایا۔ ''کائنات کا موجود ہونا اس بات کی علمی دلیل ہے کہ کوئی اس کا بنانے والا ضرور ہے۔ کیا جب تم کسی بڑی عمارت کو دیکھتے ہو تو تمہاری عقل یہ نہیں بتاتی کہ اس عمارت کا کوئی بنانے والا ہے جبکہ تم نے اس عمارت کے بنانے والے کو کبھی دیکھا بھی نہیں ہوتا۔ پھر حضرت امامؑ نے فرمایا'' اس خالق کائنات کا نہ تو کوئی جسم ہے نہ صورت، نہ اس کو چھوا جا سکتا ہے اور نہ حواس خمسہ اس کی حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں۔ حتی کہ عقل و وہم تک اس کی ذات کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ وقت اس میں کوئی نقص نہیں پیدا کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ ان سب اثرات سے الگ ہے کیونکہ وہ ان سب کا خالق ہے اور مالک ہے''۔ (اصول کافی از کتاب التوحید)

آسمانوں کی تخلیق کے عجائبات

اب تک ستاروں کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ معلوم ہو چکی ہے۔ ان میں ایسے سورج بھی ہیں جو زمین سے لاکھ گناہ بڑے ہیں اور ان کی روشنی اتنی ہے کہ آٹھ لاکھ مکمل چاند مل کر بھی اتنی روشنی نہیں دے سکتے۔ ہمارے سورج کی روشنی دوسرے سورجوں سے آٹھ گنا کم ہے جبکہ چاند اور سورجوں کی تعداد بے انتہا ہے۔ سب کے

سب اپنے مداروں پر گھوم رہے ہیں مگر ان میں کوئی تصادم، ٹکراؤ یا بدنظمی پیدا نہیں ہوتی۔ خدا فرماتا ہے نہ تو کوئی سورج کسی چاند کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کرسکتا ہے اور نہ ان کے رات دن کے سلسلوں میں کہیں کوئی بدنظمی پائی جاتی ہے یہ تمام سورج اور چاند نہایت باقاعدگی کے ساتھ خلا میں تیر رہے ہیں۔ (سورہ یسین آیت ۴۰)

نیز فرمایا۔ اللہ نے آسمانوں کو یوں تھام رکھا ہے کہ وہ زمین پر بلاحکم نہیں گر سکتا۔ (سورہ حج آیت ۶۵)

ہمارے ہوائی جہاز باوجود باقاعدہ نظام الاوقات کے ہر روز ٹکراتے رہتے ہیں جبکہ کروڑوں عظیم الشان سورج، چاند اور بڑی زمینیں بجلی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز تیر رہی ہیں۔ نہ کوئی سگنل دینے والا ہے مگر کروڑوں سال سے چل رہی ہیں۔ اس لئے کہ ضرور کوئی آنکھ ہے جو ان کی نگرانی کر رہی ہے جو کبھی غلطی بھی نہیں کرتی۔ خدا نے فرمایا "کائنات کی ہر چیز اپنے نظم وضبط اور فرائض کو خوب جانتی ہے"۔

(سورہ نور آیت ۴۱)

ایسے ستارے بھی ہیں جو پچاس ہزار سال میں اپنے مرکز کے گرد چکر پورا کرتے ہیں۔ اسی لئے شاید خدا نے فرمایا: "اللہ کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے برابر ہے"۔ (سورۃ حج)

"ایسے دن ہیں جو تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہیں"۔ (سورہ معارج)

آج سے ارب کھرب سال پہلے کسی کہکشاں سے چند شعلے ٹوٹے جو سیاروں اور ستاروں کی شکل میں فضا میں اڑے۔ مگر مختلف سورجوں نے انہیں کشش کی وجہ سے اپنی طرف کھینچ لیا اور اپنے گرد چکر لگانے پر مجبور کر دیا۔ اگر یہ سورج ان

سیاروں کو نہ روکتے تو وہ سیارے بھاگتے ہی رہتے اور نہ جانے کہاں سے کہاں نکل جاتے اور راستے میں نامعلوم کتنی دنیاؤں سے ٹکرا کر کس قدر تباہی مچاتے۔

سورۂ بقرہ (آیت ۱۶۴۔۱۶۵)

تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اس سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والے اور بے حد مسلسل رحم کرنے والے کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ عقل وشعور سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں رات دن کے مسلسل ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں، ان کشتیوں میں جو انسانوں کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندر میں چلتی پھرتی ہیں، اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے برسایا۔ اور پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو بے جان ہونے کے بعد زندگی بخشی۔ پھر زمین پر ہر قسم کے چلنے پھرنے والوں کو پھیلا دیا۔ اس کے علاوہ ہواؤں کے ہیر پھیر گھومنے پھرنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے۔ (خدا کے وجود احسانات اور عظمت کی) بے شمار دلیلیں اور نشانیاں موجود ہیں۔ (۱۶۴)

مگر اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو خدا کا ہمسر و مدمقابل اور برابر قرار دیتے ہیں اور ان (جھوٹے خداؤں) سے ایسی ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ مگر جو لوگ خدا کو دل سے مانتے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں۔ کاش یہ ظالم جو کچھ خدا کے عذاب کو دیکھ لینے کے بعد سمجھنے والے ہیں اسے (آج ہی) سمجھ لیتے، کہ ساری کی

ساری طاقتیں صرف (اور صرف) اللہ ہی کے لئے ہیں اور یہ کہ خدا سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے۔ (۱۶۵)

تشریح:۔

جدید علوم کی روشنی میں آسمانوں کی تخلیق

اب تک ہمیں تقریباً دس کروڑ ستارے نظر آ چکے ہیں۔ اس کے باوجود ہماری زمین نہ تو سورج سے اتنی زیادہ قریب ہے کہ جھلس جائے اور نہ اتنی دور ہے کہ ٹھٹھر کر رہ جائے۔ جبکہ آفتاب کا طوفانِ نور چاروں طرف پھیل رہا ہے اور ہماری زمین سورج کی روشنی کا صرف 2,000,000,000 حصہ حاصل کرتی ہے۔ اندازہ فرمائیں کہ سورج کتنی روشنی اور توانائی ہمیں ہر روز مفت مہیا کر رہا ہے جبکہ سورج ہم سے اتنا دور ہے کہ اگر ایک گاڑی چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلے تو 652 سال کے بعد سورج پر پہنچے گی۔ سورج ہماری زمین سے ۹ لاکھ میل سے زیادہ دور ہے اور زمین کے گرد 64800 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہا ہے۔ اس لئے زمین چوبیس گھنٹے میں 16 لاکھ میل سفر کرتی ہے۔ اس قدر تیز رفتاری کے باوجود زمین نہ تو لرزتی کانپتی ہے اور نہ کسی سیارے یا چاند سے ٹکراتی ہے اور نہ ہمارا سر چکراتا ہے اور نہ ہمارے کسی کام میں کوئی خلل پڑتا ہے۔

زمین کی تخلیق کے عجائبات:۔

پھر اللہ کی رحمت دیکھئے کہ ہماری زمین نہ تو اتنی وزنی ہے کہ پاؤں تک نہ

اٹھایا جا سکے اور نہ اتنی ہلکی ہے کہ معمولی سی آندھی سے مکانات اڑ جائیں اور ہمارے بچے تنکوں کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں۔ یہ اس لئے ہے کہ خدا نے فرمایا:

''ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے'' (سورہ قمر آیت ۴۹)

اگر ہماری زمین موجودہ رفتار سے بہت تیز حرکت کرنے لگے تو کسی چیز میں کوئی وزن باقی نہ رہے۔ فضا میں ہوا کی جگہ سیماب بھر جائے جس کی وجہ سے ہم پسپا ہو کر مر جائیں۔

غرض مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کائنات کے اس کارخانے کو جو رات و دن اس کے سامنے چل رہا ہے، جانوروں کی طرح نہ دیکھے، بلکہ اس پر اپنی عقل بھی استعمال کرے اور ساتھ ساتھ ضد، تعصب اور ذاتی مفادات سے آزاد ہو کر سوچے اور غور کرے، تو لازمی طور پر وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ عظیم الشان نظام کائنات کسی قادر مطلق اور حکیم مطلق کے زیر نگرانی چل رہا ہے۔ (تفہیم)

بقول ڈاکٹر اقبال:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اس لئے کہ زمین و آسمان کا یہ سارا نظام جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھ کر حیرت انگیز اور سائنس کے ہر شعبے سے کہیں زیادہ عجیب تر ہے، خود اس بات کی دلیل ہے کہ (۱) یہ نہ تو خود اپنے آپ وجود میں آسکتا ہے۔ (۲) اور نہ از خود چل سکتا ہے۔ (3) اور نہ از خود باقی رہ سکتا ہے۔ کیونکہ مظاہر فطرت میں ایک لازوال تسلسل، باقاعدگی اور زبردست نظم و انتظام پایا جاتا ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ ضرور اس

نظامِ کائنات کے پیچھے ایک صاحبِ اختیار اور صاحبِ عقل وحکمت ذات کام کررہی ہے۔ بقول شاعر:

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

مثال اور حیرت ناک سوالات:۔

کیونکہ ایک معمولی سی گھڑی بغیر کسی ماہر فن بنانے والے کے نہ تو بن سکتی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔ تو بھلا یہ اتنا بڑا نظام کائنات از خود کیسے بن سکتا ہے یا چل سکتا ہے؟ اور باقی رہ سکتا ہے؟ مثلاً زمین جو 25 ہزار میل کا ایک محیط ہے اور بڑی تیزی سے خلا میں گھومتی رہتی ہے۔ بھلا کون سی قوت ہے جو اس کو گھما بھی رہی ہے اور تھامے ہوئے بھی ہے؟ زمین چاند سورج اور لاکھوں سیاروں کے درمیان فاصلے کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ زمین کے گھومنے کی ایک مناسب رفتار کی شرح جو ہمارے نظام جسم سے بھی مطابقت رکھتی ہے اور جس سے دن رات وجود میں آتے ہیں، یہ رفتار کس نے مقرر کی ہے؟ سورج ایک مناسب مقدار میں روشنی و گرمی کس کے حکم سے ہمیں پہنچا رہا ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی اور ان کے طلوع وغروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظام فلکی کے بے شمار اجزاء اور عناصر میں یہ خاص ترتیب اور باہمی ہم آہنگی کس کی حکمت اور صنعت ہے؟ رات و دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے ہوئے اپنا اپنا کام وقت پر انجام دے رہے ہیں؟ گرمی سردی برسات کی مناسب مقدار اور اس میں ضروری تبدیلیاں کون کرتا رہتا ہے؟ تمام ملکوں کیلئے چاند اور سورج کے طلوع وغروب کے اوقات کس نے باندھ کر مقرر کیے ہیں؟ یہ

تمام باتیں کس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی گواہی دے رہے ہیں؟ انسان کو یہ عقل کس نے دی ہے کہ وہ لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر انہیں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر اور ان پر لوہے کی چادر چڑھا کر سمندروں کے عظیم فاصلوں کو طے کرکے رکھ دیتا ہے؟ پھر کون ہے جو بپھرے ہوئے سمندروں کی بے تاب موجوں کو خاص حدود سے آگے نہیں بڑھنے دیتا؟ وہ کون ہے کہ جو سمندروں کو ایک خاص گرمی مہیا کرکے پانی کے ایک خاص فاصلے تک اوپر لے جاتا ہے؟ پھر ایک خاص درجے کی سردی مہیا کرکے ان کو بادلوں کی شکل عطا فرماتا ہے؟ پھر ہوا کے دوش پر ان بادلوں کو اٹھوا کر ان علاقوں تک پہنچواتا ہے جہاں میٹھے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر ایک بندھی ہوئی مقدار میں معین اوقات میں پانی برسا کر خشک اور مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے اور اس طرح انسانوں، جانوروں، پرندوں کو روزی عطا فرماتا ہے۔ آخر یہ سارے ردوبدل، یہ سارے انتظامات کس حکیم کی حکمت اور کس قادر مطلق کی قدرت اور عظمت کی کھلی گواہی دے رہے ہیں؟

اس کے بعد پودوں کی زندگی کے رموز اور حقائق، حیوانی اور انسانی زندگی کے کرشمے اور عجائبات ملاحظہ فرمائیں تو حیرت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ کیونکہ ہر زندہ جسم بے شمار ذروں اور کروڑوں خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ان میں ایک مخصوص ترتیب اور متعین ترکیب ہوتی ہے۔ ایک خاص درجہ حرارت قائم رہتا ہے جو زندگی کو برقرار رکھتا ہے پھر انہیں غذا کا نظام، اعصاب کا نظام، اولاد پیدا ہونے کا نظام اور چھوٹے بڑے دوسرے، بہت سے نظام، خواہشات کا نظام، سوچنے سمجھنے اور خطرات سے نمٹنے کا نظام، سونے جاگنے کا نظام، موت وحیات کا نظام قائم ہے اور پھر ہر نظام

کے تحت بے شمار قوانین ضابطے ہوتے ہیں جو ہر وقت اپنا اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ آخر اتنے پیچیدہ اور پر حکمت نظام اور ضابطے اور قوانین اور ان تمام نظاموں میں ہم آہنگی کس نے پیدا کی؟ اور کس نے ان نظاموں کو مقرر کیا اور چلایا؟ (ماجدی)

غرض ان آیات نے مصنوعات سے صانع پر استدلال کیا ہے اور یہی اصل ہے کہ عرفاء کے مراقبہ کی۔ (تھانوی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "خدا کے سارے کے سارے کام عجیب وغریب ہوتے ہیں اور راز ہی راز ہیں۔ اس طرح خدا نے بندوں پر اپنی حجت تمام کی اور اس طرح اس نے تمہیں اپنے آپ کو سمجھوایا ہے۔ (الکافی)

نفی شرک:۔

اب اگر اس پورے نظام کائنات کو بنانے والی کئی ہستیاں ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک بنانے والا ان سب کو بنانے کیلئے کافی نہ ہوا۔ اس سے بنانے والے کا عجز، نقص اور بے بسی ثابت ہوتی ہے۔ تو ایسے عاجز وناقص ایسی عظیم کائنات کو بنا ہی نہیں سکتے۔

خدا نے اس آیت میں صرف ایک لفظ خلق فرما کر یہ بتادیا کہ یہ تمام عظیم کائنات ایک معمولی ذرے کی طرح صرف مخلوق ہیں نہ خالق یا مدبر نہیں۔ اس لئے یہ اس لائق نہیں کہ ان کو خالق، مالک، رازق سمجھ کر پوجا جائے۔ اور ساری کائنات میں صرف ایک نظام اور ہم آہنگی کا ہونا واضح طور پر بتا رہا ہے کہ ساری کی ساری کائنات کسی ایک خالق اور صانع کا کارنامہ ہے۔ بقول اقبال:

حقیقت ایک ہے ہر شی کی نوری ہو کہ ناری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

انگلینڈ اور امریکہ کے درمیان بعض جگہ ۱۲ سے ۲۱ ہزار فٹ بڑے سمندر ہیں۔ یہ پہلے خشکی تھے۔ ان میں ایک پہاڑ لارا (Laura) تھا۔ اس پہاڑ کا ذکر مصر کی پرانی کتابوں میں ملتا ہے۔ آج یہ حالت ہے کہ پانی کے جہاز اس کی چوٹی کے اوپر سے گزر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک دس ہزار فٹ اونچا پہاڑ چوسر (Chaucer) آج چھ ہزار فٹ پانی کے نیچے ڈوبا ہوا ہے۔

آج بھی دنیا کے تمام بڑے بڑے شہر گہرے سمندروں کے کناروں پر آباد ہیں۔ جو ایک معمولی سے زلزلے سے صاف ہو سکتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ یہ لوگ موت سے اتنے قریب ہونے کے باوجود خدا سے کتنے دور ہیں۔ خدا فرماتا ہے:

"جب یہ لوگ جہازوں پر سوار ہو کر سمندروں کی موجوں کی لپیٹ میں آجاتے ہیں تو نہایت خلوص سے اللہ کو پکارتے ہیں اور جب ہم انہیں نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتے ہیں تو وہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہیں"۔ (عنکبوت ۶۵)

پھر فرمایا "ہر قوم کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تو پھر ایک لمحے کی ڈھیل بھی نہیں دی جائے گی"۔ (القرآن)

مقصد تخلیق:۔

قرآن میں انسان کے مقصد تخلیق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ (۱) خدا کو دل سے مانے اور (۲) اس کے احکامات کی اطاعت کرے۔ اس

کائنات میں انسان جو ایک مختار نما مخلوق ہے، اس کا تکامل یہی ہے کہ وہ اپنے اختیارات کو بجائے اپنی خواہشات کے زیر نگیں کرنے کے اپنے اختیارات کو خدا کے بھیجے ہوئے قانون کے تحت کر دے۔ اس طرح وہ خدا کا خلیفہ بن کر دنیا میں رہے گا۔ اس لئے کہ وہ جتنا خدا کی امانت اختیار کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہوگا، اتنا ہی اس کی خلافت عبدیت کا روپ اختیار کرلے گی۔ یہی اس کی آزمائش کی کامیابی ہوگی۔ اس عبدیت اور اطاعت سے ہٹ کر انسان پھر کسی مقام پر ٹھہر کر اپنی ہستی کو کار آمد اور نظام کائنات کا مفید جزو ثابت نہیں کرسکتا کیونکہ اس کے اختیار کی قدرتی مجبوریاں اور اس کے ناقص علم کا تقاضا یہی ہے کہ وہ خود کو خدا کے کامل علم اور کامل اختیار کے تابع کر دے۔ یہی خدا کی اطاعت، ناقص کا رشتہ کامل سے جوڑ دیتی ہے، جو ناقص کی کامیابی کی قطعی ضمانت بھی ہے اور اس کی غرض تخلیق بھی۔

مومن تو فقط حکم الٰہی کا ہے پابند

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات (اقبال)

خدا نے فرمایا: ''کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظامات اور کارخانہ قدرت پر اور ہر اس چیز پر جسے خدا نے پیدا کیا ہے کبھی غور ہی نہیں کیا اور کیا انہوں نے کبھی بھی نہیں سوچا کہ ان کی موت اب بالکل قریب آگئی ہے؟ تو اب اس کے بعد آخر وہ کس بات کو مانیں گے؟ (۱۸۵) غرض جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے (معلوم ہوا کہ کائنات کے انتظامات پر غور نہ کرنے والوں کو خدا گمراہی میں چھوڑ دیا کرتا ہے) اس کیلئے پھر کوئی سیدھا راستہ دکھانے والا نہیں ہوتا پھر خدا انہیں ان کی سرکشی میں (دل کا اندھا بنے) بھٹکتا چھوڑ دیا کرتا ہے۔ (سورہ اعراف آیت ۱۸۵،۱۸۶)

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ عبادت یہ نہیں ہے کہ کثرت کے ساتھ رکوع اور سجدے کیے جائیں بلکہ عبادت یہ ہے کہ خدا کے کاموں دلیلوں اور نشانیوں پر غور وفکر کیا جائے۔

(اصول کافی)

حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک گھنٹہ غور وفکر کرنا ستر سال کی عبادت کرنے سے بہتر ہے۔

(اصول کافی)

فطرت انسانی کا تقاضا

خود بخود ہونے والی ہستی کا ماننا فطرت اور عقل کی ضرورت ہے

انسان کی عقل اور فطرت مجبور کرتی ہے کہ ہم ہمیشہ سے کسی خود بخود ہونے والی ہستی، یعنی دائمی ہستی کا اقرار کریں۔ مادہ پرست خدا کے منکر بھی یہی کہتے ہیں کہ مادہ خود بخود موجود ہونے والی چیز ہے، جس سے تمام کائنات بنی ہے۔ گویا خدا کے منکر مادہ پرستوں کو بھی ماننا پڑا کہ ایک چیز ہے جو خود بخود ہے اور سب کی خالق ہے۔ اب ان منکروں نے اس چیز کا نام مادہ رکھا۔ دیکھو خدا کا جنہوں نے انکار کیا تھا، انہوں نے بھی پلٹ کر خود بخود ہونے والی چیز کا اقرار کیا۔ فطرت انسانی کی یہی مجبوری ہے کہ مادہ پرست اور خدا پرست دونوں ایک خود بخود ہونے والی ہستی کو ماننے پر مجبور ہیں۔ مادہ پرست خدا کا انکار کر کے اس خود بخود ہونے والی چیز کا اقرار کرتا ہے جس کا نام وہ مادہ رکھتا ہے۔ گویا دونوں خدا کے ماننے والوں اور نہ ماننے

والوں میں صرف لفظ پر جھگڑا ہے کہ اس خود بخود ہونے والی ہستی کا نام خدا رکھیں یا مادہ رکھیں۔ غرض حقیقی اختلاف صفات پر ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مطابق وہ خود بخود ہونے والی ہستی غیر محدود کمالات اور برکات کا سرچشمہ ہے جس کی جلوہ فرمائیاں محدود پیمانے پر کائنات بھر میں دکھائی دیتی ہیں۔ مادہ پرستوں نے سمجھا کہ نظام کائنات میں جن اوصاف وکمالات کا مظاہرہ ہو رہا ہے، ان کا سرچشمہ مادہ ہے، جو ہر کمال سے عاری ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ فطرت انسانی میں قطعاً ایسی بات کی گنجائش ہی موجود نہیں ہے کہ وہ نیستیٔ محض سے ہستی کے نکلنے کا تصور کر سکے۔ اس لئے یہ سوچ کر ایک زمانہ تھا جب وہ نہ تھا پھر یکایک ہو گیا۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ نیستی محض سے وجود پیدا ہو گیا۔ اور اس بات کو کوئی عقل سوچنے کو تیار نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے قرآن نے ہم کو یہ بتایا کہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہستی ہستی سے نکلی اور وہ ہستی جس سے سب کچھ نکلا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ وہی خدا ہے۔

فلسفہ اور وجود خدا

فلسفہ کے چار اسکول ہیں جس میں سے دو (۲) خدا کو مانتے ہیں جبکہ ایک خدا کے ہونے نہ ہونے پر شک کرتا ہے۔ ایک اسکول خدا کا انکار کرتا ہے۔

(۱) ثنویہ:۔

فلسفہ کا پہلا اسکول ثنویہ کا ہے ان کا خیال ہے کہ صفات یا اوتار (خدا) کے دو مظہر ہیں (۱) حیاتی (۲) غیر حیاتی۔ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا

ہیں (۱) روح یا خدا جو حیات مطلق ہے اور عالم کے سارے حیاتی صفات مثلاً ادراک علم ارادی کا مرجع ہے (۲) دوسرے مادہ جو کائنات کے تمام غیر حیاتی اشیاء کا مصدر اور سرچشمہ ہے۔

اس فلسفے کی ابتداء ارسطو نے کی اور متاثرین میں ڈیکارٹ اور فلسفیوں کا بہت بڑا گروہ اس خیال کو مانتا ہے۔

۲: تصوریہ:۔

ان کے نزدیک مادہ ایک بے معنی چیز ہے۔صرف روح یا خدا اور اس کے جلوے ہیں جو ہر طرف دکھائی دیتے ہیں۔اس خیال کی ابتدا افلاطون سے ہوئی اور آج بھی تمام سربرآوردہ فلاسفر افلاطون سے لے کر ترگسان تک اس خیال کی تائید پر مصر ہیں۔گویا وہ خدا کا اقرار اتنا زبردست طریقے سے کرتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی دوسری چیز کو ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔

۳: شکی:۔

ان بیچاروں نے فلسفہ کی ہنگامہ آرائیوں کو دیکھ کر اپنی پناہ گاہ اعتراف جہل میں بنائی۔یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ اس عالم محسوس کا اصلی سرچشمہ کیا ہے۔ مادہ ہے یا خدا ہے؟ کیونکہ یہ باتیں ہماری سرحد ادراک سے باہر ہیں اور عقل ان کو نہیں سمجھ سکتی، اس لئے اس پر بحث کرنا فضول ہے۔اگرچہ یہ قدیم مسلک ہے مگر یورپ میں ہیوم اسپنسر اور ہکسلے وغیرہ اس کو مانتے ہیں۔

۴: مادیت:۔

ان کے نزدیک جس طرح غیر حیاتی صفات کا سرچشمہ ارسطو کے نزدیک مادہ ہے اسی طرح حیاتی صفات بھی دراصل مادہ ہی کی ایک شان ہے۔ مادہ اپنی ابتدائی حالت میں صرف طول، عرض، نرمی، سختی وغیرہ کی صفات سے موصوف تھا لیکن رفتہ رفتہ اس میں ترقی ہوتی رہی اور نئے صفات کا اضافہ ہوتا رہا۔ پہلے اس میں نشوونما کی صفت پیدا ہوئی اور پھر ترقی کرتے کرتے اس میں ذہن تخیل ارادہ تعقل کی صفات بھی پیدا ہوگئیں۔ غرض یہ سارے صفات مادے ہی کے ہیں۔ حیات زندگی روح جو کچھ ہیں وہ صرف مادہ ہے اور مادہ کی مختلف نیرنگیاں ہیں۔

اس خیال کی بنیاد تین ہزار سال پہلے دمقراطیس نے رکھی اور پھر یورپ میں بھی اس مسلک کو مانا جاتا ہے۔ فلسفہ میں صرف یہی ایک مسلک ہے جو مذہب کا مخالف ہے۔ کیونکہ یہ خدا کے بجائے مادہ کو کائنات کا سرچشمہ سمجھتا ہے۔ ان کے نزدیک مادہ ہی مادر کائنات ہے جو خود اپنے رحم سے کائنات کو برآمد کرتی رہتی ہے۔

اب مادہ کی حقیقت کیا ہے؟

تو مادہ کی تعریف ارسطو کے نزدیک تو یہ تھی کہ وہ نہ ایک ہے، نہ چند، نہ واحد ہے نہ کثیر۔ غرض اس میں کوئی ایجابی صفت نہیں پائی جاتی۔ گویا وہ کچھ نہیں، لاشے ہے۔

دمقراطیس کہتا ہے کہ مادہ سالمات اور چھوٹے چھوٹے ذرات کا مجموعہ ہے۔

اب موجودہ سائنس دان کہتے ہیں کہ مادہ انرجی ہے اور برق پاروں سے مرکب ہے اور ایتھر کے سمندروں میں تیرتا پھرتا ہے۔ گویا یہ ساری کائنات انرجی کی نیرنگیوں کا

تماشا ہے۔آپ نے دیکھا جس اینٹ پر اس فلسفہ کی ساری عمارت کھڑی کی گئی تھی وہ مادہ تھا جس کو تحقیق نے ثابت کر دیا کہ وہ بجز ایک خود تراشیدہ وہم کے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔اب مادہ پرستوں کے پاس کیا رکھا ہے جس پر وہ اپنا قدم جما سکیں۔ بقول شاعر

پر وہی گر پڑا کبوتر کا
جس پہ نامہ بندھا تھا دلبر کا

ذرا صفات کو الگ کرنے کے بعد بتاؤ کہ مادہ کیا چیز ہے؟ جس چیز کا نام تم نے مادہ رکھا ہے اُسکی جو چیز بھی بتاؤ گے وہ صفت ہوگی۔اور جو صفت نہیں ہے اسکو کوئی نہیں بتا سکتا کیونکہ حواس کا علم صرف صفات تک محدود ہے اور اس کے سوا ہمارے پاس صحیح علم کا کوئی دوسرا ذریعہ ہی نہیں ہے۔

مثلاً نارنگی میں کچھ صفات ہیں۔اب اگر ان صفات کو ایک ایک کر کے نارنگی سے نکال لیا جائے تو پھر اس کے اندر کیا رہ گیا جس کا نام مادہ رکھا جائے؟ رہے وہ صفات تو وہ صرف ہمارے احساسات ہیں۔تو پھر ذہن کے سوا ان کیلئے کسی اور محل کے تلاش کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ (الدین القیم)

جدید سائنس اور خدا کا وجود:۔

جدید سائنس کے اعلیٰ مفکرین اس تصور کو نہیں مانتے۔ملین ایڈورڈ کہتا ہے:

”عالم کے ان قوانین کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ محض اتفاق کے نتائج ہیں۔ یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں ہیں جسے لوگوں نے محسوسات کا لقب دے رکھا ہے۔فزیکل سائنس جاننے والا ہرگز اس قسم کا دعویٰ نہیں کر سکتا“۔

نیوٹن نے کہا:

"عالم فطرت کی نیرنگیاں واجب الوجود (خدا) کے ارادہ کے سوا اور کسی چیز سے ظاہر نہیں ہوسکتیں۔ وہ واجب الوجود ہر جگہ اور ہمیشہ موجود ہے"۔

پروفیسر ٹنڈل نے لکھا:

"جس طرح گھڑی کی سوئیوں کے چلنے کا سبب انسانی تخلیق کا کمال ہے۔ یہی حال واقعات و حوادث کا ہے۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی ایک مخفی مشین کارفرما ہے۔ اور ایک قوت کا زبردست خزانہ ہے جو کائنات کی اس مشین کو چلا رہا ہے۔ سائنس کا انتہائی کام اس مشین اور ذخیرۂ قوت سے پردہ ہٹا کر یہ بتانا ہے کہ واقعات اور حوادث ان ہی دونوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہے لیکن یہ سوال کہ کارخانہ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کیا ہے؟ اور کیسے بنی؟ اس گھڑی میں کس نے چابی بھری؟ اس کو چلانے والی قوت کہاں سے آئی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے"۔

یعنی سائنس بس اتنا بتا سکتی ہے کہ کوئی قوت تو ضرورت ہے جو اس نظام کائنات کو چلا رہی ہے۔ مگر اس کی صفات اور مقاصد کا بتانا سائنس کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام وحی کا ہے۔ پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کا ہے۔ غرض ہمارے سامنے کچھ قدرتی قوانین پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم ان قوانین کو بنا نہیں سکتے۔ صرف جان سکتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ان قوانین کا بنانے والا کون ہے؟ اور ان کا آخری انجام کیا ہوگا؟ سائنس کے حدود سے اس کا جواب خارج ہے۔

ہکسلے نے لکھا:

"سائنس کسی چیز کی بھی کامل توجیہہ نہیں کر سکتی۔ کسی چیز کے سارے اسباب اول سے آخر تک نہیں بتائے جا سکتے۔ کیونکہ انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی آغاز اشیاء کے بارے میں چند قدم سے آگے نہیں بڑھ سکتا"۔

غرض سائنس زیادہ سے زیادہ ہمیں خدا کے موجود ہونے اور اس کی چند صفات کو تو بتا سکتی ہے، اس کے آگے خدا کے مقاصد کو سمجھنا سائنس کے بس کی بات نہیں۔ یہ علم آسمانی کتابوں، پیغمبروں اور خدا کی ہدایات ہی سے ممکن ہے۔

خدا کا دیدار:۔

خدا کا فرمانا کہ "کیا انہوں نے کبھی یہ بھی نہیں سوچا کہ ان کی موت اب بالکل قریب آگئی ہے؟ تو آخر اس کے بعد وہ کس بات کو مانیں گے؟" اس سے معلوم ہوا کہ انسان موت اور مصیبت کے وقت خدا کو ماننے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں اوقات میں غفلت کے پردے ہٹنے لگتے ہیں۔ مال، اولاد، جان وعزت کا نشہ اترنے لگتا ہے۔ اس لئے حقائق دکھائی دینے لگتے ہیں۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء نے لکھا کہ ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا کہ اللہ کو مجھے دکھلاؤ۔ آپ نے پہلے تو اسے سمجھایا کہ تم نے موسیٰ اور ان کی قوم کا حشر نہیں دیکھا۔ اس نے کہا وہ موسیٰ کی قوم تھی اور یہ زمانہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ حضرت امام صادق نے اپنے غلاموں سے کہا۔ اسے پکڑ کر پانی میں غوطے دو۔ وہ فریاد کرتا رہا کہ فرزند رسولؐ مجھے بچایئے۔ آپ غلاموں سے فرماتے رہے کہ اسے غوطے دیتے رہو۔ آخر جب اس نے

الغیاث الغیاث اے خدا فریاد! کہا تو امام نے اپنے خادموں سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس نے امامؑ کے قدموں پر سر کو رکھ دیا اور کہا کہ "میں نے دیکھ لیا" جب آپ نے میری فریاد نہ سنی تو میں نے سوچا کہ اب مجھے خدا سے فریاد کرنی چاہیئے۔ اس وقت ایک سوراخ میرے دل میں پیدا ہوا میں نے اس میں وہ دیکھا جسے میں دیکھنا چاہتا تھا۔

انسان جب کسی چیز کو بناتا ہے تو ظاہری عمل سے پہلے عالم خیال میں عمل کرتا ہے۔ مثلاً جب وہ کسی عمارت کو بنانا چاہتا ہے تو پہلے اُس کا نقشہ ذہن میں بناتا ہے۔ اس وقت نہ تو کوئی اینٹ ہوتی ہے نہ چونا اور نہ پتھر۔ صرف ایک نقشہ عمارت کا ذہن میں بنتا ہے۔ اس بات کو فلاسفۂ اسلام نے اس طرح لکھا کہ انسان کو جب کسی چیز کا علم حواس کے ذریعہ ہوتا ہے تو اس علمی اثر کے بعد انسان میں یہ قدرت پیدا ہو جاتی ہے کہ اپنی معلوم کی ہوئی چیز کو اپنی خیالی قوت سے پیدا کرے۔ یعنی اس کا تصور دماغ میں لائے۔ اب کیونکہ ہماری قوت تخیل کمزور ہے اس لئے وہ چیز خارج میں وجود میں نہیں آتی۔ لیکن چونکہ خدا کی قوت تخیل زبردست اور مکمل ہے اس لئے وہ جیسے ہی کسی چیز کا تصور فرماتا ہے فوراً خارج میں وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ فرمایا:

اذا ارادہ شیا ان یقول لہ کن فیکون

"وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے"۔ (سورۂ یٰسین)

اسی طرح جب مرنے کے بعد خدا ہماری قوت تخیل کو کامل کر دے گا تو ہم بھی اس قابل ہو جائیں گے کہ جس چیز کا بھی تصور کریں گے وہ چیز فوراً خارج میں موجود ہو جائے گی۔ اسی لئے خدا نے جنتیوں کی صفت ہی یہ بیان کی ہے کہ:

لهم فیها مایشاؤن

''وہاں ان کیلئے ہر وہ چیز موجود ہوگی جو وہ چاہیں گے'' یعنی جس کا وہ تصور کریں گے۔ (القرآن)

خدا کی قیومیت و ربوبیت:۔

اور جس طرح ہم اب کسی عمارت کا تصور ذہن میں لاتے ہیں اور پلک جھپکتے ہی جب اس کا تصور ذہن سے ہٹا لیتے ہیں ویسے ہی ہماری وہ خیالی مخلوق معدوم یا فنا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر خدا کائنات سے اپنی توجہ ایک آن کیلئے بھی ہٹا لے تو پوری کائنات معدوم ہو کر فنا ہو جائے گی۔ اسی لئے خدا اس کائنات کا ''رب'' ہے۔ اور ''قیوم'' یعنی قائم رکھنے والا بھی۔ جس طرح ہماری ذہنی مخلوق جو ہماری کمزوری کی وجہ سے خارج میں وجود میں نہیں آتی مگر پھر بھی ہر لحہ ہماری توجہ کی محتاج ہے۔ اسی طرح ہر لحظہ اور ہر لحہ کائنات کی بقا خدا کی توجہ کی محتاج ہے۔ اسی بات کو آیت الکرسی میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

''اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ زندہ ہے اور ساری کائنات کا قائم رکھنے والا ہے۔ اسے نہ تو نیند آتی ہے اور نہ غنودگی اس کو پکڑ سکتی ہے''۔ (القرآن)

کیونکہ اگر خدا کو نیند یا غنودگی آجائے تو سارا عالم فوراً درہم اور برہم ہو جائے اس لئے کہ یہ ساری کائنات خدا کے تصور کے سوا کچھ نہیں جو اس کے تصور آنے کی وجہ سے خارج میں موجود ہوگئی ہے اگر ہم کسی چیز کا خیال یا تصور کر کے سو جائیں تو کیا ہماری خیالی مخلوق باقی رہ سکے گی؟ اسی طرح پورا عالم اللہ کے ارادہ یا تصور کے سوا کچھ نہیں۔

خدا کا علم:۔

اور جس طرح ہم اپنی خیالی مخلوق کو جو ہم اپنے ذہن میں پیدا کرتے ہیں اس کے ظاہر و باطن سب سے واقف ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ کو جو نسبت اس اپنی خیالی مخلوق کے ظاہر سے ہوگی وہی نسبت اس کے باطن سے ہوگی۔ اسی طرح خدا فرماتا ہے:

''کہ وہی خدا (جو کائنات کا خالق اور قائم رکھنے والا ہے) وہی کائنات کا اول بھی ہے اور آخر بھی۔ وہی اس کا ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اور وہی ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔

خدا ہر چیز پر محیط ہے:۔

اور جس طرح ہم اپنی اس مخلوق کو جسے ہم اپنے ذہن میں پیدا کرتے ہیں اس کے ذرہ ذرہ پر خود کو محیط پاتے ہیں۔ اسی طرح خدا فرماتا ہے: ''اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''۔

شرک کی نفی:۔

اور جس طرح آپ اپنے ذہن میں کسی پہاڑ یا عمارت کو پیدا کرتے ہیں تو کیا کسی دوسرے کے ارادے سے اس میں سے کوئی چیز اپنی جگہ سے ہل یا ٹل نہیں سکتی بلکہ اس کا ہر ہر ذرہ صرف اور صرف آپ کے ارادہ کا پابند ہوتا ہے اور دوسرے کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ بلاشبہ اسی طرح خدا کی تمام مخلوقات صرف خدا کے ارادہ پر بن، ہل یا ٹل سکتی ہیں۔ اسی لئے خدا نے فرمایا:

''کائنات میں کوئی ایک پتا بھی خدا کی مرضی کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا''۔ (القرآن)

نیز فرمایا:

''اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچاتا ہے تو اسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔ لیکن اگر وہی خدا تیرے ساتھ بھلائی یا مہربانی کا ارادہ کرلے تو پھر کوئی اس کی مہربانی اور فضل وکرم کو پلٹانے والا بھی نہیں''۔ (القرآن)

یعنی اس کائنات کے کسی حصے میں کوئی کام حتیٰ کہ کوئی پتا بھی اس کے ارادے کے اور مرضی کے بغیر نہیں ہل سکتا جس طرح کسی دوسرے کا تصور یا ارادہ ہماری ذہنی مخلوق پر کسی طرح بھی اثرانداز نہیں ہوسکتا۔

غرض خدا نے عالم کو کس طرح پیدا کیا؟ وہ پورے عالم پر کس طرح محیط ہے۔ عالم کے ہر ذرہ کے حرکت وسکون صرف خدا کے ارادہ سے کس طرح وابستہ ہے؟ خدا اپنی مخلوق کے ظاہر و باطن میں کس طرح پایا جاتا ہے؟ ان سارے سوالات کا حل بجائے باہر کے انسان خود اپنے اندر پا سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ

''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اس نے خدا کو پہچان لیا''۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہر چیز اللہ کے سوا ہیچ ہے''۔

خدا کی تخلیقات اسکے تصورات میں:۔

اسی طرح خدا عالم کے بعد عالم بناتا چلا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود نہ عالم

خدا بن سکتا ہے اور نہ خدا کائنات میں حلول ہوتا ہے۔ وہ صرف تصور کرتا ہے۔ گویا ساری کائنات خدا کا خیالی یا تخیلی عمل ہے۔ اب اگر ایسا خدا بتدریج چیزوں کو پیدا کرنے کا تصور کرے یعنی بیج سے آہستہ آہستہ درخت بنانے کا تصور کرے تو وہ عالم کا رب بھی ہوتا ہے اور قیوم (قائم رکھنے والا) بھی۔ ایسی صورت میں خدا کی مخلوق نہ صرف باقی رہنے میں خدا کی محتاج ہوگی بلکہ اپنے کمال تک پہنچنے میں بھی ہر آن اور ہر لحظہ خدا کے فیض تخلیق و تربیت کی ضرورت مند ہوگی۔

معجزہ کی حقیقت اور آخرت کا ثبوت:۔

معجزہ بھی خدا کے تخیل اور تصور سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا کسی چیز کو بتدریج نہیں بلکہ فوراً پیدا کرنے کا تصور فرماتا ہے تو وہ چیز ہمارے لئے معجزہ بن جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی سے کہا جائے کہ لکڑی گل سڑ کی کیمیائی عمل کے بعد مٹی بن گئی۔ مٹی گیہوں اور روٹی بن گئی۔ روٹی مرغی کے بچے نے کھائی، مرغی کے بچے کو سانپ نے کھایا۔ گویا وہی لکڑی اب سانپ کی صورت میں لہرانے لگی تو اس بات پر کسی کو تعجب نہ ہوگا لیکن اگر اسی بات کو سلسلہ ربوبیت کی تدریجی منزلوں سے ہٹا کر یوں کہہ دیا جائے کہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں لکڑی سانپ بن کر لہرانے لگی تو بازاریوں میں کھلبلی مچ جائے گی۔ حالانکہ تدریجی تخلیق کے تصور سے اچانک کسی چیز کے وجود میں آنے کا تصور زیادہ آسان ہے۔ اچانک پیدا ہو جانے کی تخلیق خالق کے صرف ایک معمولی اور وقتی توجہ کی محتاج ہے۔ تعجب ہے کہ تدریجی تخلیق پر تو ہم خدا کو قادر مان لیتے ہیں کیونکہ وہ ہر آن ہمیں دکھائی دیتی ہے لیکن خدا کی اچانک تخلیق کا سمجھنا ہمیں مشکل معلوم ہوتا ہے جو

تدریجی تخلیق سے زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ اچانک تخلیق میں خدا کو صرف ایک دفعہ اس چیز کا تصور کرنا ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر ہماری خیالی اور تصوری مخلوقات خارج میں وجود نہیں حاصل کرسکتیں تو یہ ہماری تخلیقی قوت کے ضعف کا نتیجہ ہے اور یہ ضعف اس لئے بھی ہے کہ ہم اپنی کسی خیالی مخلوق پر چند سیکنڈ سے زیادہ دیر تک توجہ قائم نہیں رکھ سکتے۔ لیکن جو لوگ دیر تک کسی ایک چیز پر تصور قائم رکھنے کی مشق کرلیتے ہیں تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ ان کے ذہنی تصورات خارج میں وجود کا بھیس اختیار کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ دوسرے لوگ بھی ان کو دیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً مسمریزم کی جو لوگ مشق کرتے ہیں، وہ تھوڑی دیر کیلئے اپنے خیالی تصورات کا عکس دوسروں کے حواسوں پر بھی ڈال دیتے ہیں اور جو صوفیا کرام اپنی عبادات میں بڑی دیر تک خدا کا تصور کیے رہتے ہیں، وہ جب کسی پر نظر التفات ڈالتے ہیں یا کسی کیلئے کسی خاص کامیابی کا تصور کرکے دعا کرتے ہیں تو کہیں زیادہ ٹھوس اور نمایاں قسم کے اثرات چھوڑتے ہیں۔ اس لئے شیخ اکبر محی الدین عربی اپنی کتاب "فصوص الحکم" میں لکھتے ہیں۔

"عارف اپنی محبت اور توجہ سے ایسی چیزیں بنا دیتا ہے جس کا وجود خارج میں ہوتا ہے۔ پھر اسی عارف کی ہمت اور ارادہ اپنی مخلوق کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ وہ اس نگرانی سے تھکتا نہیں۔ اگر عارف اس اپنی مخلوق سے غافل ہوجاتا ہے تو اس کی مخلوق معدوم ہوجاتی ہے"۔ (فصوص الحکم)

اسی طرح برے لوگ اگر تصور کو ایک جگہ جمانے کی مشق کرتے ہیں تو وہ اپنے تصور سے چڑیلیں اور ہمزاد وغیرہ بنالیتے ہیں اور ان سے کام بھی لے لیا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے جس ترتیب کے ساتھ تصور کیا تو اسی تصور کو اپنی

کن فیکونی قوت سے مخلوق کا رنگ دے دیا۔ اس بات کو خدا نے یوں فرمایا:

''اللہ زمین و آسمان کا نور ہے''۔

اور حدیث قدسی میں یوں فرمایا: ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا''۔

عمل تخلیق کی تفصیل:۔

پس اسی حی قیوم نے اپنے غیر محدود اسماء اور بے شمار صفات کو جب اپنا غیر فرض کیا تو اسی کا نام کائنات پڑ گیا۔ جس طرح شاعر اپنی بینائی کو نرگس میں، شنوائی کو غنچہ میں، گویائی کو بلبل میں، اپنے حسرت و درد کو لالہ کے پھول میں، اپنے استقلال کو ساحل سمندر میں اور اپنی بے چینی کو دریا کی موجوں میں فرض کر لیا کرتا ہے، بلکہ کبھی کبھی تو شاعر اپنی تنہائیوں میں خود اپنی ذات کو بھی غیر فرض کر کے اس سے سوال جواب بھی کر لیا کرتا ہے، تو اس طرح کرنے سے شاعر کی ذا ۔۔ ،صفات میں کوئی عیب یا کمی نہیں پیدا ہوتی تو اسی طرح اگر وہ ذات جو غیر محدود صفات و کمالات کی مالک ہے، اپنے اسماء و صفات کو مختلف مدارج کے لحاظ سے اپنا غیر فرض کر لیتا ہے، تو اسی نسبت سے مخلوقات خارج میں وجود پاتی ہیں اور اس عمل سے خالق میں کسی قسم کا نقص یا کمی واقع نہیں ہوتی۔ بس فرق صرف اتنا سا رہتا ہے کہ ہمارے مفروضات ہماری قوت ارادی کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے مفروضات ہی بن کر رہ جاتے ہیں اور ان سے آثار کا ظہور نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر ہم آگ کا تصور کریں تو اس سے حرارت یا سوزش پیدا نہیں ہوتی مگر جب خدا آگ کا تصور کرتا ہے، تو جس قدر وہ تصور کرتا ہے اسی قدر

روشنی اور حرارت کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔جس چیز میں خدا اپنی صفت حیات کو جس مقدار میں قرض کر لیتا ہے وہ چیز اس حد تک زندہ ہو جاتی ہے اور جس چیز میں جس مقدار میں علم قرض کر لیتا ہے اس میں اتنا ہی علم پیدا ہو جاتا ہے اور کائنات میں کثرت مخلوق کا سبب خدا کے بے شمار اسماء حسنیٰ اور بے شمار کلمات ہیں جو ہر لحظہ اور ہر آن ظاہر ہو رہے ہیں۔کل یوم ھوفی شان یعنی ہر روز اس کی الگ شان ہے۔اسی سرچشمہ سے تمام مخلوقات بن رہی ہیں۔گویا ہر چیز خدا کے کسی اسم یا صفت کی آئینہ دار ہے۔

فلسفہ توحید

توحید ذاتی، توحید صفاتی و توحید افعالی

توحید ذاتی:۔

فلاسفہ اسلام کے نزدیک توحید ذاتی کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی ذات میں کسی کو شریک نہ مانا جائے۔خدا نہ تو اندرونی طور پر کسی چیز سے مرکب ہے اور نہ اس کی ذات سے خارج کوئی الگ چیز خدا کی شریک ہے۔خدا ایک بسیط ذات ہے جو ہر قسم کے اجزاء اور اعضاء سے پاک، اکیلی اور لاشریک ہے۔

عرفاء کے نزدیک توحید ذاتی یہ ہے کہ انسان یہ بات سمجھ لے کہ وجود بس خدا کی ذات میں منحصر ہے۔کائنات میں جو کچھ بھی نظر آتا ہے سب خدا کا جلوہ ہے اور اس کے وجود کا عکس ہے۔گویا ساری کائنات آئینے ہیں اور ہر آئینے میں خدا کا وجود جلوہ گر ہے۔کائنات کی تمام کثرتیں صرف آئینوں کی کثرتیں ہیں۔گویا ڈھیر سارے آئینے

ہیں اور سارے کے سارے آئینوں میں بس ایک نور جلوہ گر ہے۔ یعنی یہ آئینے خود کچھ نہیں ہیں، یہ صرف خدا کے نور کے جلوہ گاہ ہیں۔ قرآن میں خدا نے فرمایا۔

اللہ نور السموات والارض یعنی "اللہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کی نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی فانوس میں چمکتا ہوا چراغ روشن ہو"

عرفاء جب یہ کہتے ہین کہ ہم خدا کے سوا کچھ نہیں دیکھتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جن چیزوں کو ہم دیکھ رہے ہیں وہ سب خدا ہیں بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم ان تمام چیزوں کے آئینوں میں خدا کو جسے وہ معشوق حقیقی کہتے ہیں، اس کا جلوہ اور جمال وکمال دیکھتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کہا:

ہر ورقی دفتر ایست معرفتِ کردگار

میر انیس نے کہا:

ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

توحید صفاتی :۔

علم کلام یا فلاسفۂ اسلام کے ماہرین کے نزدیک توحید کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی صفات، خدا کی ذات سے الگ چیز نہیں بلکہ عین ذات ہیں۔ یعنی خدا کی صفات کا الگ سے کوئی وجود نہیں جیسے ہم کسی کالی چیز پر سفید رنگ کر دیتے ہیں۔ اس طرح خدا کی صفات خدا سے نہیں چپکا دی گئی ہیں۔ ہم غریب ہوتے ہیں مال کما کر خوش حال ہو جاتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ ہمارا نفس الگ چیز ہے۔ یعنی ہمارا نفس

الگ ہے اور مال الگ چیز ہے۔ ہمارے تمام صفات ہماری ذات سے الگ ہیں۔ مگر خدا کے یہاں ایسا نہیں۔ خدا کا علم، خدا کی قدرت یا خدا کی تمام دوسری صفات، خدا کی ذات سے الگ کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ خدا کی ذات ایک بسیط ذات ہے۔ خدا کا کوئی کمال اس کی ذات سے الگ چیز نہیں۔ خدا کا علم وقدرت کوئی الگ چیز نہیں جو بعد میں خدا سے ملا دی گئی ہو یا بڑھ کر خدا سے مل گئے ہوں۔ اسی کو توحید صفاتی کہتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ نفی الصفات عنہ یعنی توحید یہ ہے کہ ہم یہ مان لیں کہ خداوند عالم اپنی ذات سے الگ صفت کا حامل نہیں۔ کیونکہ اگر خدا کی صفات کو خدا کی ذات سے الگ مانا جائے گا تو ایک قسم کا تعدد پیدا ہو جائے گا۔ یعنی خدا کی ذات الگ ہوگی اور اس کا علم الگ ہوگا۔ اسکی قدرت الگ ہوگی۔ یہ بات توحید (ایک ہونے) کے خلاف ہے۔

عرفاء کے نزدیک توحید صفاتی یہ ہے کہ کائنات میں تمام صفات کمالیہ و جمالیہ ہمیں صرف خدا کی صفات نظر آنے لگیں۔ ہر صفت کمال خدا کی صفت نظر آئے۔ یعنی وہ یہ دیکھنے لگے کہ خدا کے سوا حقیقتاً کسی کے پاس نہ کوئی علم ہے نہ قدرت اور نہ کوئی کمال ہے۔ علم اور قدرت سب حقیقتاً صرف اللہ کیلئے ہے۔ لوگوں کے پاس جو علم و قدرت یا کوئی کمال ہے وہ ایک ناچیز سایا یا پرتو کی حیثیت رکھتا ہے۔ علم قدرت طاقت اختیار کمال جمال بنیادی طور پر بس خدا کیلئے ہے۔ ہر کمال و جمال خدا ہی کی قدرت کے کمال و جمال کے جلوے ہیں جو مظاہرہ کائنات میں جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ غرض یہ سب جمال و کمال حقیقتاً خدا کی عطا اور جلوؤں کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے تمام صفات کمالیہ اور جمالیہ دراصل خدا کی صفات ہیں۔ عرفاء کا دعویٰ ہے کہ اس بات کو پوری

طرح عقل سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ ہم خدا کی عبادت اور دعا میں غرق ہو کر اپنے اندر صفائے روح پیدا کرلیں، تب ان حقائق کو دیکھ سکتے ہیں یا محسوس کرسکتے ہیں۔ یہ سننے کی نہیں چکھنے کی چیز ہے۔ غرض توحید صفاتی، مسلمان فلاسفہ اور عرفاء کے نزدیک الگ الگ معنی رکھتی ہے۔ فلاسفہ اسلام کے نزدیک خدا کے صفات خدا کی ذات سے الگ نہیں۔ مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ کمال کی ہر صفت چاہے کہیں بھی ہو، خدا کی صفت ہے۔ جبکہ عرفاء کے نزدیک ہر کمال بنیادی طور پر خدا ہی کی صفت ہے اور اسی صفت کا عکس یا سایہ ہمیں کائنات میں دکھائی دیتا ہے۔ بقول میر انیس:

ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

عرفاء کہتے ہیں کہ اس حقیقت کو پالینے کے بعد انسان کو اس قدر لذت محسوس ہوتی ہے کہ وہ خود سے بے خود ہو جاتا ہے۔

توحید افعال:۔

فلاسفہ اسلام اور متکلمین کی اصطلاح میں توحید افعال سے مراد یہ ہے کہ خدا اپنے افعال میں کسی کی مدد یا مشورہ کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ہر کام صرف اپنی مرضی سے تنہا بغیر کسی مداخلت، مدد یا مشورے کے انجام دیتا ہے۔ البتہ کبھی وہ بغیر وسائل و اسباب کے کوئی کام انجام دیتا ہے اور کبھی وسائل کے ذریعے سے انجام دیتا ہے۔ مگر یاد رہے وسائل بھی خود خدا ہی کی پیداوار ہیں اسلیئے وہ وسائل کا محتاج بھی نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کہ وہ وسائل کے بغیر کوئی کام انجام ہی نہیں دے سکتا۔ جب خدا چاہتا ہے تو

کسی مصلحت کی بناء پر اسباب کے ذریعہ کام انجام دیتا ہے اور جب چاہتا ہے بغیر وسائل کے انجام دیتا ہے۔

عرفاء کے نزدیک توحید افعالی کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی شخص کے دل یا روح میں طہارت اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ہر کام کو خدا کا کام سمجھتا ہے۔ دوسرے تمام کام کرنے والے اس کی نگاہ میں ایک وسیلہ کے سوا کچھ نہیں ہوتے۔ اس فلسفے کی ناقص مثال یہ ہے کہ جیسے قلم کسی لکھنے والے کے ہاتھ میں ہو۔ قلم لکھتا ضرور ہے لیکن وہی کچھ لکھتا ہے جو لکھنے والا چاہتا ہے۔ اصل لکھنے والا مصنف ہوتا ہے، قلم نہیں ہوتا۔ عرفاء کہتے ہیں کہ جب انسان خدا کی اطاعت، خدا کی خوشی کی خاطر پورے طور پر اختیار کر لیتا ہے تو پھر اسے خدا کی جانب سے ایک نور عطا کیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ کائنات کو دیکھتا ہے تو اسے صاف صاف، صرف اور صرف ایک خدا کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے جو ہمیشہ ہر جگہ ہر کام انجام دیتا ہے۔ پھر وہ یہ حقیقت پالیتا ہے کہ طاقت، علم، کمال، جمال سب صرف اور صرف خدا کے پاس ہیں اور دوسرے لوگ سوا وسیلے یا پرزے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

یہ بات جان لینے کے بعد انسان کسی انسان یا دوسری طاقت کے تسلط کو اپنے اوپر قبول نہیں کرتا۔ یہی توحید کا حقیقی مفہوم ہے کہ انسان، انسان کی بندگی نہ کرے بلکہ ہر بندھن سے آزاد ہو کر صرف اور صرف خدا کی غلامی کرے۔ بقول ڈاکٹر اقبال:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہی مفہوم ہے کلمہ لا الہ الا اللہ کا، اگر یہ کلمہ صرف اور صرف بے جان

بتوں کے خلاف ہوتا تو تاریخ میں اتنی معرکہ آرائی نہ دکھائی دیتی۔ اگر رسول خداؐ صرف کعبہ کے بتوں کے خلاف ہوتے اور کعبہ کے کلیداروں کے مفادات کے خلاف نہ ہوتے تو قریش کے سرمایہ دار سردار رسول اکرمؐ کے خلاف سردھڑ کی بازی نہ لگاتے۔ وہ بتوں کو چھوڑ کر کعبہ کی چابی کے اسلامی متولی بن جاتے۔ یعنی خادم الحرم کا لقب اختیار کر لیتے اور عرب پر حکومت کرتے رہتے۔ یعنی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر سرمایہ داری اور استکباری کرتے۔ لیکن لا الہ الا اللہ کے حقیقی معنی ہی یہ ہیں کہ ہم کسی کو خدا کے سوا بڑی طاقت نہیں مانتے۔ آج مٹی، پتھر کے بت تو نہیں رہے لیکن بڑی طاقتوں کے نام سے اور سرمایہ داروں کے لبادہ میں حکومتیں اور افراد موجود ہیں جو انسانوں کے سروں پر دندنا رہے ہیں۔ انسانی وسائل کو اپنی مٹھی میں لیکر ہر قوم کو اپنی اطاعت پر مجبور کر رہے ہیں۔ توحید کا سچا پرستار کبھی کسی طاقت کو جو خدا کے علاوہ ہو، قبول نہیں کرتا۔ بقول ڈاکٹر اقبال:

ماسوای اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونی سرش افگندہ نیست

یعنی اللہ کے سوا مسلمان کسی کا غلام نہیں۔ کسی فرعون کے سامنے اس کا سر نہیں جھک سکتا۔

اور یہ فلسفہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں سکھا دیا۔

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خوں کشید

یعنی جب امامؑ نے لا الہ کی تلوار میان سے نکالی تو انہوں نے باطل خداؤں

کی رگوں سے خون نکال لیا۔

سورۃ انعام (۷۴ تا ۸۳ آیات)

''ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنے باپ (مراد چچا) آذر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو خدا سمجھتے ہو؟ میں تمہیں اور تمہاری قوم والوں کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں (۷۴) اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کا نظام سلطنت دکھایا تا کہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہوں (۷۵) تو جب رات کا اندھیرا ان پر چھا گیا تو انہوں نے ایک تارا دیکھا۔ تو کہا یہی میرا پالنے والا مالک ہے، مگر جب وہ تارا ڈوب گیا تو انہوں نے کہا'' میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا'' پھر جب چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا ''لو یہ ہے میرا پالنے والا مالک'' مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: اگر میرا حقیقی پالنے والا مالک مجھے سیدھے راستے پر نہ رکھتا تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا (۷۷) پھر جب سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا ''بس یہی ہے میرا پالنے والا آقا ہے (کیونکہ) یہ تو سب سے بڑا ہے'' مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو ابراہیمؑ پکار اٹھے'' اے میری قوم والو! یقین جانو کہ میں ان (جھوٹے خداؤں) سے قطعی بیزار اور الگ ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو (۷۸) میں نے تو ہر چیز اور . رف سے ہٹ کر اور کٹ کر، اپنا چہرہ صرف اسی ہستی کی طرف موڑ لیا ہے جس نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہر گز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں'' (۷۹) اس پر ان کی قوم ان سے جھگڑنے لگی۔ تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا'' کیا تم اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے (اس لئے)

میں ان چیزوں سے بالکل نہیں ڈرتا جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرادیا ہے۔ سوا اس کے کہ اگر میرا حقیقی مالک ہی کوئی بات (یعنی میرا نقصان) چاہے۔ میرے پالنے والے آقا کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ آخر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ (۸۰) آخر میں تمہارے ٹھہرائے اور بنائے ہوئے خدا کے شریکوں سے کیاں ڈروں؟ جبکہ تم لوگ تو خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے (جیسے عظیم جرم سے بھی) نہیں ڈرتے؟ جن کے متعلق خدا نے تم پر نہ تو کوئی دلیل اتاری ہے اور نہ کوئی سند اتاری ہے۔ تو (بتاؤ) ہم دونوں فریقوں میں سے کون ہے، جو امن وسکون کی حالت میں مطمئن رہنے کا زیادہ حقدار ہے؟ (بتاؤ) اگر تم کچھ بھی علم رکھتے ہو؟ (۸۱) حقیقت یہ ہے کہ امن وسکون (Peace of mind) تو صرف انہیں لوگوں کیلئے ہے اور ٹھیک سیدھے اور صحیح راستے پر بھی وہی لوگ ہیں جو خدا کو سمجھ کر دل سے مانتے ہیں، اور پھر اپنے اس ماننے میں ظلم (یعنی شرک) کی ملاوٹ بھی نہیں کرتے (۸۲) یہ ہماری وہ دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے پر عطا کی تھی۔ ہم جسے چاہتے ہیں (دلیلیں سکھا کر) درجوں میں بلندی عطا کرتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تمہارا پالنے والا مالک گہری مصلحتوں اور حقیقتوں کے مطابق دانائی کے ساتھ بالکل ٹھیک کام کرنے والا بھی ہے اور سب کچھ جاننے والا بھی۔ (۸۳) (القرآن)

تشریح:۔

(۱) مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تم لوگوں کو کائنات کے آثار نمایاں طور پر دکھائے ہیں اور اپنی نشانیاں بھی تمہیں دکھائی ہیں، اسی طرح ابراہیمؑ کے سامنے بھی

یہی آثار تھے اور یہی نشانیاں تھیں۔ یہی خدا کے آثار تھے مگر تم ان کو دیکھتے ہوئے بھی اندھوں کی طرح کچھ نہیں دیکھتے۔ مگر ابراہیمؑ نے ان آثار کائنات کو آنکھیں کھول کر دیکھا۔ یہی چاند سورج، یہی ستارے تمہیں جیسا طلوع ہوتے ہوئے گمراہ پاتے ہیں ویسا ہی غروب ہوتے وقت گمراہ اور خدا سے غافل چھوڑ جاتے ہیں۔ انہیں چیزوں کو یعنی کائنات کے بندوبست کو اس آنکھ والے انسان ابراہیمؑ نے بھی دیکھا تھا۔ مگر وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر حقیقت تک پہنچ گئے مگر تم نہ پہنچے۔ بقول اقبال:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

کیا ہے تجھکو مدرسے نے کور ذوق ایسا
کہ بوئے گل سے بھی تجھکو ملا نہ گل کا سراغ

بقول میر انیس:

ہر سو تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں؟

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در ایوان عشق
او بصحرا رفت ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

یعنی ہم اور مجنوں عشق کے مدرسے میں ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ وہ تو صحرا میں نکل گیا اور ہم گلیوں میں ذلیل و خوار مارے مارے پھر رہے ہیں۔

غرض اس آیت نے خدا کے بارے میں تفکر و تدبر کا طریقہ سمجھایا ہے۔
حضرت ابراہیمؑ کے اردگرد پوری قوم چاند سورج اور ستاروں کو خدا سمجھ کر پوج رہی تھی اس لئے فی الحقیقت حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کے لوگوں کی جستجو کا آغاز اس سوال سے ہونا چاہئے تھا کہ کیا واقعی یہی خدا ہیں۔ اس سوال کا جواب انہوں نے اس طرح دیا کہ یہ چاند سورج اور ستارے تو کسی کے غلام ہیں جو غلاموں کی طرح گھوم رہے ہیں۔ ان میں کوئی بھی خدا کی صفت موجود نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا چاند سورج تارہ کو یہ کہنا کہ "یہ میرا رب ہے" صرف یہ بات بتلانے کیلئے تھا کہ طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں جن جن منزلوں پر غور کرنے کیلئے رکتا ہے، اصل اعتبار ان منزلوں کا نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اصل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس کی طرف وہ بڑھ رہا ہوتا ہے اور اس آخری مقام کا ہوتا ہے جہاں وہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ اصل میں یہ ٹھہراؤ سوالی اور استفہامی ہوا کرتا ہے نہ کہ حکمی۔

طالب حق کی یہ درمیانی راہ میں غور وفکر اس کی آخری رائے نہیں ہوا کرتی۔ جب تحقیق کرنے (Research) پر اس کو جواب نفی میں ملتا ہے تو وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے طالب حق کیلئے یہ سمجھنا کہ درمیان راہ میں جہاں جہاں اس کو تحقیق کیلئے رکنا پڑتا ہے وہاں وہ عارضی طور پر کافر یا مشرک ہو جاتا ہے، بالکل غلط ہے (اور حضرت ابراہیمؑ تو یہ سب کچھ صرف اپنی قوم کو سمجھانے کیلئے کر رہے ہیں اور اپنی قوم کو تفکر و تدبر کا طریقہ بتا رہے ہیں)۔ (تفہیم)

بقول ڈاکٹر اقبال:

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لا الہ الا اللہ

انسان جتنا آسمانوں اور زمین کے نظام سلطنت کو دیکھتا ہے، غور کرتا ہے، تو گویا وہ اس عبادت کو انجام دیتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی عبادت تھی۔ کیونکہ خدا نے فرمایا کہ "ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کا نظام سلطنت دکھایا"۔

خدا ایسے بندوں کا قصیدہ پڑھ رہا ہے جو اٹھتے بیٹھتے، سوتے (جاگتے) خدا کے کاموں سے غافل نہیں رہتے۔ جو کائنات ارض و سماء پر غور کرنے کے بعد یہ اعلان کرتے ہیں کہ "اے رب دنیا میں کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی، تو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہمیں جہنم کی آگ کی سزا سے بچالے"۔

غرض اللہ کا سب سے بڑا معجزہ تخلیق کائنات ہے۔ اسی لئے ہر نبی نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے ہوئے خدا کے اعجازِ تخلیق پر غور کرنے کی دعوت دی۔ مثلاً

"فرعون نے موسیٰ سے پوچھا کہ خدا کون اور کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا وہی تو مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور ان تمام چیزوں کا جو ان کے درمیان ہیں۔ اگر تم یقین کرنا چاہتے ہو تو (کائنات پر غور کرنا کافی ہے)" (شعراء ۲۳-۲۴)

حضرت شعیبؑ نے فرمایا "اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کی دیگر اقوام کو پیدا کیا"۔ (شعراء ۱۸۴)

غرض جس طرح فضا میں بڑے بڑے آفتاب مختلف گزرگاہوں میں نہایت تندی اور تیزی سے گھوم رہے ہیں۔ بظاہر ان کی حرکات ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن سب کے سب ایک ہی آئین اور ایک ہی اصول کے پابند ہیں۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام بعض فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی پیغام توحید کے علمبردار ہیں۔ سب کے سب خدا کی معرفت اور اطاعت کی دعوت دیتے ہیں۔ خدا نے فرمایا:

''قسم ہے ان ہواؤں کی جو ذرات کو اڑاتی ہیں جو بادلوں کی ایک دنیا اٹھائے پھرتی ہیں۔ جو کسی روک ٹوک کے بغیر چلتی ہیں اور ہر طرف بارش کے قطرات تقسیم کرتی پھرتی ہیں کہ تم سے جو جو وعدے کیے گئے ہیں وہ پورے ہو کر رہیں گے۔ ار جزاء اور سزا کا آئین پورا ہو کر رہے گا۔ مختلف گزرگاہوں والے آسمان کی قسم کہ تم (انبیاء کی تعلیم کے بارے میں) خواہ مخواہ اختلاف کرتے ہو''۔ (ذاریات ۱۔۸)

امن وسکون خدا کو دل سے ماننے والوں کیلئے ہے۔ خدا کا فرمانا کہ ''امن سکون'' (Peace of mind) تو صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو خدا کو دل سے مانتے ہیں۔ وہی ٹھیک اور صحیح راستے پر ہیں۔ پھر خدا کے ماننے میں ظلم (یعنی شرک) کی ملاوٹ بھی نہیں کرتے۔

اس حقیقت کی جدید علوم سے تشریح:۔

اس طرح کی جاسکتی ہے کہ جدید علم نفسیات کی تحقیقات کے مطابق جو فرائیڈ نے کی ہیں، انسان کے اندر ایک زبردست طاقت جذبہ لاشعور کی ہے جس کا مطالبہ حسن وکمال ہے۔ فرائیڈ لکھتا ہے کہ بچہ اپنے والدین سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ

ان کو قابل تعریف سمجھتا ہے اور ہر کمال کو ان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ بچہ اپنے استادوں سے بھی اس لئے محبت کرتا ہے کہ اس کی نظر میں وہ کمال کا ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ لیکن عمر بڑھنے کے بعد اس کو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کافی نقائص ہیں۔ اس لئے اس میں آبائی الجھاؤ (Father Complex) پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ماں باپ اس کے جذبہ لاشعوری کے مطالبہ حسن وکمال کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اب جذبہ لاشعور غیر متناہی حسن وکمال کا مطالبہ کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسان مرتے دم تک خوبی، جمال، کمال وعظمت کی محبت میں گرفتار رہتا ہے۔ بچپن میں یہ خواہش ماں باپ اور استادوں کی ذات میں اپنی تکمیل ڈھونڈتی ہے۔ کیونکہ ان سے زیادہ کامل تر اور اعلیٰ تر شخصیت بچے کے علم میں نہیں ہوتی۔ مگر بچہ جیسے جیسے بڑا ہوتا جاتا ہے وہ بہتر اشیاء اور اشخاص کی محبت کی طرف اپنا رخ موڑتا چلا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فطرت میں انسان کے لاشعور میں طلب حسن وکمال کا جذبہ موجود ہے۔ انسان عمر بھر اس جذبہ کی تکمیل اور تشفی کیلئے کوششیں کرتا رہتا ہے۔ یہ جذبہ جو فوق الشعور کا مطالبہ ہوتا ہے صرف اور صرف اس وقت پوری طرح مطمئن ہوتا ہے جب انسان خدا کو پہچان کر اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسلئے کہ غیر متناہی حسن وکمال خدا کے تصور کے سوا اور کسی تصور میں موجود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کے سوا ہر چیز میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور ہوتا ہے۔ ہیگل نے خدا کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ "وہ ایک ایسی ہستی ہے جس کے حسن وکمال کی کوئی انتہا نہیں"۔

فرائیڈ کے نظریہ میں سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ فوق الشعور کو آبائی الجھاؤ کا قائم مقام اور اس کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ حالانکہ اس دعوے کو وہ ثابت بھی نہیں کرتا

مگر اس کے باوجود سارے نظریہ لاشعور کی بنیاد اپنی اسی غلطی پر رکھتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ والدین کی محبت بھی لاشعور کے جذبہ حسن وکمال کا نتیجہ ہے۔ فرائیڈ خود لکھتا ہے:

''میں جس حد تک چاہتا ہوں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ آبائی الجھاؤ فوق الشعور میں کس طرح سے تبدیل ہو جاتا ہے۔۔۔۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے خود اس کو پوری طرح سے نہیں سمجھا ہے''۔

پھر وہ خود لکھتا ہے کہ ''ہو سکتا ہے کہ فوق الشعور آبائی الجھاؤ کا نتیجہ نہ ہو۔ بلکہ فطرت انسانی کے ایک ایسے بنیادی خاصہ یا تقاضے کا نتیجہ ہو جو خود آبائی الجھاؤ کا سبب ہو''۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن وکمال سے محبت انسان کی فطرت کا ایک قدرتی وظیفہ ہے جو اس کے آبائی الجھاؤ کا نتیجہ نہیں بلکہ آبائی الجھاؤ اگر کوئی چیز ہے تو اسی حسن وکمال سے محبت کا نتیجہ ہے۔ اور فرائیڈ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ بچہ جنسی خواہشات کی وجہ سے ماں باپ سے محبت کرتا ہے۔ بچہ ماں باپ سے محبت بھی اسی لئے کرتا ہے کہ وہ ان کو حسن وکمال کا نمونہ سمجھتا ہے۔ البتہ جوانی میں خود شعوری کا جذبہ جو حسن کا متلاشی ہوتا ہے، اپنے مطلوب کو نہ جاننے کی وجہ سے آسانی سے بھٹک جاتا ہے۔ وہ بہت جلد جذبہ جنس کے راستے پر چل نکلتا ہے۔ وہ اپنا یہ جذبہ جنس مخالف میں ظاہر کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ جوانی میں طلب جمال کا جذبہ جنسی جبلت کے ذریعہ سکون پانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اس کو اس میں ناکامی ہوتی ہے تو یہ جذبہ رک جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان غمگین ہو جاتا ہے۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اگر جنسی عمل میں اس کو آزادی مل جائے تو یہی اس کی تمام پریشانیوں کا علاج ہے۔ لیکن حقیقتاً جنسی بے

راہ روی اس کیلئے مفید نہیں ہوتی، نہ اس کو تسکین عطا کرسکتی ہے۔ اسلئے کہ اس کا رکا ہوا جذبہ جنسی لذتوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ حسن حقیقی تک پہنچنے کی لذت کیلئے ہوتا ہے کیونکہ طلب حسن کا جذبہ لاشعوری ہے۔ اس لئے انسان کو اکثر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس کی مکمل تسکین کس چیز سے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اکثر بڑی بڑی غلطیاں کرتا ہے۔ عشق مجازی کو عشق حقیقی سمجھنے لگتا ہے۔ بتوں کی محبت، وطن کی محبت، قوم کی محبت، ایکٹروں کی اور کھلاڑیوں کی محبت، حسینوں کی محبت، اپنی اولاد کی محبت، کرسی اور نام کی محبت، غلط تصورات کی محبت کو اور بعض دفعہ جنسی رفیق کی محبت کو تصور حسن یا اپنا آدرش (مقصد حیات) بنالیتا ہے اور ان کے ذریعہ اپنے جذبۂ حسن کو مطمئن کرنے لگتا ہے۔ مگر کیونکہ یہ تمام چیزیں تصور حسن یا صحیح آدرش (مقصد حیات) کی صفات سے عاری ہیں اور صحیح اور مکمل آدرش نہیں بن سکتے لہذا آخر کار خود شعوری کا جذبہ حسن اطمینان نہیں پاتا۔ اسلئے جذبہ خود شعوری کو بہت جلد مایوسی اور ذہنی پریشانی (Frustration) کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو شدید اعصابی خلل یا ذہنی مجادلہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اس صورت میں ہم غلطی سے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس مرض کا سبب جنسی جذبے کی رکاوٹ ہے۔ لیکن اس کا اصلی سبب خود شعوری کے جذبہ حسن کی رکاوٹ ہوتی ہے۔ اسی لئے جو لوگ جنسی محبت میں ناکام محبت ہوجاتے ہیں، وہ اعلیٰ اخلاقی یا روحانی سرگرمیوں میں اطمینان محسوس کرتے ہیں اور آخر کار محبت کی ناکامیوں کو بھول جاتے ہیں۔ پھر ہمارا جذبہ حسن جنسی جذبے کی راہ سے اظہار نہیں پاتا۔ اور ہماری جنسی محبت غیر معمولی طور پر طاقتور نہیں رہتی۔ ہم زندگی کا اصل لطف خدا کی محبت اور اطاعت میں اٹھاتے ہیں کیونکہ زندگی کی تمام چاشنی، لذت، رونق، شگفتگی ہماری خود

شعوری کے جذبہ حسن کے سکون پانے میں ہوتی ہے۔ اسلئے خداوند عالم نے فرمایا کہ
"یادرکھو سکون اللہ کی یاد (محبت واطاعت) سے ملتا ہے"۔ (القرآن)

البتہ عورت کی مخلصانہ محبت سے آشنا ہو کر اس میں کامیاب یا ناکام ہو کر حسن مجازی کی ناپائیداری سے واقف ہو کر، انسان حسن حقیقی یعنی خدا کی محبت کی طرف راغب ہوتا ہے، تو وہ اس شخص کی نسبت بہت جلد کامیاب ہوتا ہے جو ایک شدید اور مخلصانہ محبت کے تجربے سے عمر بھر محروم رہا ہو۔ محبت کرنے والا شخص خدا کی محبت کا مزہ پاکر فوراً محسوس کرنے لگتا ہے کہ خدا کی محبت کی مسرت، کئی گنا زیادہ گہری اور زیادہ روح افزا ہے جو رفتہ رفتہ عبادت کی وجہ سے بڑھتی ہی جارہی ہے اور ہمیں حقیقی زندگی مسرت اور قوت عطا کررہی ہے۔ بڑی شدت واخلاص سے محبت کرنا، خواہ مرجع محبت کوئی بھی ہو، ایک نہایت اعلیٰ درجے کی فعالیت ہے کیونکہ اس محبت کے ذریعہ ہم اپنے جذبہ حسن کا پورا پورا اظہار کرلیتے ہیں اور پھر کسی قسم کی محبت خود اپنی ہی تشفی اور تکمیل کیلئے زود یا بدیر لازماً اللہ کی شدید محبت میں بدل جاتی ہے۔

خدا کی محبت کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جنسی جذبے کو جذبہ حسن سے الگ کر کے جذبہ جنسی کو جذبہ حسن کے ماتحت کردیا جائے۔ پھر دونوں کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنا اپنا فطری اظہار پاتے رہیں۔ اس طرح جبلت جنس اور جذبہ حسن دونوں اپنا اصلی مقام حاصل کرلیں گے اور ایک دوسرے سے تعاون کریں گے۔ جذبہ حسن کمال، حسن حقیقی، یعنی خدا کی محبت میں اپنا اظہار پائے گا۔ اور جبلت جنس اس کے ماتحت اس کا خدمت گزار بن کر رہے گا۔

اس طریقہ پر عمل کر کے انسان ہر قسم کے ذہنی مجادلے اور اعصابی امراض

سے بھی محفوظ ہو جائے گا اور اس کا لاشعور پورا پورا سکون اور اطمینان پائے گا۔

اسی لئے خدا نے فرمایا:

"ہوشیار، اللہ کی یاد ہی دلوں کو سکون بخشتی ہے"۔ (قرآن)

پریشانیوں کا راستہ اور اطمینان کے حصول کا طریقہ کار:۔

ہم غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جنسی خواہشات کے بے روک ٹوک عمل سے ہم کامل آسودگی اور سکون حاصل کرلیں گے۔ لیکن تجربہ گواہ ہے کہ جنسی بے راہ روی ہمیں بالآخر سخت پریشان حال بنا دیتی ہے۔ کیونکہ جذبہ جنس اور چیز ہے۔ غلطی سے یہ دونوں جذبے کچھ دیر کیلئے مل جل جاتے ہیں اور ہم جذبہ حسن کا بہت سا حصہ چھین کر جنسی خواہشات کے سپرد کر دیتے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ جذبہ حسن وکمال ہمارے بے لگام جنسیت کے پیچھے موجود رہتا ہے۔ البتہ اس جذبہ حسن کمال کے ایک حصہ کی تشفی جنسی جذبے سے ہو رہی ہوتی ہے۔ پھر جب جنسی محبت اپنی تشفی پا کر کمزور ہونے لگتی ہے تو آدرش یا حسن حقیقی کی محبت پھر اپنی اصل حالت پر لوٹتی ہے۔ لیکن وہ یہ پاتی ہے کہ اسے بے وفائی سے ترک کر دیا گیا ہے۔ ایسی حالت میں ذہنی مجادلہ نہایت شدید صورت اختیار کر جاتا ہے۔ جنسی خواہشات کی آزادانہ تسکین سے ہمارے اعصابی خلل اور بڑھ جاتے ہیں۔ ہم اندرونی طور پر خود کو بے اطمینان اور ناخوش محسوس کرتے ہیں کیونکہ ہمیں مکمل اطمینان اور سکون صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی ذہنی مجادلہ موجود نہ ہو۔ اور جب ہمارا آدرش (Ideal) ہمارے جذبہ حسن کو پوری طرح مطمئن کر رہا ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم اپنے آدرش کے اندر کمال حسن کا

احساس کر رہے ہوں یعنی جب ہم حسن حقیقی کے حسن و کمالات کا شعوری احساس اس طرح سے کر رہے ہوں کہ ہمارے لاشعوری جذبۂ حسن کا کوئی حصہ غیر حسن خدا کی طرف منتقل نہ ہو رہا ہو اور نہ ہو سکتا ہو۔ (قرآن اور علم جدید۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

خدا پر ایمان اور ذکر سے سکون قلب کس طرح ملتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ انسان بے اطمینان کن وجوہات کی بناء پر ہوتا ہے؟ اس کی وجوہات معلوم کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا پر ایمان اور خدا کا ذکر کس طرح سکون بخشتا ہے۔ انسان کی پریشانی کے آٹھ اسباب بتائے گئے ہیں۔

(۱) تاریک مستقبل یا نعمتوں کے چھن جانے کا غم، دشمنوں، بیماریوں، فقر و فاقہ کا خوف، اس کے مقابلے کیلئے اگر ہمارے دل میں یہ ایمان و یقین ہو کہ خدا کی طاقت ہر طاقت سے قوی ہے۔ بقول شاعر:

دشمن اگر قوی است، نگہباں قوی تر است

یعنی اگر دشمن طاقتور ہے، تو بچانے والا زیادہ طاقتور ہے۔

یہ عقیدہ اور یہ تصور کہ خدا نے ہماری کفالت اپنے ذمہ لی ہے اور وہ مشکلات اور پریشانیوں کا دور کرنے والا ہے۔ خدا کی ان صفات کی یاد اور یقین ہمیں بر آنے والی مشکل اور حادثے اور خوف سے بچالیتا ہے۔

(۲) انسان کی پریشانی کا دوسرا سبب ماضی کی تلخیاں ہیں۔ پچھلی غلطیوں کا انجام کا خوف اور اس کا مقابلہ کرنے کیلئے خدا کی یہ معرفت کہ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے، گناہوں کا معاف کرنے والا اور پچھلے نقصانات پر اجر عظیم دینے والا ہے۔ یہ تصورات

ہمیں ماضی کی ہر تلخی کو بھلا دیتے ہیں۔

(۳) انسان کی فطرت کے داخلی تقاضے خاص کر حسن و کمال اگر سکون نہ پائے تو انسان مضطرب رہتا ہے کیونکہ اس کی فطرت آدرش (مقصد زندگی) کو چاہتی ہے۔ خدا کو مان کر اس کو یاد کرنے سے انسان کی یہ پیاس پورے طور پر بجھ جاتی ہے۔

(۴) پریشانی کا ایک بڑا سبب زندگی کے بے مقصد ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ خدا کو ماننے کے بعد انسان کو زندگی کے معنی مل جاتے ہیں۔ زندگی کا مقصد خدا کی رضا مندی اور خدا کی عظیم نعمتوں کا حصول بن جاتا ہے۔ پھر وہ بے ہدف ٹھکرائے ہوئے انسانوں کی طرح مارا مارا نہیں پھرتا۔ بقول اقبال:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(۵) پریشانی کا ایک سبب لوگوں کی ناقدریاں ہوا کرتی ہیں لیکن جب انسان خدا کو جان لیتا ہے تو اسے یقین ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا میری نیکیوں کی قدر کرے یا نہ کرے خدا ہر حال میں میرا قدرداں ہے۔ اس لئے اسکو یہ خیال یا ایمان سکون بخشتا ہے۔

(۶) بدگمانیاں، دشمنیاں، بے ہودہ خیالات اور جھگڑے انسان کو بلا کی کوفت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اگر انسان خدا کے احکامات پر عمل کرے گا تو کسی سے بدگمانی یا بے مقصد دشمنی یا چھوٹے موٹے فضول کے جھگڑے اور انا کیلئے دشمنیاں مول نہ لے گا۔

(۷) دنیا پرستی اور دوسروں کو مال و دولت عزت، اولاد ملتے دیکھ کر افسوس اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ مال عزت نہ ملنے پر دنیا پرست زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے لیکن خدا کا سچا ماننے والا مال اولاد نام شہرت، عزت کو اتنی زیادہ اہمیت ہی نہیں دیتا کہ

ان کے نہ ملنے پر تڑپنے لگے۔ وہ ان تمام نعمتوں کو خدا کی عطا پر موقوف سمجھتا ہے اور ان کو زندگی کا اصل ہدف نہیں سمجھتا۔ وہ جائز کوششیں ضرور کرتا ہے مگر نہ ملنے پر بری طرح مضطرب نہیں ہوتا۔ پھر وہ جانتا ہے کہ خدا کا ہر کام کسی نہ کسی گہری مصلحت کی بنا پر ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ خدا نے مجھے ان چیزوں سے باوجود پوری کوششوں کے اس لئے محروم رکھا ہوا ہے کہ ان کے ملنے میں میرا ہی کوئی نقصان ہو اور خدا جب چاہے گا ان سے کہیں عظیم نعمتیں مجھے عطا فرمادے گا۔

(۸) پریشانی کا ایک سبب موت کا خوف ہوتا ہے لیکن ایک سچا خدا پرست انسان موت کو فنا نہیں بلکہ بقاء کا سبب سمجھتا ہے۔ ملاقات رب سمجھتا ہے۔ موت کو اعلیٰ ترین زندگی کا دریچہ سمجھتا ہے۔ وہ موت سے گزرنے کو ایک آزاد اور وسیع فضا میں پہنچنا سمجھتا ہے۔ اس لئے موت سے پریشان نہیں ہوتا۔ بقول اقبال:

نشانِ مردِ مومن با تو گویم

چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

یعنی میں مومن کی ایک نشانی تجھے بتا رہا ہوں کہ جب اسے موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے۔

اس لئے خدا پر ایمان اور خدا کا ذکر انسان کو سکون بخشتا ہے۔ خدا نے فرمایا:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

''اللہ کی یاد دلوں کو سکون بخشتی ہے''۔

شرک کی نفی

کائنات کے مختلف اجزاء کا باہمی توافق اور ربط

(Co-Relation)

خدا کے وجود اور توحید کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے کائنات کے مختلف اجزاء میں توافق (Harmoney) اور ان کی باہمی کارسازگاری بہت اہم ہے جبکہ دنیا کے مختلف اجزاء ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً ایک عورت ایک مرد سے بالکل مختلف خصوصیات وصفات رکھتی ہے۔ مگر اس کے باوجود عورت کے پاس جو کچھ ہے وہ مرد کو نہ صرف مطلوب ومرغوب ہے بلکہ اگر عورت نہ ہو تو مرد کا وجود اور اسکی قوتوں اور صلاحیتوں کا بڑا حصہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح مرد کے پاس جو کچھ ہے وہ عورت کے تقاضوں کا بھرپور جواب ہے۔ ٹھیک یہی حال کائنات کے تمام اجزاء کا ہے۔ جس طرح عورت یا مرد تنہا بے مقصد ہو کر رہ جاتے ہیں اسی طرح کائنات کی ہر چیز اپنے جوڑے کے بغیر بے مقصد ہر کر رہ جاتی ہے۔ کوئی چیز اپنے مقصد کو پورا ہی اس وقت کرتی ہے جب اپنے جوڑے سے ملتی ہے۔ جیسے زمین آسمان، دن رات، سردی گرمی، روشنی اندھیرا، ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہوئے ایک دوسرے کیلئے ضروری ہیں۔

نیز یہ کہ دنیا کی ہر چیز اپنی بقا اور نشو ونما کیلئے اسی بات کی محتاج ہے کہ پوری کائنات اس کے لئے کام کرے۔ گیہوں کا ایک پودا اس وقت تک وجود میں آ کر کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کائنات کے تمام عناصر اس کی پرورش میں اپنا اپنا حصہ ادا نہ

کریں۔ زمین اس کیلئے گہوارہ بنے، پانی غذا بنے، سورج حرارت فراہم کرے اور اسے گرم رکھے، شبنم اسے ٹھنڈک پہنچائے، ہوائیں اسے لہلہائیں اور لوریاں سنائیں، ستارے ان پر چمک دمک برسائیں۔ غرض پوری کائنات جب حرکت میں آئے تو ایک لقمہ ہمارے لئے فراہم ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ پوری کائنات میں یہ توافق، یہ ہم آہنگی، یہ ارتباط، یہ سازگاری اتفاقاً پیدا ہوسکتی ہے؟ کیا ساری کائنات کے مختلف النوع اجزاء از خود پیدا بھی ہوئے اور ان میں اتنا حیرتِ انگیز توافق (Harmoney) از خود اتفاقاً پیدا ہوگیا؟ پھر یہ سارے کے سارے اجزاء اتفاقاً انسان کیلئے سازگار بن کر اس کے خدمت گار بن گئے؟ کیا انسان کی عقل اس قسم کے حیرت انگیز مسلسل کام کرنے والے اتفاقات کو تسلیم کرسکتی ہے؟ خدا فرماتا ہے:

''اور ہر چیز سے ہم کے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم سوچو اور سمجھو اور اللہ کی طرف بھاگو''۔ (الذاریات ۵۱)

کیونکہ کائنات کی بقاء اضداد کے توافق اور سازگاری پر مبنی ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ کوئی خالق حکیم وقوی ان مختلف اجزاء میں ربط و اتصال پیدا کرکے ان سے صالح نتائج پیدا کر رہا ہے۔ کائنات کی مختلف چیزیں ہرگز یہ نہیں بتاتیں کہ یہاں مختلف ارادے کام کر رہے ہیں بلکہ ان مختلف عناصر کا باہمی توافق اور ارتباط یہ بتاتا ہے کہ صرف ایک ہی ہے جس کے تصرف کے تحت اس کائنات کے تمام اجزاء اپنے مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا:

''اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس سے زمین کو زندہ کیا، وہ بھی

اس کے سوکھنے کے بعد۔ بیشک اس بات میں ان لوگوں کیلئے (ہماری قدرت اور حکمت کی) بڑی دلیل ہے جو بات کو سنتے ہیں۔ بیشک تمہارے لئے چوپاؤں میں بھی بڑا سبق ہے۔ (دیکھو) ہم ان کے پیٹوں کے اندر گوبر اور خون کے درمیان تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے نہایت خوشگوار، مزیدار ہوتا ہے اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی۔ تم ان سے نشے کی چیزیں بھی بناتے ہو اور کھانے کی چیزیں بھی۔ بیشک اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

(مثلاً) تمہارے پالنے والے مالک نے شہد کی مکھی کو خفیہ اشارہ کیا کہ درختوں اور چھتوں پر چھتے بنا۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس۔ پھر اپنے مالک کے ہموار راستوں پر چل۔ اس کے پیٹ سے مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس میں لوگوں کیلئے شفا بھی ہے اور اس کے اندر بڑی دلیل ہے ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ (نحل ۶۱۔۶۵ سے ۶۹)

اس عالمگیر ہم آہنگی کو دیکھئے۔ (۱) بادلوں کا برسنا۔ (۲) زمین کا لہلہانا۔ (۳) اس سے چوپائیوں کا چرنا۔ (۴) دودھ بننا۔ (۵) دودھ کا لذیذ و مفید ہونا۔ قوت بخش ہونا۔ (۶) انگور اور کھجور کا لذت بخش ہونا۔ (۷) شہد کا لذت بخش اور انسان کیلئے مفید ہونا۔ یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ کوئی ایک علیم وحکیم ہے جو یہ سارا نظام کسی مقصد کے تحت چلا رہا ہے کیونکہ اس قدر دور دراز کی چیزوں میں اتنے گہرے رشتے کیسے پیدا ہو گئے؟ متضاد چیزوں کے کشاکشوں میں توافق اور سازگاری کے اتنے پہلو کیسے نکل آئے؟ ان اضداد کو دیکھو اور ان میں سے صالح نتائج کا نکلنا دیکھو۔ یہ سب گواہی دے رہے ہیں کہ ایک علیم وحکیم ہاتھ اس کائنات پر حکمرانی

ہے۔ خدا فرماتا ہے:

"دونوں دریا یکساں نہیں۔ ایک میٹھا ہے جو پیاس بجھانے والا ہے، خوشگوار ہے۔ دوسرا کھاری کڑوا ہے۔ مگر تم ان دونوں سے تازہ گوشت بھی کھاتے ہو اور زینت کی چیزیں بھی نکال کر پہنتے ہو۔ پھر تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ کشتیاں کس طرح ان پانیوں کو پھاڑتی چیرتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم خدا کے فضل و کرم کو (یعنی روزی) کو تلاش کرسکو اور تاکہ پھر تم خدا کے شکر گزار بن سکو۔

وہی خدا رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو قابو میں کر رکھا ہے۔ (اسی لئے) ہر ایک معین وقت میں گردش کرتا ہے۔ وہی اللہ تمہارا پالنے والا مالک ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے۔ (القرآن)

(فاطر ۳۵۔ ۱۲ سے ۱۳)

دیکھئے کس طرح متضاد چیزیں مشترک مقصد کے حصول کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ کس طرح انسان ان تمام چیزوں سے روزی کما رہا ہے اور آرام بھی پا رہا ہے۔ کائنات کی ہر چیز بالواسطہ انسان کی خدمت کر رہی ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا کہ دنیا اتفاقات کا نتیجہ ہے، علم و تحقیق عقل و فکر کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔

آیت الکرسی اور خدا کی معرفت

(سورۃ بقرہ ۲۵۵ سے ۲۵۷)

"(۱) اللہ وہ زندہ پائندہ ہے کہ جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ (۲) جو پوری کائنات کا سنبھالنے والا ہے۔ (۳) نہ تو وہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ آتی ہے۔

(۴) زمین و آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے۔ (۵) ایسا کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کر سکے؟ (۶) جو کچھ ان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان سے چھپا ہوا ہے، اس سے بھی واقف ہے۔ (۷) اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی لوگ احاطہ نہیں کر سکتے۔ (یعنی اس کا علم لا محدود اور نا قابل فہم ہے) سوا اس کے کہ وہ خود اس میں سے کسی چیز کا علم ان کو دیدے۔ (۸) اس کی کرسی (یعنی علم وحکومت) سب آسمانوں اور زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور ان سب کی حفاظت اس کیلئے (کوئی مشکل) یا تھکا دینے والا کام نہیں۔ (کیونکہ) وہ ذات بہت بڑی، بلند مرتبہ اور عظیم الشان ہے۔ (۲۵۵)

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ (دین تو یہ ہے کہ) ہدایت کی بات کو گمراہی سے بالکل الگ کر کے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اب جو کوئی بھی طاغوت (یعنی ظالم سرکش بے دین حاکم یا شیطان) کا انکار کر کے اللہ کو سمجھ کر دل سے مان لے، تو اس نے وہ مضبوط رسی پکڑ لی جو کبھی ٹوٹ ہی نہیں سکتی (کیونکہ) اللہ سب کچھ سننے والا اور ہر چیز کو پوری پوری طرح جاننے والا ہے"۔ (۲۵۶) (القرآن)

تشریح:۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا خدا سوتا بھی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی سوال خدا سے پوچھا۔ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دو بوتلیں ہاتھ میں لئے رہو اور ہرگز نہ سونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے ہر چند ضبط کیا لیکن نیند غالب آگئی اور بوتلیں گر کر ٹوٹ گئیں۔ خدا نے فرمایا موسیٰ تم نیند کے عالم میں دو بوتلوں کی حفاظت نہ کر سکے۔ اگر میں سو جاؤں تو ساری دنیا کی حفاظت کون کرے گا؟" (مجمع البیان)

کرسی سے مراد خدا کا اقتدار بھی ہے اور علم بھی۔ (بیان اللسان ص ۶۴۵)

خدا کے زندہ ہونے کے معنی جسم رکھنے کے نہیں بلکہ زندگی کے تقاضے پورے ہونے کے ہیں اور قیوم قائم کا مبالغہ ہے اور اسکے معنی زندہ اور برقرار رہنے اور رکھنے کے ہیں۔ (تفسیر معانی۔ شاہ رفیع الدین، تاج العلماء)

قیوم کے دوسرے معنی کائنات کا نظام برقرار رکھنے والا بھی ہیں۔

(شاہ ولی اللہ۔ جلالین۔ تفسیر صافی۔ تفسیر مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "یہودیوں کا خیال تھا کہ خدا زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد تھک کر کرسی پر ٹیک لگا کر ایک خاص انداز سے بیٹھ گیا اور آرام کرنے لگا۔ خدا نے اس تصور کو رد کر دیا"۔

اس آیت سے شفاعت کا مفہوم ثابت ہو گیا ہے کیونکہ شفاعت کی نفی کر کے اس میں استثناء کیا گیا ہے۔ یعنی وہی لوگ شفاعت کر سکیں گے جن کو خدا نے لوگوں کے حالات کا پورا پورا علم دیا ہوگا۔ اس لئے محققین نے اس آیت سے انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کے علم غیب کو بھی ثابت کیا ہے۔ (مجمع البیان)

اسمائے الٰہی اور خدا کی معرفت:۔

آیت الکرسی ہی میں خدا کے چند اہم اسماء ہیں۔ (۱) حی۔ یعنی زندہ۔

مطلب یہ ہے کہ خدا ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ وہ ازلی و ابدی ہے۔ صفت حیات اس کی جزو ذات ہے۔ یعنی زندگی کے تمام لوازمات اس میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ (۲) قیوم۔ یعنی جو خود اپنی ذات سے قائم و دائم ہے اور دوسروں کے قائم رہنے کا سبب بھی ہے۔ سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس لئے سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ (راغب۔ تاج العلماء۔ ابن کثیر)

(۳) علی۔ یعنی بلند۔ جو تمام نقائص سے بلند و پاک ہو۔ شریک سے بلند، چیزوں کے مانند ہونے سے بلند۔ جس کی ذات ذہن میں آنے سے بلند جس کا علم اور قدرت حدوں سے بلند ہے۔ (۴) عظیم۔ یعنی جس کے بلند مرتبے کی کوئی حد نہ ہو اور اس کے برابر کوئی نہ پہنچ سکے۔ (روح۔ بحر)

طاغوت سے مراد سرکش شیطان اور حاکم جابر و ظالم ہے۔ اولیں معنی میں وہ لوگ طاغوت ہیں جنہوں نے محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ظلم کیا اور ان کا حق غصب کیا اور ان کے مقابلے پر اپنی امامت اور حکومت کا دعویٰ کیا۔ (تفسیر صافی ص ۱۷)

عروۃ الوثقیٰ۔ یعنی مضبوط رسی سے اولین مراد خدا کا دین اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی محبت ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی یہ چاہے کہ وہ ایسی رسی یا حلقے کو پکڑے جو کبھی نہ ٹوٹے تو اسے چاہیئے کہ میرے بھائی اور میرے وصی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت (یعنی) سرپرستی محبت و اطاعت کو قبول کرے کیونکہ جو کوئی ایسا کرے گا خدا اسے برباد نہیں ہونے دے گا اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے گا اسے نجات نہ دے گا''۔ (تفسیر صافی ص ۱۷)

آیت کا پیغام یہ ہے کہ خدا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کو پسند نہیں کرتا (فصل الخطاب)

آخر میں خدا کو علیم یعنی ہر چیز کا جاننے والا فرمانا بتاتا ہے کہ خدا کا علم انسان کے تمام ارادوں اور اعمال پر پوری پوری طرح حاوی ہے۔ خدا نے شفاعت کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ معاذ اللہ اس کا علم ناقص ہے بلکہ شفاعت کی اجازت خدا کے فضل وکرم کا اظہار ہے۔ اس کی رحمت کا اعلان ہے اور صاحبان شفاعت کی عظمت کا اظہار ہے۔ ورنہ خدا خود ہمارے اعمال کی حقیقت کو مکمل طور پر جانتا ہے۔

(ابن جریر از ابن عباسؓ کشاف، قاموس، راغب، تفسیر کبیر۔ معالم)

سورۃ بقرہ (آیت ۲۵۷)

"اللہ ان لوگوں کا سرپرست وحامی اور مددگار ہے جو اس کو سمجھ کر دل سے مانتے ہیں وہ ان کو (گمراہی اور مایوسیوں کے اندھیروں سے ہدایت اور امید کی) روشنی میں نکال لاتا ہے۔ مگر جو لوگ خدا سے انکار اور کفر اختیار کرتے ہیں، ان کے سرپرست حامی اور مددگار طاغوت ہیں۔ جو ان کو ہدایت کی روشنی سے (گمراہی، سرکشی اور ظلم کے) اندھیروں میں کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ تو جہنمی ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے"۔ (القرآن)

تشریح:۔

روشنی یا نور سے اولین مراد ہدایت ہے جس کا سرچشمہ محمد وآل محمد علیہم السلام ہیں اس لئے اندھیروں سے مراد محمد وآل محمد علیہم السلام کے دشمن یا ان سے دشمنی ہے۔

(تفسیر صافی ص ۷۱ بحوالہ الکافی بقول امام جعفر صادقؑ)

"ولی" یعنی سرپرست، حامی، مددگار اور پشت پناہ کے ہوتے ہیں (بیضاوی۔ ابن جریر۔ روح)

ولی کے مصدر کے معنی ایسی نزدیکی کے ہیں جس میں کوئی فاصلہ نہ ہو۔ اور ولی وہ ہوتا ہے جو خدا سے قریب اور دوسروں سے اولیٰ ہو اور ان کے انتظام اور سرپرستی کا حقدار ہو۔ ولی کا لفظ واؤ، لام، ی سے مشتق ہے اور اسی سے والی بھی بنا ہے جس کے معنی حاکم اور صاحب اختیار کے ہوتے ہیں اور اسی لفظ سے متولی بھی بنا ہے جس کے معنی انتظام کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ (مجمع البیان۔ از علامہ طبرسیؒ)

یہاں ولی کے معنی بگڑی بنانے والا اور آڑے وقت میں کام آنے والا ہے۔ (راغب)

اور خدا کا فرمانا کہ وہ اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے تو اسی کے معنی کسی کو مجبور کرنا نہیں ہوتے بلکہ اس کے معنی نیکی کے محرکات، ہدایات اور توفیقات فراہم کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا مومنین کو کفر و شرک اور ظلم و ستم کے اندھیروں سے بچاتا ہے اور طاغوت نے ان کو ان برائیوں میں مبتلا کیا اور نور ہدایت حاصل کرنے سے روکا۔ (مجمع البیان۔ فصل الخطاب)

محققین نے نتیجہ نکالا:۔

کہ بندہ ہر لمحے خدا کی توفیقات اور توجہات کا محتاج ہے۔ اگر بندہ خدا کی طرف اس کی اطاعت کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہے تو خدا اسکو اپنی توجہات سے نوازتا ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے "تم جہنم کی آگ کے کنارے پر تھے تو خدا نے تم کو بچالیا"۔ ظلم ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم جہنم کے اندر تھے۔ اسی طرح خدا کا مومنین کو گمراہی کی تاریکی سے نکالنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ گمراہی کے

اندھیروں کے اندر تھے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے اپنے ماننے والوں اور اطاعت کرنے والوں کو اپنی نیک توفیقات کے ذریعہ ہر قسم کی گمراہی کے اندھیروں سے بچائے رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی آدمی کو یہ کہتے سنا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں"۔ آپ نے فرمایا "یہ فطرت کے تقاضوں پر قائم ہے"۔ پھر اس شخص نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"۔ اس پر جناب رسول خداؐ نے فرمایا "بس اب یہ آگ سے نکل آیا"۔ ظاہر ہے کہ یہ کہتے ہوئے وہ آگ کے اندر تو نہ تھا۔ (غرائب القرآن نیشاپوری)

عبداللہ ابن غفور نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ جو لوگ آپ سے تولا نہیں کرتے۔ یعنی آپ کو اپنا امام اور حاکم نہیں سمجھتے ان میں امانت، سچائی اور وفاداری پائی جاتی ہے۔ جبکہ آپ سے تولا (محبت) رکھنے والوں میں یہ اوصاف نہیں۔ یہ سنتے ہی امام سیدھے ہو کر بیٹھے اور فرمایا "جو شخص ظالم کی امامت ولایت اور حکومت کو دل سے مانتا ہو جس کو خدا نے حاکم نہیں بنایا، اس کا کوئی دین نہیں ہے پھر آپؑ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

غرض حاصل مطلب یہ ہے:۔

کہ جو امام برحق کو دل سے مانتا ہے اور ظالموں کا ساتھ نہیں دیتا خدا اس کو گناہ کی تاریکیوں سے نکال کر توبہ اور اپنی بخشش کی روشنی کی طرف لے آتا ہے۔

سورۃ بقرہ (آیت ۲۵۸)

"کیا تم نے اس شخص کی حالت کو نہیں دیکھا جو ابراہیم علیہ السلام سے ان کے پالنے والے مالک کے بارے میں جھگڑا؟ (صرف اس لئے کہ اس شخص کو خدا نے حکومت دی تھی) جب ابراہیمؑ نے کہا "میرا پالنے والا مالک تو وہ ہے جو زندگی اور موت پر اختیار رکھتا ہے"۔ تو اس (نمرود) نے کہا "میں بھی زندگی اور موت پر اختیار رکھتا ہوں"۔ (پھر اس شخص نے ایک اور واجب القتل قیدی کو تو رہا کر دیا، اور ایک بے گناہ آدمی کو قتل کر دیا) ابراہیمؑ نے کہا "اللہ تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تو اس کو مغرب سے نکال لا"۔ (یہ سن کر) وہ (نمرود) منکر حق ہکا بکا رہ گیا۔ (مگر پھر بھی ایمان نہ لایا غرض) خدا ظالموں کو ہدایت (کی توفیق) ہی نہیں دیا کرتا"۔ (القرآن)

تشریح:۔

محققین نے نتیجہ نکالا کہ حضرات انبیاءؑ خدا اور اس کی توحید پر صرف خدا کے افعال سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ خدا کی کوئی ایسی صفت پیش نہیں کرتے جن سے تشبیہ یا تجسیم کیلئے کوئی گنجائش نکل سکے۔ (بصائر)

محققین نے دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ وقت ضرورت دین کی حقیقتوں کو بحث و مباحثہ سے ثابت کیا جا سکتا ہے اس لئے علم کلام انبیاءؑ کی سنت ہے۔ (بصائر)

اکابر ماہرین نے اعتراف کیا ہے:۔

کہ نصف صدی پہلے بائبل کے قصوں کو جس طرح بے حقیقت، بے اصل

اور غیر معتبر سمجھا جاتا تھا، اب وہ خیال تحقیق کی وجہ سے قائم نہیں رہا۔ یہاں تک کہ نمرود کے ساتھ ابراہیم کا مناظرہ بھی غیر معتبر نہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا۔ برٹانیکا۔ جلد۳۔ ص ۱۶۵۰)

کیونکہ نمرود خود کو سورج دیوتا کا اوتار کہتا تھا اور ان لوگوں کے عقیدے میں سورج ہی معبود اعظم تھا، اس لئے حضرت ابراہیمؑ کا استدلال یہ تھا کہ تم سورج کو قادر مطلق سمجھتے ہو تو یہی سورج اپنے ارادے سے خدا کے مقرر کئے ہوئے راستے سے ذرا اپنا رخ بدل کر دکھادے۔ دوسروں پر قدرت رکھنا الگ رہا، خود اپنے ہی اوپر اپنا زور چلا کر دکھائے۔ وہ بھی صرف اتنا کہ اپنا رخ بدل دے۔ کسی خدا کی بے بسی کا منظر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ نمرود جو سورج کو خدا سمجھتا تھا اور خود کو اس کا اوتار کہتا تھا اس کے عقیدے کو باطل کرنے کیلئے سورج ہی کی مثال پیش کرنا کتنا فصیح و بلیغ استدلال تھا۔ (ماجدی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام:۔

یہ ہے کہ خدا کو پہچاننے اور اس تک رسائی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی تخلیقات پر غور و فکر کیا جائے۔ اسی لئے پورے قرآن میں تمام فقہی مسائل پر صرف ۲۵۵ آیات ہیں۔ جبکہ کائنات پر غور و فکر کرنے کا تذکرہ ۷۵۶ مرتبہ کیا گیا ہے۔ مثلاً خدا نے فرمایا "زمین و آسمان میں مومنین کیلئے خدا کی نشانیاں، دلیلیں، حقیقتیں موجود ہیں"۔ (جاثیہ)

"یہ لوگ زمین پر سیر کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کے دل سمجھنے اور غور کرنے لگیں اور ان کے کان حقیقتوں کو سننے لگیں"۔ (حج ۴۶)

"بار بار دیکھو۔ کیا تمہیں خدا کی تخلیق میں کوئی بے نظمی نظر آئی"۔ (ملک ۳)

یورپ کے ایک ماہر طبیعات نے اندازہ لگایا ہے کہ تمام دنیا میں ہر سال صرف آدھا چھٹانک وزن کی بجلی خرچ ہوتی ہے۔ جس کی پیداوار پر ساٹھ کروڑ ڈالر خرچ ہوتے ہیں جبکہ سورج کی روشنی جو صرف ایک دن میں آتی ہے اس کا وزن ۴۴۸۰ من ہوتا ہے۔ اس طرح اس روشنی کی قیمت کروڑوں اربوں ڈالر سے بھی زیادہ ہوگی۔ خدا کا لطف وکرم دیکھئے کہ ہم ایک ٹکا بھی خرچ کئے بغیر روزانہ کروڑوں اربوں ڈالر کی روشنی اور توانائی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ (سبحان اللہ)

تمام ثوابت اور سیارے دراصل بڑے عظیم سورج ہیں جو ہم سے بہت دور ہیں اور ان کی یہ دوری بڑی رحمت ہے۔ اگر وہ ہم سے قریب ہو جائیں تو ہم ان کی حرارت سے جل کر راکھ ہو جائیں اور پھر وہ ہماری زمین کو بھی اپنی طرف کھینچ لیں۔ اس طرح پورا نظام شمسی درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ اب تک سولہ کروڑ سیارے یعنی سورج دریافت ہو چکے ہیں۔ گویا اس فضائے آسمانی میں ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑی زمینیں گھوم رہی ہیں۔ کروڑوں سورج، چاند، ستارے ناچ رہے ہیں۔ ہر طرف حیران کر دینے والا سلسلہ موجود ہے۔ جو خدا اندھیروں میں سے ایسی ایسی روشنیاں نکال سکتا ہے اس کیلئے موت کے اندھیروں سے زندگی کو دوبارہ نکال لینا کیا مشکل ہے؟ (سبحان اللہ)

''ان چیزوں پر غور کرنے سے خدا کی عظمت، قدرت، حکمت، رحمت، رحمانیت، رحیمیت سمجھ میں آتی ہے اسی لئے خدا نے فرمایا''ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے محض کھیل تماشے کیلئے پیدا نہیں کیا''۔ (دخان ۳۷)

پھر فرمایا''زمین اور آسمان اللہ کی بڑائی کی داستانیں سنا رہے ہیں کہ وہ

مالک غالب بلند و برتر اور صاحب حکمت ہے"۔ (جاثیہ ۳۷) (القرآن)

"خدا رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے۔ خدا کی مرضی کے سامنے تمام چاند، سورج مجبور ہیں۔ (اس لئے) یہ ایک معین مدت تک گھومتے رہیں گے۔ یہ ہے تمہارا پالنے والا مالک جو فرمانروا ہے۔ رہے (جھوٹے خدا جن کی تم خوشامد کرتے پھرتے ہو) وہ ایک ذرے کے بھی مالک نہیں"۔ (فاطر ۱۴) (القرآن)

آیات قرآنی سورۃ انعام (آیات ۹۵ تا ۹۷)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہی زندگی مردہ سے نکالتا ہے۔ (یعنی بے جان مادہ سے زندہ مخلوقات کو پیدا کرتا ہے) اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ (یعنی جاندار جسموں سے بے جان مادوں کو نکالنے والا ہے) پھر تم کدھر بھٹکتے پھرتے ہو؟ (۹۵) رات کے پردے پھاڑ کر وہی صبح کو نکالنے والا ہے۔ اس نے رات کو آرام و سکون کا وقت بنایا ہے۔ اس نے چاند اور سورج کو (وقت کے) حساب کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے سے مقرر کیا ہوا انتظام ہے۔ (۹۶) وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو مقرر کیا ہے تاکہ تم ان سے صحرا اور سمندر کے اندھیروں میں صحیح راستہ معلوم کر سکو۔ غرض ہم نے علم رکھنے والوں کیلئے اپنی باتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔ (۹۷) (سورۃ انعام نمبر ۶ آیات ۹۵ تا ۹۷) (القرآن)

معلوم ہوا کہ جو خدائی دلیلوں، نشانیوں اور علامتوں سے جاہل نہیں، صرف علم رکھنے والے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اصل میں جاہل تو وہ ہوتے ہیں جو صرف وقتی

فائدوں مصلحتوں اور حکومتوں کے دباؤ میں آ کر ہر فیصلہ اور ہر عمل اختیار کرتے ہیں۔
اس آیت سے علم و آگہی کی اہمیت کا پوری طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آیت کا مختصر مفہوم:۔

یہ ہے کہ خدا کی تخلیقات کو دیکھ کر اور زندگی کے مختلف مدارج کے طویل سفر میں انسان خدا کی بے شمار دلیلیں اور نشانیاں دیکھتا ہے۔ جن سے اگر چاہے تو خدا کو پہچان سکتا ہے۔ مگر یہ پہچان صرف انہیں لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جو سمجھ بوجھ سے کام لیں۔ ان کو حاصل نہیں ہو سکتی جو جانوروں کی طرح صرف اپنی حیوانی اور مادی خواہشات پوری کرنے میں اپنی ساری کی ساری توانائی خرچ کر ڈالیں۔ ایسے لوگ خدا کی دلیلوں اور نشانیوں پر غور نہیں کرتے۔ انہیں اس اہم ترین کام کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیونکہ ان کو اس کام میں کوئی فوری مالی منفعت نہیں دکھائی دیتی۔

عالم نباتات:۔

اس وقت تقریباً چودہ لاکھ نباتات دریافت ہو چکے ہیں جن میں سے ہم اب تک صرف تین چار سو کے استعمال سے واقف ہیں۔ اسی طرح جمادات اور حیوانات کی ان گنت تعداد ہمارے لئے اب تک راز ہے۔ امریکہ کی ایک یونیورسٹی جو علم نباتات کی تعلیم دیتی ہے اس کے دروازے پر لکھا ہے:

Open My Eyes so that I can Behold wonder of God's Creation

”اے اللہ! میری آنکھیں کھول تاکہ میں تیری تخلیق کی عجائبات کا اندازہ تو کر سکوں“۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عبادت یہ نہیں ہے کہ کثرت سے نمازوں میں کھڑا رہا جائے اور سجدوں پر سجدے کئے جائیں بلکہ عبادت یہ ہے کہ اللہ کے کاموں اور تخلیقات پر غور و فکر کیا جائے''۔ (الکافی)

خدا کس طرح موت سے زندگی کو نکالتا ہے؟

اس کی جدید تفسیر یہ ہے کہ جدید علم کے ماہرین کے نزدیک تمام حیوانات اور نباتات خلیوں سے بنے ہیں۔ یہ خلیے سمندر کی ایک جھلی والے مادے ''نخرمایہ'' سے تیار ہوتے ہیں جو سمندروں کے ساحلوں پر ملتا ہے۔ یہ نخرمایہ سب سے پہلے امیبا تھا جو ایک خلیہ والا جانور ہے جو صرف کیچڑ میں ملتا ہے۔ اس کے بعد دو تین چار پھر ہزاروں کروڑوں خلیوں والے جانور وجود میں آئے۔ خدا نے فرمایا: ''اللہ نے تمہیں ایک خلیہ جانور سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی مادہ نکالی''۔ (نساء)

''امیبا کے اجزائے تخلیق کاربن نائٹروجن، آکسیجن اور ہائیڈروجن ہیں۔ اسی امیبا نے ترقی کی تو مختلف جانور اور پھر انسان بنے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حیوانی زندگی کی ابتدا سمندر سے ہوئی تھی۔

توریت میں ہے ''پھر ہم نے پانیوں کو حکم دیا کہ جاندار اور متحرک مخلوق پیدا کرو''۔ (توراۃ)

قرآن میں ہے ''شروع میں زمین اور تمام آسمان بند تھے۔ پھر ہم نے ان کو الگ الگ کر کے جاندار چیزوں کو پانی (سمندر) سے پیدا کیا''۔ (القرآن)

ان خلیوں سے پہلے نباتات بنے جن میں حرکت، معدہ اور کچھ حیوانی اعضاء موجود تھے لیکن وہ دیکھنے اور سننے سے محروم تھے۔ پھر رینگنے والے کیڑے نمودار ہوئے۔ پھر اصداف اور جونکیں پیدا ہوئیں۔ پھر سلطان البحر بنا، پھر مچھلیاں، مگرمچھ اور دوسرے آبی جانور بنے۔ جب زندگی نے خشکی پر قدم رکھا تو کیڑے مکوڑے اور پرندے وجود میں آئے۔ پھر انسان آیا۔ بقول اقبال:

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

آج بھی رحم مادر میں بالکل وہی اجزاء اور عناصر موجود ہوتے ہیں جو سمندر میں ملتے ہیں۔ اسکا درجہ حرارت بھی وہی ہے۔ رحم مادر میں پہلے ایک خلیہ سا ہوتا ہے۔ پھر چند منزلوں سے گزر کر جونک بنتا ہے۔ پھر مینڈک کی شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر پرندوں کی سی ایک چونچ بھی (ایک چھوٹی سی) نکلتی ہے پھر چوپائے کی سی شکل کا ہوجاتا ہے۔ چوتھے مہینے نر اور مادہ کی تمیز ہوجاتی ہے۔ آٹھویں مہینے آنکھیں نکلتی ہیں، سر پر بال اگتے ہیں۔ گویا بچہ ان تمام منزلوں سے گزرتا ہے جو زندگی کے آغاز سے آج تک انسان پر گزرا ہے۔ قرآن نے انسان کے تخلیقی مادہ کو "سلالۃ" فرمایا جس کے معنی نچوڑ (Essence) کے ہوتے ہیں جو امیبا کا نچوڑ ہوتا ہے۔ علقہ کے معنی جونک کے ہوتے ہیں۔ مضغہ کے معنی گھوڑے کے بازو ہیں آخر میں انسانی شکل بنتی ہے۔

خدا نے فرمایا:

"ہم نے انسان کو کیچڑ کے بچے کچے مادہ (امیبا) سے پیدا کیا اور اب اس کی تولید کا سلسلہ رحم مادر سے جاری کردیا۔ پہلے ہم نطفہ کو جونک (علقہ) کی شکل میں

تبدیل کرتے ہیں، پھر اس جونک کو گوشت کا لوتھڑا گھوڑے کے بازو سے مشابہ بناتے ہیں۔ پھر ہڈیاں پیدا کر کے اس کے اوپر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پھر اس کو انسان کی صورت دے کر باہر نکال لاتے ہیں۔ وہ بہترین خالق کس قدر قابلِ تعریف ہے"۔

(مومنون ۱۲۔۱۴) (القرآن)

دیکھئے کس طرح موت میں سے زندگی پیدا ہو رہی ہے۔ اگر آج بھی آپ پانی کو خوردبین سے دیکھیں تو اس میں چھوٹے چھوٹے بے جان ذرات دکھائی دیں گے جو خاکی ذروں سے بھی بہت چھوٹے ہیں لیکن وہ کئی ہزار جواہر سے مل کر بنتے ہیں۔ پھر ہر جوہر منفی اور مثبت اجزاء کا مرکب ہوتا ہے۔ ذرے سے بھی ہزار گنا چھوٹے ذرات سے ساری کائنات کی تعمیر ہوئی ہے۔ گویا ذرات وہ اینٹیں ہیں جن سے کائنات کی عمارت بنی ہے۔

سائنس کا یہ انکشاف:۔

خدا کے وجود اور اس کے ایک ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگر آج انسان زمین کے اندر میلوں گھس کر ایک دھات کا ٹکڑا لے آئے اور پھر سمندروں کے اندر میلوں ڈوب کر کوئی خول اٹھا لائے، پھر مریخ سے بھی کھربوں میل دور جا کر کسی ستارے کا ایک کنکر اٹھا لائے اور پھر تینوں کو خوردبین کے نیچے رکھ کر ان کا معائنہ کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان تینوں کے اجزائے تخلیق و ترکیب وہی ذرات برقیہ ہیں جو زمین کی سطح، ورقِ گل اور ہر ستارے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بقول اقبال:

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

آسمانوں سے زمین تک عناصر تکوینی کا ایک ہونا، ایک خالق کے وجود کا ناقابلِ تردید اعلان ہے۔ انسان کی یہ تلاش اور محنت شاید کسی دن اس کے گستاخ ہاتھ کو دامنِ قدس تک بھی پہنچا سکتی ہے۔

عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو، یا مجھے آشکار کر

ایک مغربی سائنس داں لکھتا ہے ''حیرت ہے کہ ایک طرف تو انسانی عقل قدرت کی بڑی بڑی عظیم الشان ایجادات کو دیکھ کر لرز اٹھتی ہے اور دوسری طرف باریک ترین ذرات کا اعجاز دیکھ کر انسان کھو جاتا ہے''۔ خدا فرماتا ہے:

''زمین و آسمان کا کوئی ذرہ (یعنی جوہر) سے بھی چھوٹا (مغفیہ) یا بڑا (سالمہ) اللہ کی نگاہ سے غائب نہیں بلکہ اس کی روشن کتاب میں موجود ہے''۔ (القرآن) (یونس ۶۱)

قرآن میں ذرات کا ذکر فرمانا قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی واضح دلیل ہے۔ انہیں ذرات کا مطالعہ کرنے کے بعد لا، ؟کلون پکار اٹھا:

It is possible to concieve either the begening of the continuance of life without an over ruling creative power. Over powering strong proof of benevolent and intelligent design are to be found around us, teaching that all living things depend

on One Ever lasting creator and ruler.

یعنی یہ خیال سراسر غلط ہے کہ کائنات کا آغاز یا تسلسل بغیر کسی ایک خالق کے ہوسکتا ہے۔ فطرت کے یہ حیرت انگیز مناظر جن سے تکمیل اور رحمت برستی ہے خدا کی تخلیق اور تعمیر پر ناقابل انکار، حیران کن دلائل ہیں جو ہمیں صاف صاف بتا رہے ہیں کہ کائنات کے وجود کا انحصار ایک زندہ، ہر چیز کے قائم رکھنے والے بادشاہ کی مرضی پر ہے۔ خدا فرماتا ہے:

''خدا زمین میں آسمانوں کی باگیں پکڑے ہوئے ہے کہ وہ کہیں اپنے مدار کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے''۔ (فاطر) (القرآن)

''اللہ ہی نے آسمانوں کو تھام رکھا ہے کہ وہ زمین پر گر نہ پڑیں''۔ (قرآن)

آج تک یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ ان ذرات میں بجلی کہاں سے آئی؟

عجیب بات یہ ہے کہ تمام عناصر ترکیبی ہائیڈروجن، آکسیجن، الورونیم، یورونیم، سوڈیم وغیرہ جن کی تعداد اب سو سے بھی زیادہ معلوم ہو چکی ہے، یہ سارے اجزاء ایثر میں رہتے ہیں اور جس طرح ہمارے بولنے سے سانس لینے سے ہوا میں کوئی کمی نہیں ہوتی اسی طرح کائنات کی تخلیق سے ان عناصر کے خزانے ایثر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جس طرح حروف سے علوم وفنون بنے ہیں اس طرح انہیں عناصر سے پوری کائنات کی تخلیق ہوئی اور پھر بھی اس میں کوئی کمی نہیں آئی۔ خدا نے فرمایا:

''اگر خدا کی باتوں کو لکھنے کیلئے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور ان میں

سات سمندر اور ملا لئے جائیں، تب بھی خدا کی تخلیق اور عظمت کی مکمل فہرست تیار نہ ہو سکے گی‘‘۔ (کہف ۱۰۹)

عقیدۂ آخرت

(مرنے کے بعد دوسری زندگی کا عقیدہ)

دین کا دوسرا اصول

فرائیڈ نے بتایا کہ لاشعور کا یہ خاصہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے واقعات کو من وعن محفوظ رکھتا ہے۔ اور وقت کے گزرنے سے کسی واقعہ کے اندر ذرہ برابر بھی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری بات جدید علم نفسیات نے یہ بھی بتائی ہے کہ لاشعور کی دنیا وقت اور فاصلے کے قوانین کے عمل سے باہر ہے۔ یہاں فلسفیوں اور سائنس دانوں کی یہ بات غلط ثابت ہوگئی کہ ہمارا ہر ذہنی عمل وقت اور فاصلے کے قوانین کا پابند ہے۔

قرآن نے انسان کے نامہ اعمال کے بارے میں چار باتیں کہیں ہیں۔

(۱) انسان کا نامہ اعمال انسان سے الگ نہیں۔ فرمایا ’’ہر انسان کے اعمال ہم نے اس کی گردن میں لٹکا دیئے ہیں‘‘۔ گویا انسان کا نامہ اعمال صرف اس کی باہر کی قوتیں ہی نہیں لکھتیں بلکہ اس کی اپنی فطرت کی قوتیں بھی لکھ رہی ہیں۔ (۲) انسان کے نامہ اعمال کے اندر اس کے ہر چھوٹے بڑے عمل درج ہوتے ہیں۔ انسان جب اپنا نامہ اعمال پڑھے گا تو پکار اٹھا گا۔ ’’یہ کیسی کتاب ہے کہ میرا کوئی چھوٹا یا بڑا عمل ایسا نہیں جو اس میں درج ہونے سے رہ گیا ہو؟‘‘ (۳) ہمارا نامہ اعمال موت کے بعد ہمارے

ساتھ جاتا ہے اور اس کے مطابق ہمیں جزا سزا ملتی ہے۔ (۴) جدید علم نفسیات کے مطابق بھی ہماری ایک ذہنی زندگی ایسی بھی ہے جو وقت اور فاصلے کے قوانین کی پابندی سے آزاد ہے۔ یہ زندگی مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی کیونکہ ہماری موت فاصلے اور وقت کے قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ ہمارا لاشعور ان قوانین کے عمل سے دور ہے اس لئے موت لاشعور پر واقع نہیں ہو سکتی۔ موت صرف جسم عنصری پر وارد ہوتی ہے۔ لاشعور میں ہمارے پچاس سال پرانے اعمال بھی محفوظ رہتے ہیں۔ اگر لاشعور ہمارے جسم کا حصہ ہوتا تو ہر تین سال بعد جسم کا ہر ذرہ بدل جاتا۔ جبکہ لاشعور کے دفتر اعمال میں ۱۰۰ سال کے بعد بھی کوئی تغیر، کوئی دھندلا پن، کوئی مغالطہ یا شبہ تک پیدا نہیں ہوتا۔ اگر یہ دفتر اعمال جسم سے متعلق ہوتا ہے تو جسم کے کس حصے میں رہتا ہے؟ جب جسم کے تمام ذرات تین سال کے بعد بالکل غائب اور نابود ہو جاتے ہیں تو یہ نامہ اعمال کیوں غائب نہیں ہوتا؟ لہذا یہ ماننا ضروری ہے کہ لاشعور جسم سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ جسم لاشعور سے پیدا ہوتا ہے اور موت جسم کے لئے ہے لاشعور کیلئے نہیں۔

قرآن کے مطابق:

"جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کی جزا پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا اس کو دیکھے گا۔۔۔ ہر جان جو کچھ بھی کمائے گی اس کا پورا پورا بدلہ پائے گی۔ اور ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ کی جائے گی۔۔۔ ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔۔۔ اور خدا تمہارے اعمال میں ذرہ بھر کمی نہیں کرے گا"۔ (قرآن)

انسان کا اصل جوہر:۔

انسان کی عظمت کا راز ابدی حقیقتوں کو دل سے مان کر ان کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔ یہ کام انسان کے عزم ہی سے انجام پاتا ہے۔ انسان کے اندر سب سے بڑا جوہر خودشعوری ہے، جو کائنات کی آخری حقیقت ہے۔ اس خودشعوری کا خاصہ یہ ہے کہ وہ ایک آدرش یعنی ایک حقیقی مقصد حیات سے محبت کرتی ہے۔ اس کا آدرش وہی ہوتا ہے جو اس کے نزدیک حسن وکمال کی انتہا ہوتا ہے۔ اسی آدرش کی محبت کے جذبہ کو پورا سکون صرف اسی وقت مل سکتا ہے جب انسان خدا سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس لئے کہ خدا کی ذات ہی تمام حسن وکمال کی انتہا ہے لیکن اگر انسان خدا کو نہیں جانتا، پہچانتا تو اس کا یہی جذبۂ محبت اس کو غلط مقاصد حیات سے محبت کرنے پر مجبور کردیتا ہے۔ کبھی مال ودولت، کرسی، اولاد اس کا آدرش بن جاتے ہیں، کبھی شہرت، فنکاری، دیدہ زیبی اور لوگوں کی تعریف کا حصول اسکا آدرش بن جاتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی آدرش (مقصد حیات) سے محبت کئے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ غلط آدرش سے محبت ہی اسے شرک اور کفر تک لے جاتی ہے اور خدا سے محبت اس کو عمل صالح تک لے جاتی ہے۔ اس لئے کہ آدرش کی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہی عمل صالح ہے۔ آدرش یا زندگی کے اصل مقصد، یا خدا سے محبت کے تقاضوں پر عمل کرنے کیلئے انسان کو مضبوط عزم درکار رہتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ آدرش سے محبت کا تقاضا اس کی فطری خواہشوں کو روکنے پر منحصر ہو۔ اس عزم کا ماخذ انسان کی کوئی جبلت نہیں، بلکہ آدرش کی محبت عزم پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ آدرش کی محبت صرف انسان ہی میں پائی

جاتی ہے، اس لئے عزم بھی صرف انسان ہی میں پایا جاتا ہے۔ عزم کے ذریعہ انسان جبلتوں کے تقاضوں کو روک کر آدرش کی طبیعت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس وقت ہم کہتے ہیں کہ انسان نے عزم کا اظہار کیا۔ اسی لئے جب حضرت آدمؑ اس درخت کے قریب چلے گئے جس کے پاس جانے سے روکا گیا تھا تو خدا نے فرمایا:

''ہم نے آدمؑ میں عزم نہ پایا''۔ (القرآن)

غرض عزم کا مطلب خواہشات پر قابو پا کر ان کو صرف جائز طریقوں سے پورا کرنا ہوتا ہے۔ اس کو قرآن نے صبر بھی فرمایا ہے۔

بعض دفعہ انسان اپنی جبلت (خواہش) کے طبعی تقاضوں کو ان کی ضرورت سے بھی زیادہ پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خدا نے جبلتی تقاضوں کی تسکین میں ایک لذت کا احساس رکھ دیا ہے۔ تاکہ لوگ ہر جبلت کے طبعی تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف راغب ہوں لیکن اکثر لوگ اسی لذت پر ایسے مرمٹتے ہیں کہ اس لذت کو اپنا آدرش بنا لیتے ہیں اور آخر کار ان کے جذبۂ حسن کی تمام کی تمام قوت ان جبلی تقاضوں کی لذت کو حاصل کرنے پر صرف ہو جاتی ہے۔ مگر جو لوگ اپنی فطرت کے جذبۂ حسن و کمال کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں کہ وہ ہر وہ کام بڑی رغبت سے انجام دیتے ہیں جو ان کے آدرش یعنی خدا کو خوش کرتا ہے۔ پھر وہ اخلاقی اقدار اور احکامات الٰہی کی تعمیل میں عظیم سکون اور آسودگی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اسی کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور ایسے ہی نفس مطمئنہ کے مالک لوگ، قلب مطمئن کے ساتھ خوشی خوشی اچھے اعمال بھی انجام دیتے ہیں اور خدا ایسے لوگوں کو سیدھے راستے پر چلا کر منزل مقصود (مراد جنت یا خدا کی رضا کے حصول) تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ وہی لوگ

ہوتے ہیں جو خدا سے ملنے کی پوری امید رکھتے ہیں اور خدا کی رضا مندی کو اپنا آدرش بناتے ہیں وہ کبھی دنیا کی زندگی اور وقتی کامیابی پر مطمئن نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ خدا کے کلام اور دلیلوں کو پڑھتے رہتے ہیں اور ان پر غور کرتے رہتے ہیں اور اسی کے نتیجے میں وہ اپنی خود شعوری کے جذبہ حسن وکمال کی تسکین ہی کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی اس زبردست خواہش کی وجہ سے اپنی جبلی خواہشوں کو اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ وہ ان خواہشوں کو صرف خدا کے احکامات کے حدود کے اندر رہ کر پورا کرتے ہیں کیونکہ ان کے جذبہ حسن وکمال کی خواہش جبلی خواہشات کے زور کی وجہ سے دب نہیں جاتی۔ اس کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ خدا کے حسن وکمال و جمال کا ذکر نماز کی شکل میں کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کی توجہ اصل حسن وکمال پر مرکوز رہتی ہے اور وہ اپنے اسی عزم کی وجہ سے خدا کی رضا مندی کے حصول کیلئے خواہش کمال کے تقاضوں کو عملی طور پر پورا کرتے ہیں۔ اس کیفیت میں ہر اچھا عمل انجام دینا بہت آسان ہو جاتا ہے کیونکہ جبلتی خواہشات کی طرف سے کوئی زیادہ سخت رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اس لئے اولیاء اور شہداء نیک کاموں کو بڑے ذوق وشوق سے انجام دیتے ہیں۔ اس لئے پروفیسر جیمز کی وہ تعریف جو انہوں نے نیک عمل کیلئے لکھی ہے کہ "یہ وہ عمل ہوتا ہے جو شدید ترین مخالفت کے مقابلے پر ہو" ہمیشہ صحیح نہیں۔ شہید باطل کے لشکروں سے اسی لئے نہیں ڈرتا کہ اس کی خواہش حسن وکمال اس کی جبلت خوف سے بڑھی چڑھی ہوتی ہے۔

اصل میں انسان کی شخصیت کا مرکز انسان کی خودشعوری ہوتی ہے:۔

جو جبلتوں کو اپنی ضرورت کیلئے پیدا کر کے اپنے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتی ہے اور اس طرح دماغ کی تکمیل کرتی ہے۔ ورنہ انسان کی خودشعوری صرف اپنے آدرش کو چاہتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بعض جبلتی خواہشات کی تائید کرتی ہے اور بعض کو حقارت سے رد کر دیتی ہے۔ آدرش سے محبت کا جذبہ بیرونی حالات یا ہیجان سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک پیدائشی چیز ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ عمر، تجربے اور علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ کمال و جمال کی محبت کا معیار بھی ترقی کرتا جاتا ہے۔ یہ جذبہ کبھی زائل نہیں ہوتا۔ البتہ ہمارا آدرش بدلتا رہتا ہے۔ جب ایک آدرش زائل ہوتا ہے تو فوراً اس کی جگہ دوسرا آدرش جگہ لے لیتا ہے کیونکہ ہمارا فطری جذبہ یعنی کمال و جمال سے محبت کا جذبہ اپنے اظہار پانے سے رکنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بہرحال انسان میں جبلتی خواہشات بالآخر اسکے آدرش کے تحت رہنی ضروری ہیں۔

جب ہمارا کمال و جمال سے متعلق علم محدود ہوتا ہے تو ہم جبلتی خواہشات کی لذت ہی کو اپنا آدرش بنا لیتے ہیں۔ مگر جیسے جیسے ہمارا علم اور آگہی بڑھتی جائے گی ہمارا آدرش (مقصدِ زندگی) جبلتی خواہشات سے بلند ہوتا چلا جائے گا۔ پھر ہم اپنے آدرش کی خاطر اپنے جبلتی خواہشات کو قابو میں لا سکیں گے۔ ایسے بلند انسان کیلئے خوف کا موقع وہ ہوگا جب اس کے جسم کو نہیں بلکہ اس کے آدرش (مقصد) کو خطرہ لاحق ہوگا۔ اس وقت ہماری جبلتیں اور عواطف (جذبات) ہماری محبت کمال و جمال کے خدمت گار بن جائیں گے۔ محبتِ کمال ان جبلتوں کے ذریعہ اپنی حفاظت اور اپنی نشو و نما

کرتی ہے۔ محبت ان جبلتوں کے ذریعے سے اپنی مختلف کیفیتوں کا اظہار کرتی ہے جب خودشعوری کی محبتِ کمال و جمال، آدرش کے قریب آ رہی ہوتی ہے تو اسے خوشی اور مسرت کا احساس ہوتا ہے لیکن جب حالت برعکس ہوتی ہے تو غم کا احساس ہوتا ہے۔ انسان کا اصل محبوب خدا ہے جو ہر وقت زندہ اور قائم ہے اور اس کے قرب کا احساس ہر وقت کیا جا سکتا ہے اس لئے انسان اگر ذہنی طور پر صحت مند ہو تو غم کی کیفیت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔ وہ جلد یا بدیر امید میں بدل جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خودشعوری کا فطری یقین کہ وہ ہر وقت محبوب کے قریب ہو سکتی ہے، پہلے دب گیا تھا، وہ پھر لوٹ آتا ہے۔ ہمارا جذبۂ حسن و کمال یا آدرش (خدا) سے محبت کا جذبہ ہماری جبلتوں پر حکمران ہے۔ اگر یہ جذبہ جبلتوں کی پیداوار ہوتا تو ان پر کبھی حکمران نہ ہوتا۔ یہی جذبہ انسان کے تمام اعمال کا سرچشمہ ہے۔

کتاب التوحید

(ماخوذ از اصول کافی)

خدا کی یکتائی، اثبات وجود اور معرفتِ ذات وصفات کا بیان

کائنات کا حادث (مخلوق) ہونا

اور کائنات کے بنانے والے کا ثبوت

مصر کا ایک زندیق جو خدا کا منکر تھا، حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں بحث کرنے کیلئے حاضر ہوا۔ حضرت امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا کیا تم آسمان پر چڑھے ہو؟ اس نے عرض کی نہیں۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ آسمان میں کیا کیا ہے؟ اس نے عرض کی، نہیں۔ فرمایا کیسی عجیب بات ہے کہ تم نہ مشرق میں گئے نہ مغرب میں گئے، نہ زمین کے اندر (کے عجائبات) تم نے دیکھے اور نہ آسمانوں کے؟ جب تم کہیں گئے ہی نہیں تو تم کو کیا معلوم کہ کیا کچھ پیدا کیا گیا ہے؟ پھر تم ان چیزوں کا انکار کیسے کرسکتے ہو جو کچھ کہ ہے؟ کیا ایک سمجھ دار انسان کسی ایسی چیز کا انکار کرسکتا ہے جسے وہ خود نہیں جانتا؟

اے مصری بھائی! ہم اللہ کے بارے میں کبھی شک نہیں کرتے۔ کیا تم سورج، چاند، رات، دن کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح آتے جاتے ہیں، ان کے آنے جانے اور ان کی حالت پر کوئی شک ہی نہیں کرسکتا۔ ان کا آنا جانا اضطراری (مجبوری) ہے، جو وہ اپنی معینہ جگہ پر آتے جاتے ہیں۔ اُس مقررہ جگہ سے ذرا سا بھی ہٹ نہیں

سکتے۔ انہیں تو اس پر بھی قدرت حاصل نہیں کہ جا کر واپس نہ آئیں۔ اگر وہ آنے جانے پر مجبور نہ ہوتے تو نہ دن بنتا، نہ رات، دیکھو! یہ دونوں ہمیشہ سے آنے جانے پر مجبور ہیں۔ پس وہ کون ہے جس نے ان جیسی طاقتوں کو مجبور کر رکھا ہے؟ یقیناً وہ ان سے بڑا اور زیادہ طاقتور ہے۔

(اے مصری بھائی!) اچھا یہ بتاؤ کہ آسمان، زمین پر کیوں نہیں گر پڑتا (کیا ان کو سنبھالے رکھنے والا کوئی نہیں ہے)؟

نیز یہ کہ زمین اپنے طبقوں کو لے کر (اندر) دھنس کیوں نہیں جاتی؟ کیا کوئی اس کا انتظام کرنے والا صاحب عقل و حکمت نہیں ہے؟ اگر وہ نہ ہوتا تو، نہ زمین و آسمان قائم رہتے اور نہ لوگ زمین پر چل سکتے۔

پس وہ مصری زندیق، آپؑ کی پر از حکمت گفتگو سے بے حد متاثر ہوا، اور آپؑ کے دستِ حق پرست پر ایمان لے آیا۔

حمران نے عرض کی، آپؑ پر میری جان قربان ہو جائے، (اے فرزند رسولؐ!) آپؑ کے ہاتھ پر زندیق اور دہریے تک ایمان لے آئے، اور کفار (و مشرکین) آپؑ کے جدِ بزرگوار (جناب رسول خداؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ) کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔

(عراق کا مشہور فلسفی خدا کا منکر) ابن ابی العوجاء نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر خدا کا وجود ہے تو وہ اپنی مخلوق کے سامنے کیوں نہیں آ جاتا؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "وہ کہاں پوشیدہ ہے تجھ سے؟

جس کی قدرت کو تو اپنے نفس کے اندر دیکھتا ہے، جب تو نہیں تھا اس وقت اس نے تجھے پیدا کیا۔ بچے سے تجھے بڑا کیا، کمزور تھا تجھے قوت بخشی۔ پھر قوت دے کر کمزور کیا۔ صحت کے ساتھ ساتھ بیماری دی اور بیماری کے بعد صحت دی۔ رضامندی کے بعد تجھے غیض وغضب (کی صلاحیت وکیفیت دی) اور غیض وغضب اور ناراضگی کے بعد رضامندی بخشی۔ خوشی کے بعد غم دیا، اور غم کے بعد خوشی عطا فرمائی۔ محبت کے بعد دشمنی دی، اور ارادے کے بعد سستی دی، اور سستی کے بعد ارادہ دیا۔

پھر امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا، بتا تو کسی کا بنایا ہوا ہے یا نہیں؟ اس نے عرض کی میں (کسی کا) بنایا ہوا نہیں ہوں۔ حضرت امام علیہ السلام نے پوچھا، اگر تو کسی کا بنایا ہوا ہوتا تو کیسا ہوتا؟ یہ سن کر وہ حیران ہو کر رہ گیا۔ اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا پس تو کہتا ہے (کہ نہ خدا ہے، نہ ثواب ہے، نہ عذاب ہے) اگر ایسا ہی ہے تو مرنے کے بعد نہ تجھے کوئی خوف وکھٹکا ہے، نہ ہمیں۔ ہماری بھی نجات، اور تیری بھی۔ لیکن اگر ایسا ہو جیسا ہم کہتے ہیں (کہ خدا ہے، ثواب وعقاب ہے) تو ہم نجات پائیں گے، مگر تو ہلاک ہوگا۔ (کیونکہ ہم نے خدا کو مان کر اس کی اطاعت میں زندگی گزاری، جبکہ تو نے نہ خدا کو مانا، نہ اس کی اطاعت کی)۔

یہ سن کر وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا میں اپنے دل میں درد اٹھتا محسوس کر رہا ہوں۔ پس مجھے یہاں سے لے چلو۔

لوگ اسے لے گئے اور وہ مر گیا۔ (خدا اس پر رحم نہ کرے) (الکافی)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے خدا کے ایک منکر نے پوچھا، بتایئے خدا

کب سے ہے؟ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا، مجھے بتاؤ کہ وہ کب نہ تھا؟ میں نے جب اپنے جسم کو دیکھا کہ اس میں لمبائی ہے، چوڑائی ہے، نہ اس میں کوئی چیز ضرورت سے زیادہ ہے، نہ کم۔ میں نہ اس سے تکلیفیں دور کرنے پر قادر ہوں اور نہ منفعت حاصل کرنے پر۔ پس میں نے جان لیا کہ اس عمارت کا بنانے والا کوئی ضرور ہے۔ اس لئے میں نے خدا کی مالکیت کا اقرار کرلیا۔

پھر میں نے آسمان پر سیاروں کو گھومتے دیکھا۔ سورج، چاند ستاروں کے چلنے کے راستوں کو دیکھا۔ ان کے علاوہ اور بہت سی خدا کی قدرت کی نشانیاں دیکھیں۔ میں نے جان لیا کہ ان کا کوئی انتظام کرنے والا ضرور ہے۔

ایک مشرک (کئی خداؤں کا ماننے والا) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: یا تو تمہارے دونوں خدا قدیم بھی ہیں اور قوی بھی۔ یا پھر ایک طاقت ور ہے اور دوسرا کمزور ہے۔ اگر دونوں خدا طاقت ور ہیں تو پھر ایک دوسرے کو ختم کیوں نہیں کرتا؟ اور خود خدا کیوں نہیں بنتا؟ اور اگر تمہارا خیال ہے کہ ایک طاقتور ہے اور دوسرا کمزور ہے۔ تو کمزور کی کمزوری ظاہر ہوگئی۔ (اس لئے وہ خدا ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر دونوں کمزور ہیں تو دونوں خدا نہیں ہوسکتے)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا، خدا کے موجود ہونے پر کیا دلیل ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا، دنیا کی عجیب وغریب چیزوں کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ کسی نے ان کو بنایا ہے۔ کیا تم جب کسی مضبوط عمارت کو دیکھتے ہو، تو نہیں سمجھتے کہ ضرور اس کا کوئی بنانے والا ہے جبکہ تم نے اس عمارت کے بنانے والے کو

دیکھا بھی نہیں ہوتا۔

پوچھا گیا کہ خدا کیا ہے؟

امامؑ نے فرمایا وہ ایک ذات ہے جو تمام عالم سے مختلف ہے۔ نہ اس کا جسم ہے، نہ صورت۔ حواس خمسہ اس کو محسوس نہیں کر سکتے نہ وہ سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ عقل (اس کی حقیقت یا ذات) کو پاسکتی ہے۔ نہ زمانے کا گزرنا اس میں کوئی نقص یا کمی پیدا کرتا ہے، اور نہ زمانہ اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ (اصول کافی)

خدا کیا ہے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ (جناب رسول خداؐ نے) فرمایا، خدا کی ذات عقل میں آنے والی نہیں، نہ حدوں میں محدود ہونے والی ہے۔ جو چیز بھی تمہارے وہم و دماغ میں آئے، خدا کی ذات وہ نہیں۔ (کیونکہ) نہ تو خدا کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز خدا سے مشابہ ہے (اس لئے) وہم و گمان، عقل و فہم اس کی ذات کو پا نہیں سکتے۔ بھلا عقل اس کی ذات کو کیسے سمجھ سکتی ہے جبکہ جو چیز بھی عقل میں آئے گی، وہ خدا کے علاوہ ہوگی۔ خدا کی ذات کسی چیز میں نہ سما سکنے والی ہے اور غیر محدود ذات ہے، اسلئے وہ ذات ہمارے محدود ذہن میں سما نہیں سکتی۔

(نوٹ) یعنی ہم بس یہ تو سمجھ سکتے ہیں کہ خدا ہے، مگر یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس کی ذات کیسی ہے؟ اس کی کیفیت اور کمیت کیا ہے؟ اسکی اصل حقیقت کیا ہے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "اللہ اپنی مخلوق سے الگ ہے اور اس کی مخلوق اس سے جدا ہے۔ (کیونکہ) وہ اللہ کی مخلوق ہے اور خدا ہر چیز کا

خالق ہے۔

(نوٹ) اے برتر از قیاس و گمان و خیال و وہم
از ہر چہ گفتہ ایم، و شنیدیم و خواندہ ایم

یعنی: اے وہ ذات جو ہمارے قیاس، خیال وتصور اور وہم وگمان سے بہت بلند ہے۔ جو ہر اس چیز سے بلند و برتر ہے جو ہم نے اس کے بارے میں کہا ہے، سنا ہے یا پڑھا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک خدا کے منکر نے دریافت کیا، خدا کیا ہے؟

آپ نے فرمایا، وہ شے ہے، مگر تمام اشیاء سے مختلف (کیونکہ) نہ اس کا جسم ہے، نہ صورت، نہ وہ محسوس ہوتا ہے اور نہ حواس خمسہ اس کا ادراک کر سکتے ہیں، نہ اوہام وخیالات (اس کی ذات کو) سمجھ سکتے ہیں، نہ زمانے کا گزرنا اس کو کم کرتا ہے اور نہ وقت اس میں کوئی تبدیلی پیدا کرتا ہے۔

سائل نے دریافت کیا، آپ تو یہ کہتے ہیں کہ خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے؟

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا، بیشک وہ ہر چیز کا سننے والا اور دیکھنے والا ہے، مگر وہ بغیر کسی عضو کے سنتا اور بغیر کسی آلے کے دیکھتا ہے۔ وہ اپنے نفس (ذات) سے دیکھتا (سنتا) ہے مگر اپنے نفس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ وہ اور چیز اور اس کا نفس اور چیز ہے۔ یعنی وہ سننے والا ہے اپنے کل کے ساتھ۔ مگر اس سے بھی یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے کل کا کوئی جزو ہے۔ یہ سب کچھ میں نے تمہارے سمجھانے کیلئے تعبیراً (مثالاً) کہا ہے۔ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے مگر اس کی کوئی صفت اس کی ذات سے

الگ نہیں ہے۔

(یعنی خدا کی تمام صفات اس کی عین ذات ہیں، زائد بر ذات نہیں۔ خدا سننے اور دیکھنے میں کان اور آنکھ کا محتاج نہیں۔ کیونکہ خدا ایسی ذات ہے جو اپنی مخلوق سے بالکل مختلف ہے)

خدا کے منکر نے اعتراض کیا کہ جب آپؑ نے خدا کے وجود کو ثابت کیا تو آپؑ نے خدا کو محدود کر دیا؟

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا، میں نے خدا کو محدود نہیں کیا بلکہ میں نے خدا کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ کیونکہ نفی و اثبات (یعنی نہ ماننے اور ماننے کے درمیان کوئی اور راستہ نہیں) یعنی یا مانو کہ خدا ہے۔ یا نہ مانو کہ خدا نہیں ہے۔

اس نے پھر سوال کیا، اگر خدا کا نام مشتق ہے (یعنی کسی صفت کی بناء پر نام رکھا گیا ہے۔ جیسے قادر، علیم، حکیم وغیرہ) تو لامحالہ خدا کیلئے ایک کیفیت ماننا پڑے گی؟

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ کیفیت تو صفت کی ایک صورت ہے۔ اور کیفیت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جس کی کیفیت ہے اس کا احاطہ کر لیا ہے۔ جبکہ خدا کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کو مخلوق سے جدا سمجھا جائے اور کسی سے اس کو تشبیہ نہ دی جائے۔ اس لئے اگر ہم نے خدا کیلئے (۱) کیفیت کو مانا جس نے اس کا (۲) احاطہ کر لیا ہے تو ان دونوں صورتوں میں خدا کا انکار لازم آئے گا۔ خدا کے وجود کو باطل قرار دینا ہوگا۔ (کیونکہ) جس کسی نے بھی خدا کو اس کے غیر سے تشبیہ دی (یعنی خدا کیلئے مخلوق کی طرح کیفیت اور احاطہ تسلیم کیا) تو اس نے خدا کو ایسے لوگوں کی طرح سمجھا جو ربوبیت (مالکیت) کے مستحق نہیں ہیں۔ خدا کیلئے وہ صفات ہیں کہ

کا مستحق خدا کے سوا کوئی نہیں۔ نہ کوئی خدا کا شریک ہے اور نہ ان صفات کو خدا کے علاوہ (حقیقی معنی میں) کوئی جان سکتا ہے۔

سوال کرنے والے نے پھر سوال کیا، جب خدا کی توجہ اس کی مخلوق سے منقطع نہیں ہوئی یعنی خدا ہر وقت اپنی مخلوق کیلئے بندوبست کرتا رہتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کو تھکان یا تھکاوٹ طاری ہو؟

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا، خدا کی ذات اس بات سے بہت بلند ہے کہ اس پر کام کرنے سے تھکان غالب ہو (کیونکہ) یہ مخلوق کی صفت ہے۔ مخلوق کے ہاتھ پاؤں کام کرنے سے تھک جاتے ہیں۔ لیکن اللہ اعضاء و جوارح نہیں رکھتا وہ اس (کمزوری یا نقص) سے بلند و برتر ہے۔ وہ اپنے ہر ارادے کو پورا کرنے اور اس کو جاری کرنے پر قادر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اس کا صرف ارادہ کر لیتا ہے۔ (اور بس وہ کام ہو جاتا ہے)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا، آیا خدا کیلئے یہ جائز ہے کہ اسے کوئی چیز کہا جائے؟ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا، ہاں، مگر حد تعطیل اور تشبیہ کی حدوں سے نکال کر۔

(نوٹ) یعنی خدا کو چیز کہا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ پہلے مان لیا جائے کہ اس کی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اس کے وجود کی نفی نہیں ہو سکتی اور خدا کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ یعنی خدا چیز ہے مگر نہ اس کی حد بندی ہو سکتی ہے، نہ اس کے وجود کا انکار ہو سکتا ہے، اور نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کہ بقول شاعر: "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے"

خدا نہیں پہچانا گیا، مگر اپنی ذات سے:۔

امیر المومنین حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا، اللہ کو پہچانو خود اللہ سے (یعنی ان ہی ناموں اور صفتوں کے ذریعے جو خود خدا نے اپنے لئے خود بیان فرمائی ہیں)

اور خدا کے رسولؐ کو پہچانو ان کے پیغامات کے ذریعہ سے اور اولوالامر (یعنی امام وقت یا پھر وہ لوگ جو حکم دینے کے اہل ہیں) کو پہچانو ان کے نیکیوں کی ترغیب دینے سے اور ان کے عدل وانصاف واحسان (نیکیوں) اور حُسن کردار سے۔
پس جب خدا سے اجسام وارواح کی مشابہت کو دور کیا جاتا ہے تو یہ اللہ کو پہچاننا ہے۔
اور جب خدا کو روح، بدن یا نور سے مشابہ سمجھا جاتا ہے تو یہ اللہ کی معرفت نہیں۔

جناب امیر المومنین حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ سے کسی نے دریافت کیا، آپؑ نے اپنے مالک کو کیسے پہچانا؟ حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا، میں نے اس چیز سے پہچانا جس سے اس نے خود اپنی ذات کا تعارف کرایا۔

اس نے سوال کیا: کیا تعارف کرایا؟ فرمایا، خدا کسی صورت یا چیز سے مشابہ نہیں، اور نہ وہ حواس سے محسوس ہوتا ہے، نہ اس پر کسی چیز کا قیاس کیا جاسکتا ہے، وہ باوجود دور ہونے کے قریب ہے اور باوجود قریب ہونے کے دور ہے۔ وہ ہر چیز سے بلند وبالا ہے، اور کوئی چیز اس سے بلند نہیں، خدا ہر چیز سے الگ ہے۔ اس سے آگے کوئی چیز نہیں، وہ اپنی قدرت کے ذریعہ اشیاء میں داخل ہے، مگر اس چیز کی طرح نہیں جو کسی چیز میں داخل ہو جاتی ہے۔ وہ تمام چیزوں سے خارج (باہر) ہے، مگر اس طرح

نہیں جیسے کوئی چیز کسی چیز کے اندر سے باہر نکلتی ہے، وہ ہر نقص اور مخلوق کی ہر صفت سے پاک ہے، وہ ذات ایسی ہے کہ کوئی اس جیسا نہیں۔ خدا ہی ہر چیز کی ابتداء کرنے والا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ (فرزند رسولؐ) میں نے کچھ لوگوں سے مناظرہ کیا اور کہا کہ خدا اس بات سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کو اس کی مخلوق (سے تشبیہ) کے ذریعہ سے پہچانا جائے۔ بلکہ خدا کے بندے خدا (کی مخلوق ہونے) کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔

حضرت امامؑ نے فرمایا، خدا تم پر رحم کرے۔ (یعنی تم نے درست جواب دیا)

خدا کی کم سے کم پہچان (معرفت):۔

فرزند رسولؐ حضرت امام علی نقیؑ سے کسی نے سوال کیا کہ خدا کی کم سے کم معرفت (پہچان) کیا ہے؟ حضرت امامؑ نے فرمایا:

(۱) اس بات کا دل سے اقرار کرنا کہ خدا کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔

(۲) خدا کی کوئی نظیر ہے نہ مثل و مانند۔

(۳) خدا قدیم ہے (یعنی ہمیشہ سے ہے) اور واجب الوجود ہے۔ (یعنی ہمیشہ رہیگا)

(۴) وہ موجود ہے اور کبھی فنا ہونے والا نہیں۔ اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔

طاہر بن حاتم نے حضرت امام علی رضاؑ کی خدمت میں ایک خط میں لکھا کہ (فرزند رسولؐ) وہ کیا (چیز) ہے جس کے بغیر خدا کی معرفت کافی نہیں ہوتی؟

حضرت امامؑ نے تحریر فرمایا کہ اس بات کا اقرار کرنا کہ خدا ہمیشہ سے عالم

ہے، ہمیشہ سے سننے اور دیکھنے والا ہے۔ وہ جو ارادہ کرتا ہے اس کو پورا کرنے والا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے کسی نے یہی سوال پوچھا تو فرمایا: اس بات کا اقرار کرنا کہ خدا کی مثل کوئی چیز نہیں، اور نہ اس سے ملتی جلتی کوئی چیز ہے۔ اور یہ کہ وہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدا کا ہر کام، اس کی ہر بات عجیب و غریب ہے۔ لیکن اس نے تم پر اپنی حجت کو اس طرح مکمل کیا کہ اس نے تم سے خود اپنی ذات کا تعارف کرا دیا۔ نیز یہ کہ:

خدا معبود ہے (یعنی) وہ ذات جس کی بندگی، عبادت یا غلامی کی جائے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جس شخص نے اپنے خیال سے خدا کو سمجھ کر اس کی عبادت کی، اس نے کفر کیا اور جس نے معنی کو چھوڑ کر صرف اس کے نام کو پوجا، وہ بھی کافر ہوا۔ (یعنی جس نے اپنے ذہن میں اپنے آپ خدا کی ذات کا کوئی تصور کر کے اسی تصور کی عبادت کی یا جس نے خدا کے نام کو اس ذات سے الگ کر کے ناموں کی عبادت کی وہ کافر ہوا) جس نے اسم اور معنی دونوں کی عبادت کی، اس نے شرک کیا۔ (یعنی جس نے خدا کے ناموں کو خدا کی ذات سے الگ موجود سمجھ کر خدا کی الگ، اور اس کے ناموں کی الگ عبادت کی، اس نے شرک کیا)

ہاں، جس نے (خدا کے ناموں کے) معنی کی یہ سمجھ کر عبادت کی، کہ خدا کے نام ان صفتوں کے ساتھ ساتھ ہیں، جن کو خود خدا نے بیان فرمایا ہے۔ (یعنی خدا کے صفات اور اس کی ذات ایک ہی چیز ہیں الگ الگ نہیں۔ خدا کی صفات اس کی عین ذات ہیں) جس نے اس عقیدے کو اپنے دل میں جگہ دی اور زبان سے بھی اس کا

اظہار کیا، چھپ کر بھی اور ظاہراً بھی، وہ امیر المومنین (حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ) کے سچے اصحاب اور ساتھیوں میں سے ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ امامؑ نے فرمایا کہ ایسے ہی لوگ سچے اور حقیقی مومنین ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، اے ہشام! خدا کے ننانوے (۹۹) نام ہیں۔ پس اگر ہر اسم مسمی (جس کا نام ہے) بن جائے، تو ان میں سے ہر نام ایک معبود (خدا) بن جائے گا۔ لیکن لفظ اللہ سے مراد وہ معنی ہیں جس کی طرف یہ تمام اسماء اشارہ کرتے ہیں۔ اور وہ تمام اسماء اللہ کے غیر ہیں (یعنی) خدا سے الگ ہیں۔ جیسے روٹی کھانے کی چیز کا نام ہے، خود روٹی کا نام کوئی چیز نہیں۔ پانی، پینے کی ایک چیز کا نام ہے۔ کپڑا، پہننے کی ایک چیز کا نام ہے۔ آگ، جلانے والی ایک چیز کا نام ہے۔ (لیکن یہ نام الگ سے خود کوئی چیز نہیں ہیں، بلکہ جس چیز کے نام ہیں صرف اس کی طرف اشارہ کرنے والے ہیں)

کون والمکان:۔

نافع نے حضرت امام محمد باقرؑ سے دریافت کیا، خدا کب سے ہے؟ حضرت امامؑ نے فرمایا وہ کب نہ تھا کہ میں یہ بتاؤں کہ وہ کب سے ہے؟ پاک ہے وہ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیگا۔ وہ اکیلا ہے کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی بیوی ہے، نہ بچے۔

ایک شخص نے حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ سے دریافت کیا، آپؑ کا رب کب سے ہے اور کیسا ہے؟ اور کس چیز پر سہارا لیے ہوئے ہے؟

حضرت امامؑ نے فرمایا، خدا وہ ہے جس نے ہر جگہ والے کو جگہ والا بنایا، مگر

خود اس کیلئے کوئی جگہ (مخصوص) نہیں۔ وہ کیفیتوں کا پیدا کرنے والا ہے، خود صاحب کیفیت نہیں۔ اس کا اعتماد اس کی اپنی قدرت پر ہے۔

یہ سن کر وہ شخص اٹھا اور حضرت امام کے سر اقدس کو بوسہ دیا اور عرض کی، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی لائق عبادت نہیں، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ وصیِ رسولؐ ہیں۔ وہی بعد رسولؐ اس راستے کو قائم رکھنے والے ہیں جسے رسول خداؐ نے قائم فرمایا تھا، آپ حضرات سچے امام ہیں اور ان کے بعد ان حضرت کے خلیفہ (جانشین) ہیں۔

کچھ یہودی (اپنے ایک بڑے عالم) راس الجالوت کے ساتھ حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے کہ ہم آپؑ سے کچھ سوالات کرنے کیلئے حاضر ہوئے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا جو چاہو سوال کرو۔

راس الجالوت نے عرض کی، میں آپؑ کے رب (مالک) کے بارے میں دریافت کرتا ہوں کہ وہ کب سے ہے؟ حضرت امام علیؑ نے فرمایا، اس کے ہونے کی ابتداء نہیں، اور نہ اس کی کوئی کیفیت ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے بغیر کسی مدت اور کیفیت کے ہے اور اس سے قبل کوئی نہیں۔ وہ پہلے سے پہلے ہے اس کی کوئی حد و انتہاء نہیں۔ انتہاء کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ وہ ہر انتہاء کی انتہاء ہے۔

راس الجالوت نے اپنے ساتھیوں سے کہا، یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں (وہ بالکل صحیح ہے) ان سے بڑا کوئی عالم نہیں۔

امیر المومنین (حضرت علی ابن ابی طالبؑ) سے کسی نے دریافت کیا، زمین و

آسمان کے پیدا کرنے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا؟

آپؑ نے فرمایا، یہ سوال مکان (جگہ) سے متعلق ہے، اور خدا کیلئے کوئی مکان (جگہ) کا سوال ہی نہیں۔ (وہ لامکان ہے اور لامحدود ہے)

ایک شخص نے جناب امیر المومنین (حضرت علی ابن ابی طالبؑ) سے سوال کیا، ہمارا رب کب سے ہے؟

آپؑ نے فرمایا، کب سے ہونا تو اس کیلئے کہا جائے گا جو پہلے نہ ہو، خدا تو ہمیشہ ہمیشہ سے ہے۔ اس کیلئے کوئی وقت اور زمانہ نہیں۔ وہ بغیر کیفیت کے ہے۔ اس سے پہلے کا کیا تعلق جو پہلے سے پہلے ہو، وہ بھی بغیر کسی انتہاء کے۔ اس کیلئے نہ کوئی حد ہے، نہ انتہاء۔ تمام حدیں اس کی عظیم ذات تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ ہر انتہاء کی انتہاء ہے۔

خدا کا نسب یا نسبتیں:۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ کچھ یہودی جناب رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اپنے رب کا نسب نامہ بیان فرمایئے؟

آنحضرتؐ نے تین دن تک جواب نہ دیا۔ پھر سورۃ الاخلاص (قل ھو اللہ احد) نازل ہوئی۔ سورۃ الاخلاص (یعنی قل ھو اللہ احد) کا ترجمہ:

"کہہ دیجئے کہ وہ اللہ یکتا (بالکل اکیلا) ہے۔ (یعنی ایسا ایک اکیلا ہے کہ جس کے دو ہونے کا تصور تک محال ہو اور اس کے ہم جنس کا بھی تصور محال ہو)۔ (۱) اللہ سب سے بے نیاز ہے۔ (یعنی کسی سے کوئی حاجت نہیں رکھتا۔ جبکہ سب اس کے محتاج ہیں)

(۲) نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ (۳) اور کوئی اس کے برابر یا ہمسر نہیں۔ (یعنی کوئی اس کی مانند نہیں نہ اس کی کوئی مثال ونظیر ہے، نہ کوئی اس کے ہم مرتبہ، مساوی یا مماثل ہے) (القرآن)

خدا کی کیفیت کے بارے میں بات کرنے کی ممانعت:۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اللہ کی مخلوقات کے بارے میں بات کرو مگر اللہ کی ذات کے بارے میں بات نہ کرو۔ اللہ کی ذات کے بارے میں بات کرنے سے انسان کی حیرانی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپؑ نے فرمایا، ہر چیز کے بارے میں بات کرو سوا اللہ کی ذات کے۔

(نوٹ) کیونکہ انسان کا دماغ اللہ کی ذات کو سمجھ ہی نہیں سکتا، اس لئے اس کی ذات کے بارے میں نہ سوچو۔ صرف اس کی مخلوقات یا ان ناموں کے بارے میں سوچو جو خود اس نے ہمیں بتا دیے ہیں۔

وہ تصور میں بھی اس خوف سے آجاتے ہیں
جو تصور میں نہ آئے وہ خدا ہوتا ہے

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جھگڑے کرنے سے بچو، کیونکہ ان سے شک وشبہ پیدا ہوتا ہے اور (نتیجتاً) عمل باطل ہو جاتا ہے۔ اور جھگڑے کرنے اور کرانے والے کو برباد کر دیتا ہے۔ کبھی انسان ایسی بات کہہ دیتا ہے کہ جو کبھی معاف نہیں ہوتی۔ پرانے زمانے میں ایسے لوگ ہوئے ہیں کہ جنہوں نے (حقیقی) علم کو

چھوڑ دیا تھا، جس کو جاننا ان کیلئے ضروری تھا۔ اور غیر ضروری علم کو حاصل کرتے رہے۔
یہاں تک کہ ان کی بات چیت، بحث ومباحثہ اللہ کی ذات تک پہنچ گیا۔ جس نے انہیں
سخت حیرت میں ڈال دیا تھا۔ پھر ان کا یہ حال ہوا کہ اگر انہیں کوئی شخص پیچھے سے
پکارتا تھا، تو وہ آگے کی طرف جواب دیتے تھے۔ اور اگر آگے سے پکارے جاتے تھے تو
وہ پیچھے کی طرف جواب دیتے تھے۔

(یعنی بالکل حیران وپریشان ہوکر ہوش وحواس کھو بیٹھے اور الٹی سیدھی باتیں کرنے
لگے)۔

بقول شاعر:

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہیں

یا بقول اکبر الہ آبادی: انکا حال یہ ہوجاتا ہے کہ:

علامۂ جہاں ہیں، بڑے فیلسوف ہیں
یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

غرض خدا کی ذات کے بارے میں غور وفکر کرنے سے انسان کی عقل کی
چولیں ہلنے لگتی ہیں اور بالآخر پاگل ہوجاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جس نے اللہ کی کیفیت پر غور و
فکر کیا، وہ ہلاک وبرباد ہوا۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ، خدا کی ذات کے بارے میں غور و
فکر کرنے سے بچو۔ ہاں اگر تم یہ چاہتے ہو کہ خدا کی بڑائی پر غور وفکر کرو، تو خدا کی عظیم

تخلیقات پر غور کرو۔

بقول میر انیس:

ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

ابطالِ رویتِ خدا۔ یعنی خدا کو دیکھنا باطل ہے

امام ابو یوسف نے، حضرت امام حسن عسکریؑ سے دریافت کیا، (فرزند رسولؐ) جب بندے نے اپنے مالک کو دیکھا ہی نہیں تو وہ اس کی عبادت کیسے کرے؟ حضرت امامؑ نے جواب میں لکھا، میرا مالک، میرا منعم اس بات سے بلند و برتر ہے کہ اس کو (ظاہری آنکھوں سے) دیکھا جا سکے۔

میں نے دریافت کیا، کیا معراج میں جناب رسولِ خداؐ نے خدا کو دیکھا تھا؟ حضرت امامؑ نے تحریر فرمایا، خدائے تعالیٰ نے جناب رسول خداؐ کے قلب مطہر کو اپنے نور کی عظمت کو دکھایا جتنا چاہا۔

کسی نے یہی سوال حضرت امام علی رضاؑ سے کیا۔ تو امامؑ نے فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص تمام مخلوقات کی طرف آئے اور کہے کہ میں اللہ کی طرف سے آیا ہوں۔ پھر وہ اللہ کے حکم سے لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور کہے کہ **لا تدرکه الابصار** یعنی اس کو نگاہیں نہیں پا سکتیں **ولا یحیطون به علما** یعنی ان کا علم خدا کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ **لیس کمثله شیء** یعنی کوئی چیز خدا کی مثل نہیں۔

پھر یہ بھی کہے کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے۔ میرے علم نے اس کا احاطہ

کرلیا ہے۔ اور خدا بشر جیسی صورت کا ہے۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ کافروں،
زندیقیوں کی طرح رسول خدا کو ملامت کا نشانہ بناتے ہو۔ اس طرح کہ گویا رسول خداؑ
کی طرف سے کبھی ایک بات کہتے ہو، اور کبھی دوسری بات اس کے خلاف کہتے ہو۔

ابو قرہ نے کہا، مگر خدا خود یہ فرماتا ہے کہ، ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ یعنی
رسولؐ نے اس (خدا) کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا۔

حضرت امام ابوالحسن (علی بن موسیٰ الرضاؑ) نے فرمایا اس کے بعد والی آیت
میں خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، جو کچھ محمدؐ نے دیکھا، ان کے دل نے اس کو جھٹلایا
نہیں۔ پھر فرمایا محمدؐ کے دل نے اس بات کا انکار نہیں کیا جس کو ان کی آنکھوں نے
دیکھا۔ اس کے بعد پھر خدا نے خود بتا دیا کہ حضور اکرمؐ نے کیا دیکھا؟ خدا نے ارشاد
فرمایا: لقد راٰی من اٰیٰت ربہ الکبریٰ یعنی حقیقتاً انہوں (محمدؐ) نے اپنے
مالک کی بہت بڑی نشانیوں اور دلیلوں میں سے کچھ کو دیکھا۔ پس خدا کی آیتیں اور چیز
ہیں، اور اللہ کی ذات اور ہے۔

پھر یہ کہ اللہ نے خود ارشاد فرمایا ہے، کوئی علم کے ذریعہ بھی اس کا احاطہ نہیں
کرسکتا۔ اب اگر آنکھیں اس کو دیکھ لیں تو پھر علم نے احاطہ کرلیا۔ یعنی ایسی معرفت
(جو چیز کا مکمل احاطہ کرلے) واقع ہوگئی۔ (گویا خدا کا خود اپنا قول غلط ثابت ہوگیا)

اس پر ابو قرہ نے عرض کی: آپؑ نے ان روایات کو جھوٹا قرار دے دیا۔
(جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول خداؑ نے خدا کو معراج میں دیکھا تھا)

حضرت امامؑ نے فرمایا: جو روایتیں قرآن کے خلاف ہوں، میں ان کو جھوٹا
قرار دیتا ہوں۔ پھر یہ کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی علم خدا کا احاطہ

نہیں کرسکتا، اور اس آیت میں بھی ہے کہ، نگاہیں اسے نہیں پاسکتیں۔ اور اس آیت پر بھی اجماع ہے کہ، خدا کی کوئی مثل نہیں۔

(نوٹ) اب یہ روایتیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں نے معراج میں خدا کو جوان خوبصورت آدمی کی شکل میں دیکھا، قرآن کی آیتوں کے قطعی خلاف ہے۔ اس لئے یہ روایت قابل قبول ہی نہیں۔ خود جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ میری جو حدیثیں تمہیں ملیں کہ جو قرآن کے خلاف ہوں، ان کو دیوار پر دے مارو۔ یعنی ایسی تمام حدیثیں جھوٹی گھڑی ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ رسول اکرمؐ بھی قرآن کیخلاف کچھ نہیں فرماتے تھے۔ ایسی تمام جھوٹی حدیثیں پیشہ ور ملاؤں نے لوگوں میں اپنی جھوٹی مقبولیت اور پیسہ بٹورنے کیلئے گھڑی تھیں۔

ایک شخص نے حضرت ابو جعفر امام محمد باقرؑ سے دریافت کیا، آپؑ کس چیز کی عبادت کرتے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا، اللہ کی۔ اس نے سوال کیا، کیا آپؑ نے اس کو دیکھا ہے؟ آپؑ نے فرمایا، ہاں۔ لیکن ان آنکھوں سے نہیں بلکہ دلوں (عقلوں) نے اس کو دیکھا ہے، ایمان کی حقیقتوں کے ساتھ۔ (یعنی عقل اور دل کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا جاسکتا ہے، بشرطیکہ انسان اس کو ماننے پر آمادہ ہو) خدا قیاس وگمان سے نہیں پہچانا جاتا اور نہ ادراک سے محسوس کیا جاسکتا ہے، اور نہ خدا لوگوں سے مشابہ ہے۔ اس کی تعریف وتوصیف اس کی نشانیوں سے کی جاسکتی ہے، اور وہ اپنی علامتوں سے پہچانا ہوا ہے۔ وہ اپنے حکم دینے میں ظلم نہیں کرتا۔ یہ ہے اللہ جس کے سوا کوئی خدا لائق عبادت نہیں۔

یہ سن کر وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ، اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنے پیغام پہنچانے

کے کام کو کہاں قرار دے۔ (کارِ رسالت کس کو سونپے)؟

حضرت امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبرئیلؑ نے مجھے ایسی جگہ پہنچایا جہاں خود جبرئیلؑ کے قدم بھی کبھی نہ جاسکے تھے۔ پس، پردہ ہٹایا گیا اور خدا نے اپنی عظمت کے نور میں سے جتنا چاہا دکھا دیا۔ (یعنی خدا نے اپنی ذات کو نہیں، اپنے کسی عظیم نور کا کوئی جلوہ دکھایا)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ اللہ کا یہ فرمانا **لا تدرکہ الابصار** یعنی خدا کو نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں۔

ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ انسان کا وہم وگمان، خیال وادراک اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ کیا تم نے خدا کی اس آیت پر غور نہیں کیا۔ تمہارے پاس تمہارے مالک کی طرف سے بصیرتیں آچکی ہیں۔ ان بصیرتوں سے مراد آنکھوں سے دیکھنا نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا **فمن بصر فلنسفیه** یعنی جس نے غور وفکر کیا، اس نے خود اپنے کو فائدہ پہنچایا۔ یہاں دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا نہیں ہے (بلکہ عقل وفکر سے دیکھنا ہے)۔

اسی طرح فرمایا **فمن عمیٰ فعلیھا** یعنی جو اندھا ہو گیا تو اس کا نقصان بھی خود اس کو ہوگا۔ اس سے مراد بھی آنکھوں سے اندھا ہونا نہیں ہے۔ بلکہ عقل کا اندھا ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے **فلان بصیر بالشعر** یعنی فلاں شخص فن شعر میں بڑی بصیرت رکھتا ہے۔ اور فلاں شخص علم فقہ میں بصیرت رکھتا ہے۔ فلاں، روپیہ پیسہ کے معاملے میں بڑی بصیرت رکھتا ہے۔ فلاں شخص کپڑوں کے سلسلے میں بڑی بصیرت رکھتا ہے۔ غرض اللہ اس بات سے بہت بڑا ہے کہ آنکھ اسے دیکھ سکے۔

(نوٹ) غرض آیت میں بصارت سے مراد بصیرت، یعنی فہم و علم ہے۔ غور و فکر کرنا ہے، آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں۔ بقول اقبال:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: اے ابو ہاشم! فکر و نظر کی آنکھ، ان ظاہری آنکھوں سے کہیں زیادہ گہری دیکھ سکتی ہے۔ تم نے اپنے فکر و خیال کے ذریعہ سندھ، ہندوستان اور ان شہروں کا بھی ادراک کر لیا جہاں تم خود گئے نہیں، اور جن کو تم نے ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ پس جب عقل و فکر تک سے خدا کی ذات کو نہیں سمجھ سکتے، تو بھلا کس طرح یہ (ظاہری کمزور) آنکھیں خدا کو دیکھ سکتی ہیں؟؟

(نوٹ) کتھے مہر علی کتھے ذات تیری
گستاخ اکھیاں، کتھے جا لڑیاں

یعنی: مہر علی کی کیا حیثیت اور کہاں طاقت، بھلا میری یہ گستاخ آنکھیں خدا جیسی پاک اور عظیم ہستی کو دیکھنے کی کوشش کریں؟ ایں محال است و محال است و جنوں

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدا کی ذات نہ تو حواس سے محسوس ہوتی ہے اور نہ عقل و دل اس کی ذات کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ خدا نہ تو کوئی آواز ہے کہ کان اس کا ادراک کر سکیں، نہ کھانے پینے کی چیز ہے کہ زبان اس کا ادراک کر سکے۔ نہ وہ چھونے کی چیزوں میں سے ہے کہ چھونے کی قوت اس کا ادراک کر سکے۔ اور نہ دل و دماغ میں اس کی حقیقت سما سکتی ہے کیونکہ دل و دماغ کا تعلق بھی انہی چیزوں سے ہو سکتا ہے جو فضا میں بظاہر موجود ہوں۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

از ہر چہ گفتہ ایم و شنیدہ ایم و خواندہ ایم

یعنی: اے وہ ذات جو ہمارے خیال، قیاس، گمان اور وہم سے بہت بلند ہے۔ ہر اس چیز سے بہت بلند و برتر ہے کہ جو ہم نے اس کے بارے میں کہی ہے، سنی ہے، یا پڑھی ہے۔

خدا کیلئے کوئی ایسی صفت نہ بیان کی جائے جو اس نے اپنے لیے نہیں بیان فرمائی

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدا کی ذات اس سے بلند ہے کہ کوئی چیز اس جیسی ہو۔ وہ بڑا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ جو خدا کے غلط اوصاف بیان کرتے ہیں، اور خدا کو اس کی مخلوق جیسا سمجھتے ہیں، وہ از خود خدا کے بارے میں جھوٹ گھڑتے ہیں۔ یہ جان لو کہ خدا کے بارے میں صحیح مذہب صرف وہی ہے، جو قرآن نے خدا کی صفات کی شکل میں بیان کیا ہے۔ بطلان (یعنی) خدا کا نہ ہونا، اور تشبیہ (یعنی) خدا کا کسی چیز سے مشابہ نہ ہونا، ان دونوں باتوں کو خدا سے دور رکھو۔ نہ خدا کی بیان کی ہوئی اس کی صفتوں کا انکار کرو، اور نہ خدا کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دو۔ خدا کی ذات ثابت اور موجود ہے۔ اور بہت بلند ہے ان صفات سے جن کو لوگ خدا کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ قرآن سے ہرگز آگے نہ بڑھو، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے، وہ بھی قرآن کے بتانے کے بعد۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے لکھا: حقیقت یہ ہے کہ اللہ بہت زیادہ بلند، اعلیٰ

اور عظیم ہے اس سے کہ کوئی اس کی کسی صفت کی حقیقت تک پہنچ سکے۔ پس خدا کی وہی تعریف کرو جو اس نے اپنے آپ اپنے لیے خود بیان فرمائی ہے۔ اس کے سوا کچھ بیان کرنے سے بچو۔

سہل سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام حسن عسکریؑ کو سن ۲۵۵ ہجری میں لکھا کہ اے میرے سردار! ہمارے ساتھی توحید کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ جسم ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ صورت ہے۔

حضرت امامؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا: تم نے توحید کے بارے میں سوال کیا ہے جو صورتیں تم نے بیان کیں، ان سے الگ رہو۔ اللہ ایک (یکتا) ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کو کسی نے جنا، اور کوئی اس کے برابر ہمسر یا مشابہ نہیں ہے۔ وہ جس طرح کے چاہتا ہے جسم پیدا کرتا ہے، مگر خود جسم نہیں۔ جیسی صورت چاہتا ہے بناتا ہے مگر وہ خود صورت نہیں۔ اس کی ثناء و تعریف بہت زیادہ ہے۔ اس کے نام پاک و پاکیزہ ہیں۔ وہ اس بات سے بالکل بری ہے کہ کوئی اس سے مشابہ ہو۔ اس کی مثل کوئی نہیں۔ وہ ہر چیز سنتا اور دیکھتا ہے۔

خدا کے جسم و صورت کی نفی:۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا: پاک ہے وہ اللہ جسے کوئی نہیں جانتا کہ وہ (اسکی ذات) کیسا ہے؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں۔ اس کی کوئی مثل نہیں۔ وہ ہر چیز سنتا اور دیکھتا ہے۔ نہ اس کی کوئی حد ہے اور نہ وہ محسوس ہوتا ہے۔ آنکھیں اور حواس اس کو کبھی نہیں پاسکتے، نہ کوئی چیز اس کا احاطہ کرسکتی ہے۔ نہ

وہ جسم ہے نہ صورت ۔ نہ اس کیلئے کوئی خط ہے، نہ حد۔

محمد ابن حکیم نے حضرت امام علی رضاؑ کے سامنے یہ مشہور قول بیان کیا کہ، خدا ایک خوبصورت جوان ہے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا خدا کسی چیز سے مشابہ نہیں۔

خدا کی صفاتِ ذات:۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدائے بلند و بالا ہمیشہ سے ہمارا مالک ہے۔ اس کا علم ذاتی ہے مگر وہ ہمارا جانا ہوا نہیں۔ اس کا سننا اس کی ذات کی صفت ہے۔ مگر وہ (براہ راست) سنا ہوا نہیں۔ دیکھنا اس کی ذات کی صفت ہے مگر وہ دیکھا ہوا نہیں۔ قدرت اس کی ذات (کی صفت) ہے مگر قدرت دیا ہوا نہیں۔

(نوٹ) یعنی خدا کی تمام صفات اس کی عین ذات ہیں۔ ان کی ذات سے زائد نہیں۔ اور خدا کی صفات ہماری صفات جیسی نہیں، کہ ہماری صفات ہم پر عارضی طور پر عارض ہوئی ہیں۔ ہم پہلے جاہل تھے، پڑھ لکھ کر عالم بنے۔ پہلے بچے تھے، پھر بڑے ہوئے۔ غرض خدا کی تمام صفات اس کی ذات کی صفات ہیں جو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ (مؤلف)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اللہ اس وقت بھی تھا جب اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ اور وہ ہمیشہ سے عالم ہے، ہر اس چیز کا جو ہوگی۔ اللہ کا علم، علم کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اسی طرح تھا جیسا کہ پیدا کرنے کے بعد ہے۔

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ نے تحریری فرمایا کہ اللہ تمام چیزوں کا ہمیشہ سے علم رکھنے والا ہے، ان کی خلقت سے پہلے بھی اللہ کا علم تمام چیزوں کے بارے میں

ویسا ہی تھا، جیسا ان کو پیدا کرنے کے بعد ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا اللہ ایک (یکتا) ہے اللہ بے نیاز ہے صرف ایک معنی میں، بہت سے معنی میں نہیں، (یعنی اس کی الگ الگ ذاتیں نہیں)

(راوی کہتا ہے) میں نے عرض کی کہ عراق کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا سنتا ہے کسی اور چیز سے اور دیکھتا ہے کسی اور چیز ہے۔ آپ نے فرمایا وہ جھوٹے ہیں۔ خدا کو مخلوق کے مشابہ بنانے والے ہیں۔ خدا ایسا نہیں ہے۔

(نوٹ) اللہ ایسا نہیں ہے یعنی وہ بغیر کسی آلہ کے سنتا، دیکھتا ہے۔ جس قدرت اور نفس سے سنتا ہے اُسی سے دیکھتا ہے، جو چیز بھی ہماری عقل میں اس کی ذات کے بارے میں آتی ہے، خدا اس سے بہت بلند ہے۔ (مؤلف)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدا اپنے نفس سے سنتا ہے اور اپنے نفس (ذات) ہی سے دیکھتا ہے، بغیر کسی عضو کے۔ اس سے یہ مراد بھی نہیں ہے کہ خدا اور ہے اور اس کا نفس اور ہے۔

غرض وہ اپنے کُل سے سنتا ہے، مگر وہ ایسا کُل بھی نہیں ہے کہ جس کا جزو الگ ہو۔ میرا مقصد اس کُل سے یہ ہے کہ خدا سننے دیکھنے والا ہے۔ ہر بات کا جاننے والا ہے، بلا اختلاف ذات و معنی۔

خدا کا ارادہ اور اس کے تمام صفاتِ فعل:۔

حضرت ابوعبداللہ (امام جعفر صادقؑ سے) روایت ہے کہ اللہ ہمیشہ سے

عالم وقادر تھا۔ پھر اس نے ارادہ فرمایا۔

(نوٹ) یعنی خدا کا علم وقدرت اس کی ذاتی صفات ہیں، جو ہمیشہ سے ہیں۔ البتہ خدا کا ارادہ فرمانا خدا کی صفت فعل ہے۔ جب اس نے کچھ کرنا چاہا تو ارادہ فرمایا اور وہ چیز ہوگئی۔

حضرت ابوعبداللہ (امام جعفر صادقؑ) سے روایت ہے کہ خدا نے سب سے پہلے اپنی مشیت کو (ارادہ کو) پیدا فرمایا پھر اس ارادے سے تمام اشیاء کو پیدا کیا۔

حضرت ابو جعفر (امام محمد باقرؑ) سے کسی نے دریافت کیا کہ خدا کا فرمانا ومن یحلل علیه غضبی فقد هوی یعنی جس پر میرا غضب اترا وہ برباد ہوا۔ یہاں خدا کے غیظ وغضب سے کیا مراد ہے؟ حضرت امامؑ نے فرمایا خدا کے غیظ وغضب سے مراد ہے خدا کا عذاب۔ اے عمر! کیا تم نے یہ سمجھا ہے کہ خدا ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتا رہتا ہے؟ تم نے مخلوق کی صفت کو خدا سے موصوف کیا۔ خدا کو کوئی چیز اس طرح غصہ میں نہیں لاتی کہ اس کی حالت بدل جائے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدا ایک (یکتا) ہے ذات کے لحاظ سے بھی اور یکتا ہے معنی کے لحاظ سے بھی۔ اس کی خوشی، اس کا ثواب عطا کرنا، اور اس کی ناراضگی یا غصہ اس کا عذاب نازل کرنا ہے، بغیر اس کے کہ کوئی چیز (مثل غصہ، ناراضگی وغیرہ) اس میں داخل ہو کر اسے ہیجان میں لائے، اور اس طرح اسے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کردے۔ کیونکہ ایسا ہونا مخلوق کی صفت ہے۔ عاجزوں محتاجوں کی صفت ہے۔

اسماءِ الٰہی کے معنی ومطالب:۔

عبداللہ ابن سنان نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؑ نے فرمایا"ب" سے مراد بھا (یعنی خدا کا ہر چیز پر غالب ہونا ہے) "س" سے مراد سنا (یعنی خدا کا ہر چیز سے بلند ہونا ہے) اور "م" سے مراد مجد اللہ (یعنی خدا کا بزرگ و برتر یا بادشاہ ہونا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک "م" سے مراد اللہ کا مالک ہونا ہے)

غرض اللہ ہر چیز کا معبود اور خدا ہے اپنی مخلوق پر۔ رحمٰن (یعنی) رحم کرنے والا ہے اور خاص طور پر مومنین پر رحم کرنے والا رحیم ہے۔

ہشام بن الحکم نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے خدا کے ناموں کے استحقاق کے بارے میں دریافت کیا؟

آپؑ نے فرمایا اللہ مشتق ہے الـــہ سے جس کے معنی خدا اور معبود (یعنی) جس کی عبادت کی جائے۔ اللہ کے لفظ کا تقاضا ہی یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ دوسرے یہ کہ اسم (نام) مسمی یعنی جس کا نام رکھا جائے اس سے الگ ہوتا ہے پس جس نے معنی کو چھوڑ کر نام کی عبادت کی، اس نے کفر کیا اور حقیقتاً کسی چیز کی بھی عبادت نہ کی۔ اور جس نے نام اور معنی دونوں کی عبادت کی اس نے شرک کیا۔ اور جس نے صرف معنی کی عبادت کی، تو یہ توحید (کی عبادت) ہے۔

کسی نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے اللہ کے معنی دریافت کیے؟ آپؑ نے فرمایا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے، خواہ وہ چیز کتنی ہی گہری، بڑی یا عظیم

ہی کیوں نہ ہو۔

عباس بن بلال کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی ابن موسی الرضاؑ سے اس آیت اللہ نور السموت والارض یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ کے بارے میں دریافت کیا؟ حضرت امامؑ نے فرمایا اللہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں کی ہدایت کرنے والا ہے۔ (یعنی ان کو منزل مقصود و کمال تک پہنچانے والا ہے)

حضرت امام جعفر صادقؑ کے سامنے ایک شخص نے اللہ اکبر کہا۔ حضرت امامؑ نے دریافت فرمایا اللہ کس سے بڑا ہے؟ اس نے عرض کی ہر چیز سے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا اس طرح تو تم نے اللہ کی بڑائی پر حد قائم کر دی۔ اس نے دریافت کیا پھر کیا کہوں؟ آپؑ نے فرمایا کہ یہ کہو اللہ بڑا ہے اس بات سے کہ اس کی تعریف و توصیف کی جائے۔

ہشام بن الحکم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے سبحان اللہ کے معنی دریافت کیے؟ حضرت امامؑ نے فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو ہر اس چیز سے پاک مان لینا جو اس کے لائق نہ ہو۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ سبحان اللہ کے معنی اللہ کی ذات کو (مخلوق کی صفات سے) منزہ اور پاک ماننا ہے۔

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے روایت ہے کہ خدا لطیف ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کسی چیز سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اور یہ کہ اس کی ذات کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ یعنی اس کی حقیقت معلوم کرنے میں عقل ڈوب کر رہ گئی۔ یعنی عقل اس کا

ادراک نہیں کر سکتی۔ ہمارے ہاں لطافت کے معنی چھوٹائی اور کمی، یا دبلا پن کے ہیں۔ مگر خدا کے ہاں یہ معنی نہیں۔ پس اسم ایک ہے مگر معنی مختلف۔

"خبیر" کے معنی یہ ہیں کہ کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہ ہو، نہ اس کے قبضے سے نکل سکے۔ پھر اس کی اس صفت کا تعلق نہ تجربے سے ہے اور نہ اعتبار سے۔ پھر یہ کہ اللہ ہمیشہ سے خبیر ہے یعنی علم رکھنے والا ہے ہر اس چیز کا جو اس نے پیدا کی۔ جبکہ آدمی کو خبیر کہا جاتا ہے جب وہ خبر (علم) حاصل کرتا ہے دوسروں سے۔ پس لفظ ایک ہے، مگر معنی مختلف ہیں۔

خدا ظاہر ہے۔ اس معنی میں نہیں کہ وہ تمام عالم کی چیزوں پر بلند ہوا یا سوار ہو کر ان کے اوپر کے حصے پر چڑھ کر چوٹیوں پر پہنچ گیا۔ بلکہ خدا ظاہر ہے کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام چیزوں پر اپنی قدرت سے غالب ہے۔

نیز یہ کہ اس پر کوئی چیز مخفی (چھپی ہوئی) نہیں۔ (کیونکہ) وہ ہر اس چیز کا انتظام کرنے والا ہے جس کو اس نے پیدا کیا ہے۔

خدا باطن ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کسی کے اندر ڈھکا ہوا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام چیزوں کے اندرونی حالات کو اپنے علم اور تدبیر کے ذریعہ سے خوب جانتا ہے۔ (اور ان کا بندوبست کرتا ہے)

خدا قاہر ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہ اعضاء سے کام لیتا ہے نہ یہ معنی ہیں کہ اس کو تکان محسوس ہوتی ہے۔ نہ یہ معنی ہیں کہ وہ حیلہ یا مکر سے کام لیتا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی تمام مخلوق خدا کے سامنے ذلیل و مغلوب ہے۔ کسی کی طاقت نہیں کہ خدا کے کسی ارادے کو روک دے۔ یا ایک لمحہ کیلئے بھی خدا کی حکومت سے باہر

نکل جائے (اس لئے) جب وہ کہتا ہے کہ "ہو جا" پس ہر چیز فوراً ہو جاتی ہے۔

غرض تمام اسماء الٰہیہ میں یہی صورت ہے کہ الفاظ ایک ہیں، مگر معنی مختلف ہیں۔ (ہمارے لئے وہ لفظ دوسرے معنی میں آتا ہے، اور خدا کے لئے دوسرے معنی میں)

توحید کی تاویل وتشریح:۔

جابر جعفی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے توحید کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت امامؑ نے فرمایا اللہ کے تمام نام مبارک ہیں۔ انہی ناموں سے خدا کو پکارا جاتا ہے، لیکن اس کی ذات کی حقیقت ان ناموں سے بھی بہت بلند و برتر ہے۔ وہ اکیلا ہے اپنی توحید میں، بے مثل ہے اپنی یکتائی میں، پھر اس نے مخلوق کیلئے بھی وحدت (یعنی ایک ہونے) کو جاری کیا۔ مگر (حقیقی معنی میں) صرف خدا ایک ہے۔ ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ اس کی ذات ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ ہر چیز خدا کی غلامی یا اطاعت کرتی ہے۔ خدا کا علم ہر چیز پر غالب ہے۔

اللہ الصمد یعنی اللہ بے نیاز ہے۔ مصمود کے لغت میں معنی اس ذات کے ہیں جس کے طرف جانے کا قصد و ارادہ کیا جائے۔ حضرت ابوطالبؑ کا شعر ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ:

"جب لوگ جمرہ کا قصد (مصمود) کرتے ہیں، تو اس پر کنکر مارتے ہیں"۔

ایک عہد جاہلیت کے شاعر کے شعر کا ترجمہ ہے کہ: "مجھے اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ اللہ کے گھر کا قصد (مصمود) کیا جائے گا، جو مکہ کے اطراف میں ہے"۔

غرض صمد کے معنی یہ ہیں کہ اللہ وہ ذات ہے کہ تمام جنات (ملائکہ)

انسان اپنی اپنی حاجتوں میں اسی کی طرف توجہ یا ارادہ کرتے ہیں۔ اسی کا قصد کرتے ہیں۔ اور سختیوں میں بھی اسی سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس کی رحمتوں اور نعمتوں کے برقرار رہنے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اور اسی سے یہ التجا کرتے ہیں کہ ان کو مصیبتوں سے دور رکھے۔

(ان تمام مقاصد کیلئے ساری کائنات خدا ہی کی طرف رجوع کرتی ہے۔
ایسی ہی ذات کو مصمود کہتے ہیں اور اس صفت کو صمد کہتے ہیں)

عدل الٰہی

نیکی اور برائی کا بدلہ (قرآن)

"یقیناً اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہی زندہ کو مردے سے نکالتا ہے۔ اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے، پھر تم کدھر بھٹکتے پھرتے ہو؟ پردے کو پھاڑ کر وہی صبح کو نکالتا ہے۔ اسی نے رات کو آرام اور سکون (کا وقت) بنایا ہے، اسی نے چاند سورج کو حساب سے چلایا ہے، یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے اور مقرر کیا ہوا نظام ہے"۔ (سورہ انعام ۶۔۹۵) (القرآن)

جو شخص بھی کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کا وبال خود اسی کے اوپر ہے (کیونکہ) کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے پالنے والے مالک کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں وہ سب کچھ بتادے گا جس کے بارے میں تم ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہو۔ وہی خدا تو ہے کہ جس نے تمہیں زمین پر (اپنا) نائب بنایا اور تم میں سے کچھ کے درجے دوسروں پر بلند کئے، تاکہ جو کچھ بھی کہ تمہیں دیا ہے اس میں تمہارا امتحان لے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پالنے والا مالک بہت جلد سزا دینے والا ہے اور یہ کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا بھی ہے۔

(القرآن) (سورۃ انعام ۶۔۱۶۴،۱۶۵)

"اور جو شخص برائی کماتا ہے تو وہ خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ (کیونکہ) خدا ہر چیز سے خوب واقف بھی ہے اور بالکل ٹھیک گہری مصلحتوں کے مطابق کام

کرنے والا ہے۔ اور جو شخص کوئی برائی کرے اور اس کو کسی بے قصور کے سر تھوپے تو اس نے ایک بہت بڑے واضح گناہ کو اپنے اوپر لادلیا"۔ (سورۃ نساء۴، ۱۱۱-۱۱۲) (القرآن)

"جس شخص نے اچھے اچھے کام کیے تو اس نے خود کو فائدہ پہنچایا اور جس نے برے کام کیے تو اس کا وبال بھی خود اسی کے سر ہوگا (کیونکہ) تمہارا پالنے والا مالک اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا"۔ (حم سجدہ۴۱، ۴۲) (القرآن)

"کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ ہر انسان کے لئے بس وہی کچھ ہے جس کیلئے وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی بھالی جائے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ تم کو اپنے پالنے والے مالک کے پاس پہنچنا ہے"۔ (نجم ۵۳، ۳۸ سے ۴۲) (القرآن)

شفاعت:۔

"کون ہے جو بغیر اجازت کے خدا کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے"۔

(القرآن) (بقرہ۲، ۲۵۵)

کوئی شخص کسی دوسرے کا ذمہ دار نہیں: (قرآن)

"کہئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور مالک تلاش کروں؟ حالانکہ وہی تو ہر چیز کا پالنے والا مالک ہے۔ کوئی شخص بھی برائی نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہ کا ذمہ دار نہیں۔ غرض تم سب کو اپنے پالنے والے مالک کی طرف پلٹنا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں وہ ساری باتیں بتادے گا جن میں تم آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے"۔ (انعام ۶، ۱۶۴)

قانون مکافات اور خدا کی معافیاں۔ خدا کا عدل و رحم۔ (قرآن)

"ہاں جو کچھ انہوں نے کہا تھا اس کی برائیاں اور نقصانات ان تک ضرور پہنچے۔ وہ ظالم بھی عنقریب اپنی بری کمائی کے برے نتائج بھگت کر رہیں گے۔ یہ (ظالم) ہمیں بے بس کر دینے والے نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (گناہ کر کر کے) اپنے اوپر ظلم اور زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دے گا۔ حقیقتاً وہ بڑا معاف کرنے والا اپنی رحمت میں ڈھک لینے والا اور بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔ (اس لئے اگر تم خدا کی معافی چاہتے ہو تو) پلٹ کر آؤ اپنے پالنے والے مالک کی طرف اور اس کے سامنے سرِ اطاعت جھکاؤ۔ اس کی اطاعت کرنے والے بن جاؤ۔ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک خدا کا عذاب آ جائے۔ پھر تمہاری کوئی مدد نہ ہوگی"۔

(القرآن) (زمر ۳۹۔۵۱۔۵۴)

تفسیر:۔

حضرت علیؑ نے فرمایا "اس آیت سے زیادہ امید دلانے والی اور وسعت دینے والی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے"۔ (قرطبی)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا "دنیا اور آخرت میں اس آیت سے بڑھ کر مجھے کچھ محبوب نہیں ہے"۔ (تفسیر مجمع البیان)

قیامت کا منظر۔ عدل الٰہی۔ (قرآن)

"انہوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنی چاہیئے تھی۔ (جب کہ خدا کی شان بان تو یہ ہے کہ) قیامت کے دن پوری کی پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے کے سارے آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں (ایک رومال کی طرح) لپٹے ہوں گے (ساری کائنات ظاہر بظاہر بھی پوری طرح خدا کے قبضہ اختیاری ہوگی) اللہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ پھر صور پھونکا جائے گا۔ اور سب کے سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں مر مر کے گر جائیں گے، سوا ان کے کہ جنہیں خدا زندہ رکھنا چاہے۔ پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا کہ سب کے سب ایک دم سے کھڑے ہو کر دیکھنے بھالنے لگیں گے۔ زمین اپنے پالنے والے مالک کے نور سے چمک اٹھے گی۔ (ہر شخص کے) اعمال کی کتاب لاکر رکھ دی جائے گی۔ انبیاءؑ اور تمام گواہ حاضر کر دیئے جائیں گے۔ لوگوں کے درمیان بالکل ٹھیک ٹھیک عدل کی ساتھ فیصلہ سنا دیا جائے گا۔ اور ان پر کوئی ظلم یا زیادتی نہ ہوگی۔ ہر شخص نے جو کچھ بھی کیا تھا اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا۔ (کیونکہ) لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں، اللہ اس کو خوب اچھی طرح سے جانتا ہے۔ جن لوگوں نے ابدی حقیقتوں کا انکار کیا تھا، وہ وہاں پہنچیں گے تو جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ جہنم کے محافظین اور منتظمین ان سے پوچھیں گے "کیا تمہارے پاس خود تم میں سے کچھ لوگ خدا کے پیغام پہنچانے والے نہیں آئے تھے؟ جنہوں نے تمہارے مالک کی آیتیں، دلیلیں اور احکامات تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائے، اور تمہیں اس بات سے ڈرایا کہ ایک

وقت تمہیں یہ دن دیکھنا ہوگا"۔ وہ جواب دیں گے "ہاں آئے تھے مگر (ہم جیسے) حق کے منکروں پر (ان کے انکارِ حق کی وجہ سے خدا کے) عذاب کا فیصلہ سچ ہو کر رہا"۔ ان سے کہا جائے گا "داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں۔ تمہیں اب یہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ کتنا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کیلئے"۔

رہے وہ لوگ جو اپنے پالنے والے مالک کی ناراضگی یا سزا سے ڈرتے ہوئے برائیوں سے بچتے تھے، انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ جب وہ وہاں پہنچیں گے تو جنت کے دروازے ان کیلئے (پہلے ہی سے) کھولے جا چکے ہوں گے۔ جنت کے محافظ اور منتظمین ان سے کہیں گے "سلام ہو تم پر۔ تم پاک صاف رہے۔ تم بہت اچھے رہے۔ داخل ہو جاؤ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کیلئے"۔ اس پر وہ کہیں گے "شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہمیں (جنت کی) اس زمین کا حقدار بنا دیا کہ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں۔ تو کتنا اچھا صلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا"۔ (سورۃ زمر ۳۹، ۶۷ سے ۷۴) (القرآن)

تفسیر:۔

آیتوں میں ساری بات ماضی کے صیغوں میں کہی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ہونا اتنا ہی یقینی ہے کہ گویا ہو چکا ہے۔ (مجمع البیان)

یہ نورِ خدا کی خاص تجلی ہوگی، جس کے ذریعہ خدا اپنے عدل کو ظاہر کرے گا، جناب رسول خداؐ سے پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے جن پر صور کی آواز کوئی اثر نہ کرے گی؟ فرمایا "وہ شہداء راہ خدا ہوں گے جو اپنی تلواروں سمیت عرش خدا کو چاروں

طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے"۔ (تفسیر صافی، تفسیر مجمع البیان)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا "ظلم قیامت کے دن کا اندھیرا ہوگا"۔ (تفسیر صافی)

قیامت کیسے ممکن ہے؟ اور خدا کے ہم پر احسانات۔ (قرآن)

"(اب یہ کہ قیامت کا ہونا کیسے ممکن ہے؟ تو) کیا ہم نے زمین کا فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو بڑی بڑی کیلوں کی طرح نہیں گاڑ دیا؟ اور تمہیں (مرد اور عورت کے) جوڑوں کی شکل میں (نہیں) پیدا کیا؟ پھر یہ کہ تمہاری نیند کو سکون اور آرام کا ذریعہ بنایا؟ اور رات کو لباس (کی طرح چھپانے والا) بنایا۔ اور دن کو روزی کمانے کا ذریعہ بنایا اور تم پر سات مضبوط آسمان بنائے اور ایک بہت گرم اور روشن چراغ (سورج) بنایا اور پھر ہم نے نچوڑ نچوڑ کر پانی برسانے والے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا تاکہ اس کے ذریعہ سے اناج کے دانے سبزیاں اور گھنے سرسبز و شاداب باغ اگائیں؟ (جو خدا یہ سب کچھ کرسکتا ہے کیا وہ مار کر دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا؟ جبکہ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ) حقیقتاً فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے، جس دن صور پھونکا جائے گا، تو تم سب کے سب فوج در فوج آجاؤ گے، آسمان کھول دیا جائے گا اور اس میں دروازے ہی دروازے ہوجائیں گے۔ پہاڑوں کو اتنا چلایا جائے گا کہ وہ بالکل سراب (خواب و خیال) بن کر رہ جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جہنم (ظالموں کی) گھات میں ہے جو سرکشوں کیلئے آخری ٹھکانا ہے، جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ وہ اس میں کسی قسم کی ٹھنڈک یا پینے کی کوئی چیز نہیں چکھیں گے، سوائے گرم کھولتے ہوئے پانی کے اور زخموں کی دھوون کے۔ یہ ہے ان کا پورا پورا حسب حال

بدلہ (یہ سزا ان کو اس لئے ملی کہ) حقیقتاً وہ لوگ کسی حساب کی کوئی توقع یا خوف نہیں رکھتے تھے۔ (اسی لئے) انہوں نے ہماری باتوں، دلیلوں، نشانیوں اور آیتوں کو بری طرح جھٹلا دیا۔ تو ہم نے (یہ کیا کہ) ان کی ہر ہر بات کو گن گن کر پوری پوری طرح گھیر گھیر کر لکھ لیا۔ تو اب چکھو جہنم کا مزہ۔ اب ہم تمہارے لئے تمہاری سزا کے سوا کوئی چیز نہیں بڑھائیں گے۔

لیکن "متقین" (یعنی) خدا کی ناراضگی یا برائیوں سے بچے رہنے والوں کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ باغات ہی باغات ہیں۔ انگور کی بیلیں ہیں۔ نوجوان ہم عمر لڑکیاں ہیں۔ شراب سے بھرے اور چھلکتے جام ہیں۔ وہ وہاں کسی قسم کی کوئی بے ہودہ، بدمزہ، گندی یا جھوٹی بات نہیں سنیں گے۔ یہ صلہ ہوگا تمہارے پالنے والے مالک کی طرف کا، وہ بھی بطور عطا وانعام (یعنی بڑے احترام اور عزت سے دیا جائے گا) جو بہت کافی بھی ہوگا اور ان کے حسب حال بھی۔ (اس عظیم ذات کی طرف سے) جو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ہے اور جو حد سے زیادہ مہربان اور فیض اور فائدے پہنچانے والا ہے اور (ایسا زبردست ہے کہ) کسی کو اس کے سامنے بولنے کی مجال نہیں"۔ (سورۃ ۷۸ نبا ۲۱ سے ۳۷) (القرآن)

"(خدا کیلئے تمہاری واپسی اتنی آسان سی بات ہے کہ) بس ایک زور کی ڈانٹ پڑے گی تو یکا یک (سب کے سب) ایک کھلے میدان میں کھڑے ہوں گے"۔ (نازعات ۷۹۔ ۱۳۔ ۱۴) (القرآن)

"(رہا یہ سوال کہ خدا تمہیں قیامت میں کیسے دوبارہ پیدا کرے گا تو) کیا تم لوگوں کا پیدا کرنا زیادہ سخت مشکل کام ہے یا (اتنے بڑے) آسمان کا پیدا کرنا؟ اس کو

بھی تو آخر خدا ہی نے بنایا ہے"۔ (النازعات ۷۹) (القرآن)

جہنم میں جانے کی وجوہات۔عدل الٰہی۔(قرآن)

"غرض وہ عظیم ہنگامہ (موت یا قیامت کی) آفت آئے گی تو اس دن آدمی اپنا سب کیا کرایا یاد کرے گا۔اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم کو کھول کر رکھ دیا جائے گا۔اب جس کسی نے بھی خدا (کے احکامات) سے سرکشی کی تھی اور (آخرت کی زندگی پر) دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تھی، تو جہنم اس کا مستقل ٹھکانا ہوگی اور جو اپنے پالنے والے مالک کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا تھا اور (اس لئے) خود کو نفس کی بری خواہشوں سے روکے رکھتا تھا، تو یقیناً جنت اس کا مستقل ٹھکانہ ہوگی۔

آپ سے یہ لوگ قیامت کے بارے میں پوچھتے رہتے ہیں کہ آخر وہ گھڑی کب آئے گی؟ (مگر سوال یہ ہے کہ) آپ کے کاموں میں اس کا وقت بتانا کہاں ہے؟ بھلا آپ کا کیا کام کہ اس کا وقت بتائیں۔اس کے وقت (کے علم) کی انتہا تو بس اللہ پر ختم ہے۔آپ تو صرف اس سے خبردار کرنے والے اور برے کاموں کے برے انجام سے ڈرانے والے ہیں، وہ بھی صرف اس شخص کو جو اس سے ڈرے۔ غرض جس دن یہ لوگ اسے دیکھ لیں گے، تو انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ جیسے وہ (دنیا میں صرف) ایک شام یا ایک صبح رہے تھے"۔ (النازعات ۳۴ سے ۴۶) (القرآن)

"لعنت ہو اس انسان پر جو سخت ناشکرا اور حق کا منکر ہے۔(اس کمبخت نے یہ تک نہ سوچا کہ) اللہ نے اسے کس چیز سے پیدا کیا ہے؟ ٹپکے ہوئے حقیر پانی کی ایک بوند سے۔اللہ نے اسے پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر مقرر کی۔پھر اس کیلئے زندگی کی راہ

آسان بھی کی۔ پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچایا۔ پھر جب چاہے گا اسے باہر لے آئے گا۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی انسان نے وہ کام نہ کیا جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔ (سورہ عبس ۲۳،۱۷۔۸۰) (القرآن)

مگر جب کانوں کے پردے پھاڑ کر بہرا کر دینے والی آواز بلند ہوگی تو اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنے ماں باپ سے، اپنی بیوی اور اولاد سے۔ ان میں سے ہر ایک کا یہ حال ہوگا کہ اسے اپنے سوا کسی کا کوئی ہوش نہ ہوگا۔ اس دن کچھ چہرے خوشی سے دمک رہے ہوں گے۔ ہنس رہے ہوں گے اور خوش و خرم ہوں گے اور کچھ چہروں پر خاک اڑ رہی ہوگی۔ ان پر سیاہی دوڑ رہی ہوگی۔ یہ حق کے منکر بدکار اور بدمعاش ہوں گے۔ (سورہ عبس ۴۲،۳۳۔۸۰) (القرآن)

مالی بددیانتی اور عدلِ الٰہی۔ (قرآن)

”تباہی بربادی اور خدا کی لعنت ہے ناپ و تول میں ڈنڈی مارنے والوں کیلئے جو لوگوں سے ناپ تول کر (مال) وصول کرنے میں پورا پورا وصول کرتے ہیں۔ اور جب خود ناپ تول کر (دوسروں کو مال) دیتے ہیں تو انہیں کم دے کر ان کا نقصان کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؟ جو ایک بہت بڑا دن ہوگا۔ جس دن سب لوگ تمام جہانوں کے مالک کے سامنے کھڑے ہوں۔۔۔ اس دن حقیقتوں کو جھٹلانے والوں کیلئے لعنت ہی لعنت، تباہی ہی تباہی اور بربادی ہی بربادی ہے، جو جزاء و سزا کے دن کو جھوٹ سمجھتے ہیں۔ اور اس دن کو جھوٹ نہیں سمجھتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزر جانے والا گنہگار ہو۔ جب

ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ اگلے زمانے والوں کے من گھڑت قصے کہانیاں ہیں۔ ہرگز (ایسا) نہیں ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے کاموں کا زنگ چڑھ گیا ہے۔ (اسی وجہ سے) اس دن یہ لوگ اپنے پالنے والے مالک سے پردے میں رہیں گے پھر یہ لوگ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا لو یہ وہی چیز تو ہے جسے تم جھوٹ سمجھتے تھے۔

بیشک اچھے کام کرنے والوں کے کاموں کا رجسٹر بلند مرتبہ لوگوں (علیین) کے دفتر میں ہے۔ تم کیا جانو کہ اونچے اور بلند درجے والے لوگوں کا رجسٹر کیا (عظیم) چیز ہے۔ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی، جس پر مقرب فرشتوں کی گواہیاں درج ہیں۔ یقیناً اچھے کام کرنے والے بڑے مزے میں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھے (ہر چیز) دیکھ رہے ہوں گے۔ تم ان کے چہروں پر نعمتوں کے لطف اور لذت کی خوشی، رونق، لہر اور راحت و سکون کی چمک دمک اور شادابی کو محسوس کر لو گے۔ انہیں مہر لگی (بوتلوں) کی عمدہ اور نفیس شراب پلائی جارہی ہوگی۔ جس پر مشک کی مہر لگی ہوگی۔ غرض جو لوگ تیزی سے دوسروں سے آگے بڑھ کر جیت جانا چاہتے ہیں تو ان کو ایسی ہی چیز کے حاصل کرنے کیلئے، دوسروں سے بڑھ چڑھ کر سر توڑ کوشش کرنی چاہیئے"۔ (۸۳:۱ سے ۲۶) (القرآن)

نیکوں کے مذاق اڑانے کا انجام۔ (قرآن)

"رہے وہ مجرم جو دنیا میں اوران لوگوں پر خوب ہنسا کرتے تھے جو خدا اور رسولؐ کو دل سے ماننے والے ہیں۔ جب وہ ایماندار لوگ ان کی طرف سے

گزرتے تو وہ (بدمعاش) آنکھ مار مار کر ان کی طرف اشارے کیا کرتے تھے (یعنی مومنین کی توہین اور دل آزاری کیا کرتے تھے)۔ پھر جب وہ بدمعاش اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تھے تو ان ایمانداروں کی تفریح لینے کے مزے لوٹتے ہوئے اور خوب لطف اٹھاتے ہوئے پلٹتے تھے۔ اور جب انہیں دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ (نچلے درجے کے) بہکے اور بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔ حالانکہ وہ (احمق) ان پر کوئی ان کے محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے۔ تو لو اب آج وہی ایماندار لوگ، حق کے منکروں پر ہنس رہے ہیں"۔ (۸۳، ۲۹ سے ۳۴) (القرآن)

ظلم کا برا انجام۔ (قرآن)

"حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے خدا اور رسولؐ کو دل سے ماننے والے مردوں یا عورتوں پر ظلم کیا، پھر توبہ بھی نہ کی، ان کیلئے لازمی طور پر جہنم کی سزا ہے اور ان کیلئے جلا دینے والی آگ میں جلنے کا عذاب ہے (اس کے برعکس) جن لوگوں نے خدا اور رسولؐ کو دل سے سمجھ کر مانا اور اچھے اچھے کام بھی کیے ان کیلئے لازمی طور پر جنتوں کے گھنے سرسبز و شاداب باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ہے بہت بڑی عظیم الشان زبردست کامیابی"۔ (البروج ۸۵، ۱۰ سے ۱۱) (القرآن)

حق کے خلاف چالیں چلنے کا انجام۔ (قرآن)

"یہ حق کے منکر اپنی چالیں چل رہے ہیں۔ (یعنی مسلمانوں کے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں) اور میں اپنی چال چل رہا ہوں۔ (اسلئے) ان حق کے منکروں کو تھوڑی سی دیر کیلئے ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے (تاکہ حجت تمام ہو جائے اور یہ لوگ

جو چاہیں کرلیں پھر ان کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا)"۔ (الطارق ۸۶، ۱۵ سے ۱۷)

نیکی کا بدلہ۔ (قرآن)

"غرض ہر طرح کی بھرپور اور حقیقی کامیابی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس نے حاصل کی جس نے (۱) پاکیزگی اختیار کرلی۔ (یعنی شرک، نفاق اور ہر قسم کی برائی سے خود کو پاک کرلیا اور) (۲) (ہر وقت) اپنے پالنے والے مالک کے نام کو یاد رکھا۔ (۳) اور نماز پڑھی۔ مگر تم ہو کہ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے کہیں) بہتر بھی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی بات پہلے آنے والی کتابوں میں بھی کہی گئی تھی یعنی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کی کتابوں میں"۔

(الاعلیٰ ۸۷، ۱۴ سے ۱۹)

حق سے منہ موڑنے کا انجام۔ (قرآن)

"اب جو شخص بھی (خدا، قرآن یا رسولؐ سے) منہ موڑے گا اور اس کا انکار کرے گا تو اللہ لازمی طور پر اس کو بڑی سخت اور بھاری سزا دے گا۔ حقیقتاً ان کو بہر حال ہماری طرف ہی پلٹنا ہے۔ پھر ان کا حساب لینا بھی ہمارے ذمہ ہے"۔

(الغاشیہ ۸۸، ۲۳ سے ۲۶)

بے عملی، ظلم اور بے ایمانی کا انجام۔ (قرآن)

"تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ غریب مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب تک نہیں دیتے۔ میراث کا مال سارے کا سارا سمیٹ کر پورا ہڑپ

کر جاتے ہو اور مال دولت سے خوب ڈٹ کر محبت کرتے ہو۔ ہرگز نہیں، جب زمین پوری پوری طرح کوٹ کوٹ کر ریتیلا میدان بنادی جائے گی اور تمہارا مالک آجائے گا، اس حالت میں کہ فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے، اس دن جہنم کو سامنے لایا جائے گا۔ اس وقت انسان کو سب کچھ سمجھ میں آجائے گا، مگر اس وقت سمجھنے اور ہوش میں آنے سے کیا حاصل؟ وہ چیخے چلائے گا کہ کاش میں نے اپنی اس زندگی کیلئے کچھ (کرکے) آگے بھیجا ہوتا۔ پھر اس دن خدا جیسی سزا دے گا ویسی سزا دینے والا کوئی نہیں۔ اور (اس دن) اللہ جس طرح پکڑ پکڑ کر باندھے گا، ویسا پکڑ پکڑ کر باندھنے والا کوئی نہیں۔

سچے ایمانداروں کا انجام۔ (قرآن)

(دوسری طرف سچے ایماندار لوگوں سے کہا جائے گا) اے (خدا رسولؐ پر) پورا پورا اطمینان رکھنے والے نفس! اپنے پالنے والے مالک کی طرف پلٹ کر چل اس حال میں کہ تو اپنے پالنے والے مالک سے خوش اور راضی ہے اور تیرا مالک تجھ سے خوش اور راضی ہے اب تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت کے سرسبز باغ میں داخل ہو جا"۔ (فجر ۸۹، ۲۷۔۳۰)

نیک عمل کیلئے کوشش نہ کرنے کا انجام۔ (قرآن)

"کیا ہم نے انسان کو دو واضح راستے (نہیں) دکھائے تھے؟ مگر اس نے مشکل گھاٹی میں بلندی پر چڑھنے کی کوشش ہی نہ کی (یعنی نیک کام انجام دینے کی تکلیف گوارا نہ کی) تم کیا جانو کہ وہ اونچی گھاٹی کیا ہے؟ وہ کسی کی گردن کو (غلامی قرض

یا مشکلوں سے) چھڑاتا ہے۔ یا بھوک کے دن کھانا کھلاتا ہے، کسی قریبی رشتہ دار یتیم کو۔ یا مٹی پر پڑے ہوئے کسی غریب کو، نیز ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے جو خدا اور رسول کو دل سے مانتے ہیں اور جو ایک دوسرے کو (خدا کی اطاعت پر) صبر کرنے اور ایک دوسرے پر رحم کرنے کی نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ داہنی طرف والے ہیں۔ (یعنی مبارک خوش قسمت اور کامیاب لوگ ہیں جن کا نامۂ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا)

رہے وہ کہ جنھوں نے ہماری باتوں، آیتوں، نشانیوں، دلیلوں اور احکام کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، وہی لوگ بائیں طرف والے ہیں (یعنی بدبخت، بدقسمت اور نامبارک لوگ ہیں) ان پر ایسی آگ چھائی ہوئی ہوگی جو ان کو چاروں طرف سے گھیر گھیر کر بالکل بند کر لے گی"۔ (البلد ۹۰، ۱۰ سے ۲۰)

انفاق اور تقویٰ کا انجام۔ (قرآن)

"حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ تو جس نے خدا کی راہ میں (مال ومحنت وقت) دیا اور خدا کی (ناراضگی، نافرمانی اور سزا) سے ڈرا اور بچا اور اچھی باتوں کو سچ مانا (یعنی خدا رسول قرآن کی تعلیمات کو سچ سمجھا) تو ہم اس کو آسان راستے اور منزل تک پہنچنے میں آسانی پیدا کر دیتے ہیں۔ اور جس نے کنجوسی کی اور خدا سے بے پرواہی اختیار کی اور اچھی بات کو جھٹلایا، تو اس کو مشکل راستے اور منزل تک پہنچنے کو آسانی کر دیتے ہیں۔ (یعنی) سخت منزل تک پہنچنے کا سامان کر دیتے ہیں۔ پھر اس کا مال دولت اس کے کسی کام نہیں آتا۔ بس وہ منہ کے بل گر کر ہلاک و

برباد ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (صحیح) راستہ دکھانا میری ذمہ داری ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس (اس لئے) ہم نے تمہیں اس بھڑکتی دہکتی (جہنم کی) آگ سے ڈرا کر خبردار کر دیا۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت، جس نے (خدا کے رسولؐ یا کتاب) کو جھوٹا سمجھا اور (خدا سے) منہ پھیر لیا۔ اور اس آگ سے بچا رہے گا خدا کی ناراضگی یا برائیوں سے بچ کر رہنے والا، جو اپنا مال (حرص گناہ اور خدا کی ناراضگی سے) پاک ہونے کیلئے دیتا رہتا ہے، جب کہ اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں ہوتا کہ اس کو یہ دینا ضروری ہو۔ وہ تو صرف اپنے بلند و برتر پالنے والے مالک کی خوشی اور رضامندی حاصل کرنے کیلئے (مال دیتا ہے) (اس لئے) اس کا مالک اس سے خوش ہوگا اور عنقریب اس کو اتنا کچھ دے دے گا کہ وہ شخص (پوری پوری طرح) خوش اور راضی ہو جائے گا"۔ (سورۃ الیل ۹۲: ۳ سے ۲۱)

حرام مال جمع کرنے کا انجام۔ عدل الٰہی۔ (القرآن)

حرص کا انجام:۔

"تم لوگوں کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا حاصل کر لینے کی کوششوں نے (خدا اور آخرت سے) غافل کر دیا ہے۔ اسی حالت میں تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں (تم اس طرح ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے) عنقریب تم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ پھر (سمجھ لو کہ) عنقریب تم یہ بات جان لو گے۔ ہرگز نہیں۔ اگر تم اس کے انجام سے واقف ہوتے (تو ہرگز تم ایسا نہ کرتے) تم لازمی طور پہ جہنم کو دیکھ لو گے۔ پھر سمجھ لو کہ (اگر تم ایسا ہی کرتے رہے تو) بالکل یقینی طور پر تم جہنم کو دیکھ کر ہی رہو

گے۔ پھر تم سے ان نعمتوں کے بارے میں ضرور ضرور جواب طلب کیا جائے گا۔"

(التکاثر ۱۰۲،۱۔۸)

فائدے میں رہنے والے لوگ۔ عدل الٰہی

"قسم ہے زمانے کی کہ یقیناً انسان نقصان میں ہے۔ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے (خدا رسولؐ اور آخرت کو) دل سے مانا، اور اچھے اچھے کام کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر و تحمل کی تلقین کرتے رہے۔" (والعصر ۱۰۳،۱ سے ۳)

لعن طعن، برائیاں اچھالنے، مالی حقوق نہ ادا کرنے کا انجام۔ عدل الٰہی:۔ (قرآن)

"تباہی اور بربادی ہے ہر اس شخص کیلئے جو (۱) لوگوں پر لعن طعن کرتا ہے اور (۲) لوگوں کی برائیاں اچھالتا ہے۔ (۳) جس نے مال جمع کیا اور اسے خوب گن گن کر رکھا۔ (۴) وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ ہمیشہ اسی کے پاس رہے گا۔ ایسا ہرگز نہیں (ہوگا)۔ وہ (اپنے ان کاموں کی وجہ سے) چورا چورا کرکے چورن بنا دینے والی بھٹی میں پھینک دیا جائے گا اور تم کیا جانو کہ وہ چورن کر دینے والی جگہ کیا ہے؟ وہ خدا کی خاص طور پر بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں تک چڑھ آئے گی۔ پھر وہ ان پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی۔ وہ بھی ملبے لمبے اونچے اونچے ستونوں میں (یا) اس آگ کے شعلے اونچے اونچے ستونوں کی شکل میں بھڑک رہے ہوں گے"۔ (ھمزہ ۱۰۴،۱۔۹)

تباہ ہونے والے لوگ۔عدل الٰہی:۔(القرآن)

"کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو جزا و سزا (یعنی) بدلہ ملنے کو جھٹلاتا ہے۔یہی وہ شخص ہے جو (نتیجتاً) یتیم کو دھکے دیتا ہے اور کسی غریب کو کھانا دینے پر (لوگوں کو) آمادہ نہیں کرتا۔

نیز یہ کہ تباہی ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز سے غافل ہو کر بے پروائی پر تلے رہتے ہیں اور جو دکھاوے سے کام لیتے ہیں اور معمولی سی ضرورت کی چیزیں تک (لوگوں کو) نہیں دیتے (یعنی) لوگوں کی کوئی معمولی سی بھی مدد نہیں کرتے" (الماعون ۱۰۷،۱-۷)

شرک کا انجام۔(قرآن)

"(خدا کی عطاؤں کے باوجود) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو خدا کا ہمسر (برابر) اور مدمقابل قرار دیتے ہیں اور ان سے اس طرح (ٹوٹ کر) محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ کے ساتھ کرنی چاہیئے۔مگر جو ایماندار لوگ ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں۔کاش (ایسے) ظالم جو کچھ (خدا کی) سزا دیکھ لینے کے بعد سمجھنے والے ہیں، اسے (آج ہی) سمجھ لیتے کہ ساری کی ساری طاقتیں صرف اللہ ہی کیلئے ہیں اور یہ کہ خدا سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے۔ یہ (سمجھ لیں) کہ جب خدا ان کو سزا دے گا، اس وقت وہ (ان کے جھوٹے خدا) جن کی وہ پیروی اور اطاعت کرتے تھے اپنے پیروکاروں سے لاتعلقی ظاہر کرتے ہوں گے، جبکہ خدا کا عذاب انکی آنکھوں کے بالکل سامنے ہوگا اور ان کے سارے اسباب و وسائل، تمام تعلقات، رشتے ناتے سب بالکل کٹ چکے ہوں گے۔پھر وہ لوگ جنہوں

نے (دنیا میں خدا کے سوا دوسروں کی) اطاعت یا پیروی کی تھی وہ کہتے ہوں گے کہ
''کاش ہمیں صرف ایک دفعہ (دنیا میں) واپس جانے کا موقع مل جاتا تو ہم ان
(جھوٹے خداؤں، بادشاہوں اور لیڈروں) سے اسی طرح بیزار ہو کر علیحدہ ہو جاتے،
جس طرح (آج) یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر کے الگ ہو گئے۔ اس طرح خدا ان
لوگوں کے برے کاموں کو حسرتوں اور پشیمانیوں کی شکل میں دکھائے گا (غرض اس
طرح وہ اپنے غم وغصہ اور حسرت میں تڑپتے ہی رہیں گے) مگر آگ سے نکلنے نہ
پائیں گے۔ (اس لئے) اے انسانوں! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں
کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تمہیں
صرف برائی اور بدکاری کا حکم دیتا ہے اور یہ بھی (چاہتا ہے) کہ تم اللہ پر ایسی ایسی
باتیں گھڑو جن کا تمہیں علم ہی نہیں ہے''۔ (البقرۃ ۱۷۰۔۱۶۵ :۲)

اندھی تقلید کا انجام:۔ (القرآن)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (تمہاری زندگی کا اصل مقصد یہ ہے کہ) جو کچھ
اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی (اطاعت) کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں، بلکہ ہم تو اسی
(طریقے) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ داداؤں کو پایا۔ کیا چاہے ان
کے باپ داداؤں نے عقل سے کچھ کام ہی نہ لیا ہو؟ اور نہ ہی وہ سیدھے راستے پر رہے
ہوں؟ غرض جن لوگوں نے خدا کی اتاری ہوئی ہدایات کو ماننے (ان پر عمل کرنے)
سے انکار کر دیا، ان کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو چیخ پکار تو مچاتا ہے مگر وہ (خود
بھی) چیخ پکار کی آواز کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ ایسے لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں

کہ کچھ عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔اے (خدااور رسول کو) دل سے ماننے والو! اگر تم خدا کی غلامی کرنے والے ہو تو پاک صاف ستھری چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں کھاؤ (پیو) اور اللہ کا شکر ادا کرو"۔ (سورۃ بقرہ ۲، ۱۶۵ سے ۱۷۲)

(نوٹ):۔ حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا "عبادت یہ نہیں ہے کہ تم کثرت سے رکوع اور لمبے لمبے سجدے کئے جاؤ۔ بلکہ عبادت یہ ہے کہ خدا کی آیتوں اور اس کی مخلوقات پر غور وفکر کیا جائے"۔ (الکافی)

نیز فرمایا "ایک گھنٹہ خدا کی دلیلوں اور نشانیوں پر غور وفکر کرنا ستر ۷۰ سال کی عبادت سے افضل ہے"۔ (الکافی)

اللہ کی سزائیں۔مکافات عمل کا قانون۔(قرآن)

"کہئے کہ وہ (خدا) تو اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے اٹھا لائے، یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کرکے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے۔اب دیکھو کہ ہم کس کس طرح مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں اور دلیلیں ان کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں، تا کہ شاید یہ حقیقت کو سمجھ لیں۔غرض ہر خبر کے ظاہر ہونے کا ایک وقت مقرر ہے۔ تم کو بھی عنقریب تمہارا انجام معلوم ہو جائے گا"۔ (سورۃ انعام ۶۔۶۵،۶۷)

تفسیر:۔

مطلب یہ ہے کہ تمہاری مدت اور مہلت عمل ابھی پوری نہیں ہوئی ہے۔اس [illegible] سامنے نہیں آئے ہیں۔مگر اس مہلت عمل اور سزا

کے فوری طور پر نہ ملنے سے ہرگز نہ سمجھ لینا کہ بات ختم ہو گئی۔ چھٹی ہو گئی۔ نہیں، ہر عمل کا پورا پورا نتیجہ سامنے آ کر رہے گا، یہ اور بات ہے کہ ابھی اعمال کے نتائج کے ظاہر ہونے کا مقررہ وقت نہیں آیا ہے۔ اس کا وقت خدا کی حکمت کے تقاضوں کے مطابق مقرر ہے۔ بس صرف اسی سبب سے اب تک تم پر عذاب نہیں آیا ہے۔ (تفسیر بتیان)

تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں (اقبال)

دین کو کھیل بنانے کا انجام۔ (قرآن)

"اور جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے کیونکہ ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ان کو انہیں کے حال پر چھوڑ دو۔ البتہ ان کو نصیحت کرتے رہو تا کہ کوئی بے بسی (لاعلمی) میں اپنی بد اعمالیوں میں گرفتار نہ ہو جائے، ایسا گرفتار کہ پھر اسے اللہ سے بچانے والا نہ کوئی مددگار رہو اور نہ کوئی سفارشی ہو، پھر وہ اگر ہر طرح کا ہر ممکن معاوضہ دے کر بھی جان چھڑانا چاہے تو وہ معاوضہ بھی اس سے قبول نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنے کمائے ہوئے برے کاموں کے نتیجے میں پکڑے گئے، اور بے بسی کے ساتھ ہلاک و برباد ہوئے۔ اسی انکار حق کی وجہ سے ان کیلئے کھولتا ہوا پانی اور سخت تکلیف دینے والی سزا ہو گی" سورۃ انعام ۶، ۷۰)

تفسیر:۔

دین کو کھیل تماشا بنانے کے معنی دین کو کوئی اہمیت نہ دینا ہے۔ اس کی بہترین مثال تمام اہل مذہب کا طرز عمل ہے کہ مذہب کو صرف رسم و رواج، میلے ٹھیلے سمجھتے ہیں، مذہب کی اصل روح اور تعلیمات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ رہے دنیا دار

لوگ تو وہ مذہب کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ اس کو خرافات یا اگلے وقتوں کی فرسودہ باتیں یا کہانیاں سمجھتے ہیں۔

خدا کا عدل وانتقام۔ (قرآن)

"اللہ ہی وہ خدا ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت و بندگی نہیں۔ وہی زندہ ہے اور (سارے جہانوں کا) سنبھالنے والا ہے اسی نے تم پر برحق کتاب اتاری جو (ان کتابوں کی جو) اس کے سامنے موجود ہیں، تصدیق کرتی ہے اور اس نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیلئے توراۃ اور انجیل اتاری تھی اور (اب) حق اور باطل کو الگ الگ کر دینے والی (کتاب قرآن) اتاری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے خدا کی دلیلوں، نشانیوں اور باتوں کو نہ مانا ان کیلئے سخت سزا ہے۔ کیونکہ خدا ہر چیز پر غالب، اپنی قوت کے بل پر ہر کام کرنے والا اور بدلہ لینے والا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ خدا سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں"۔ (سورۃ آل عمران ۳، ۲ سے ۵)

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا تو فقیر ہے اور ہم بڑے مالدار ہیں خدا نے ان کی یہ بکواس سن لی۔ ہم ابھی سے لکھ لیتے ہیں اور ان کا پیغمبروںؑ کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ لیتے ہیں۔ (پھر ایک دن) ہم کہیں گے کہ لو اب جلانے والی سزا کا مزہ چکھو۔ یہ انہیں کاموں کا بدلہ ہے جن کو تمہارے ہاتھوں نے (کر کر کے) پہلے سے بھیج رکھا ہے۔ ورنہ خدا کبھی اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں"۔ (آل عمران ۳، ۱۸۱۔۱۸۲)

"حقیقت یہ ہے کہ خدا ہرگز ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ اگر (ذرہ برابر کسی کی کوئی) نیکی ہوتی ہے تو اس کو دوگنا تگنا دس گنا کرتا چلا جاتا ہے اور اس پر مزید یہ

کہ خود اپنی طرف سے بھی اسے بڑا زبردست اجر عطا فرماتا ہے۔ بھلا اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر گروہ کے گواہ طلب کریں گے اور (اے محمدؐ) تم کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اس دن جن لوگوں نے حق کے انکار کا راستہ اختیار کیا ہوگا، اور رسولؐ کی نافرمانی کی ہوگی، وہ یہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ زمین کے برابر ہو کر پیوند خاک ہو جائیں (یعنی نیست و نابود ہو جائیں ہمارا وجود ہی باقی نہ رہے تاکہ اس عظیم سزا سے بچ جائیں) مگر اس دن یہ لوگ اپنی کوئی بات خدا سے چھپا نہ سکیں گے"۔

(القرآن) (نساء۴، ۴۰ سے ۴۲)

"کیا تم خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا حاکم اور فیصلہ کرنے والا تلاش کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ وہ خدا ہی تو ہے کہ جس نے تمہارے پاس واضح کتاب اتاری ہے اور جن لوگوں کو ہم نے اپنی کتاب عطا کی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن بھی تمہارے ہی پالنے والے مالک کی طرف سے بالکل ٹھیک اتارا گیا ہے۔ (اس لئے اب) تم کہیں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ پس سچائی اور انصاف کے اعتبار سے تمہارے پالنے والے مالک کی بات مکمل ہوگئی۔ خدا کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ وہ بڑا سننے والا بھی ہے اور ہر بات کا جاننے والا بھی ہے"۔ (سورۃ انعام ۶، ۱۱۴۔۱۱۵)

"(پھر ہم پوچھیں گے) کیوں اے گروہ جن و انس (یا) کیوں اے انسانوں اور جنوں کے گروہو! کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبرؑ نہیں آئے (تھے)؟ جو تم سے ہماری دلیلیں باتیں اور نشانیاں بیان کرتے (تھے)؟ اور تمہیں خدا سے آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے (تھے)؟ ان سب نے کہا "ہم خود اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں" (واقعاً) دنیا کی چند دن کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال

رکھا تھا اور اب ان لوگوں نے خود اپنے خلاف آپ گواہی دے دی کہ بے شک یہ لوگ حقیقتوں کے انکاری تھے۔ یہ (پیغمبروںؑ کا بھیجا جانا صرف) اسی لئے تو ہے کہ تمہارا پالنے والا مالک کبھی (انسانوں کی) بستیوں پر ظلم نہیں کیا کرتا اور کبھی کسی کو غفلت کی حالت میں ہلاک و برباد نہیں کیا کرتا۔ جس نے جیسا (بھلا، برا) کیا ہے اسی کے مطابق ہر شخص کے درجات ہیں اور جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں تمہارے پالنے والا مالک اس سے بے خبر نہیں ہے۔ (اصل میں) تمہارا پالنے والے مالک کو (تمہیں سزا دینے کی) کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔ (اے رسولؐ) آپؐ ان سے فرمادیں کہ اے لوگو تم اپنی جگہ جو چاہو کرو میں اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں۔ پھر عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کے گھر (کی کامیابی) کس کیلئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظالم (ہرگز ہرگز) کامیاب نہ ہوں گے"۔ (سورۃ انعام ۶، ۱۳۰ـ۱۳۵)

خدا طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا:۔ (القرآن)

"کسی شخص کو زحمت نہیں دی جاتی مگر اس کی طاقت اور گنجائش کے مطابق"۔ (سورۃ بقرۃ ۲، ۲۳۳)

"خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس نے اچھا کام کیا تو اپنے فائدے کیلئے کیا، اور اگر برا کام کیا تو اس کا وبال خود اس پر پڑے گا۔ (اس لئے یہ دعا کرتے رہو کہ) اے ہمارے پالنے والے مالک! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں مت پکڑنا۔ اے ہمارے پالنے والے مالک! ہم پر دیسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ ہم سے اگلے والوں پر بوجھ ڈالا تھا۔ اے ہمارے پالنے والے مالک! ہم

سے اتنا بوجھ نہ اٹھوا جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ ہمیں معاف کر دے۔ ہماری غلطیوں کو بخش دے۔ ہم پر رحم فرما۔ تو ہی تو ہمارا آقا اور مالک ہے۔ حق کے دشمنوں کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما"۔ (سورۃ بقرۃ ۲،۲۸۶)

حسن وقبح کا عقلی ہونا (نہ شرعی)۔ (قرآن)

"اب کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقے سے نفرت کرنے سوا اس کے کہ جو خود اپنے کو احمق بنائے رکھے"۔ (سورۃ بقرہ ۱۳۰)

"آدمی کی حالت تو یہ ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کی طرف پلٹ کر اپنے پالنے والے مالک سے دعائیں کرتا ہے۔ پھر جب خدا اسے اپنی طرف سے نعمتیں عطا کر دیتا ہے تو جس کام کیلئے پہلے اس سے دعائیں کیا کرتا تھا، اسی کو بھلا دیتا ہے اسطرح کہ خدا کے ساتھ اوروں کو شریک بنانے لگتا ہے (کہ فلاں صاحب یا فلاں بزرگ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمادی) تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے ہٹا کر گمراہ کر دے۔ تھوڑے دن اپنے اس حق کے انکار پر عیش کر لے، حقیقت میں تو جہنمیوں میں سے ہے۔ کیا جو شخص رات کے اوقات میں سجدے کر کر کے اور کھڑے کھڑے خدا کی عبادت کرتا ہو اور آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے پالنے والے مالک کی رحمت کا امیدوار بھی ہو۔ (بھلا وہ ایسے ناشکرے حق دشمن کافر کے برابر ہو سکتا ہے؟) بھلا کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ (یا) عبرت تو صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں"۔ (زمر ۳۹،۸۔۹)

نیکی کا ثواب کئی گنا اور بدی کا بدلہ برابر۔ (قرآن)

''مگر جن لوگوں نے (برائیوں سے) توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی اور حق بات کو صاف صاف بیان کردیا، ان کی توبہ کو (یعنی) حق کی طرف پلٹنے کو میں قبول کرتا ہوں اور میں تو ہوں ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بے حد مسلسل رحم کرنے والا۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے حق کے انکار کا راستہ اختیار کیا اور اسی کفر کی حالت میں مر گئے ان پر خدا کی بھی لعنت ہے اور تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی بھی لعنت ہے۔ وہ ہمیشہ اسی (پھٹکار اور لعنتوں) میں گرفتار رہیں گے۔ ان کی سزا میں کوئی کمی بھی نہ کیا جائے گی اور نہ پھر انہیں (اپنی اصلاح کی) کوئی مہلت دی جائے گی''۔

(البقرہ ۳، ۱۶۰۔۱۶۲)

''جو شخص نیکی لے کر (خدا کے پاس) آئے تو اس کو اسی جیسی دس نیکیوں کا ثواب عطا ہوگا، اور جو شخص برائی لے کر (خدا کے پاس) آئے گا اس کو اسی کی (برائی) کی برابر سزا دی جائے گی اور ان پر کسی قسم کا کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔ (اس لئے اے رسولؐ) کہو کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا مرنا سب خدا ہی کیلئے ہے (یعنی خدا کی اطاعت اور رضامندی حاصل کرنے کیلئے ہے) جو سارے جہانوں کا پالنے والا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں تو سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں''۔ (انعام ۶، ۱۶۰ سے ۱۶۳) (القرآن)

''تمہارے مال اور اولاد میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ تمہیں ہمارا مقرب بنا سکیں (یا) ہمارے قریب کوئی مقام دلا سکیں۔ مگر ہاں جس نے ہمیں دل سے مان لیا

اور (اس کے نتیجے میں) اچھے اچھے کام کئے، ان کیلئے ان کے کاموں کے بدلے میں دوہری دوہری جزا ہے۔ وہ جنت کے کمروں میں امن و اطمینان سے رہیں گے۔ (البتہ) وہ لوگ جو ہماری باتوں، آیتوں اور دلیلوں کے خلاف کوششیں کرتے ہیں وہی لوگ (ہمارے) عذاب اور سزا میں جھونک دیے جائیں گے۔ (اس لئے) فرما دیجئے کہ حقیقتاً میرا پالنے والا مالک جس کیلئے چاہتا روزی کو خوب بڑھا دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ (ضرور) اس کا بدلہ دے گا (کیونکہ) وہ سب سے اچھا رزق دینے والا ہے"۔

(القرآن) (سبا ۳۴، ۳۷_۳۹)

عقیدہ آخرت

عقیدہ آخرت کا ثبوت اور کیفیت۔ (قرآن)

"انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں اور جو ان کو پیدا کرنے سے ذرا بھی نہ تھکا وہ ضرور اس بات پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں؟ (قادر ہے) حقیقتاً وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جس دن یہ حق کے منکر کافر لوگ آگ کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے پوچھا جائے گا) کیا یہ جہنم کی آگ سچی حقیقت ہے کہ نہیں؟ تو وہ کہیں گے کیوں نہیں، ہمارے پالنے والے مالک کی قسم (یہ سچی حقیقت ہے)۔ تب ان سے کہا جائے گا پھر چکھو اس سزا کا مزہ، اس لئے کہ تم اس کا انکار کیا کرتے تھے"۔

"اور ان کے معاملے میں جلدی نہ کیجئے جس دن یہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں

گے جس کا انہیں خوف دلایا جا رہا ہے تو انہیں یوں معلوم ہوگا جیسے وہ دنیا میں ایک گھنٹے بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے۔ بس بات پہنچا دی گئی۔ سو برباد تو وہی ہوں گے جو نافرمان ہوں گے"۔ (سورۃ ۴۶ احقاف ۳۳،۳۵)

انکار حق کی سزائیں اور انکار حق کی اصل وجہ۔ (قرآن)

"جب وہ (کافر، حق کے منکر لوگ جہنم میں) پھینکے جائیں گے تو وہ اس آگ کے دھاڑنے کی ہیبت ناک آواز بھی سنیں گے، اس حال میں کہ وہ غصے کی شدت کی وجہ سے ایسا جوش کھا رہی ہوگی کہ قریب ہوگا کہ وہ پھٹ جائے۔ جب بھی اس میں کسی بھی گروہ کو پھینکا جائے گا، تو وہاں کام کرنے والے پہرہ داران لوگوں سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی (ابدی تباہی سے) خبردار کرنے والا اور برائی کے برے انجام سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں کیوں نہیں، ہدایت کرنے والا اور ڈرانے والا ہمارے پاس ضرور آیا تھا مگر ہم نے اسے خوب خوب جھٹلایا اور یہ کہہ دیا تھا کہ اللہ نے کچھ اتارا ہی نہیں۔ تم خود بہت بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ پھر وہ (گمراہ لوگ) کہیں گے کاش ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج اس جہنم کی بھڑکتی دہکتی آگ (میں جلنے) والوں میں سے نہ ہوتے۔ پس اس طرح انہوں نے اپنے اصلی جرم کا خود اعتراف کرلیا، تو لعنت ہو ان جہنم والوں پر۔ اب جو لوگ بے دیکھے اپنے پالنے والے مالک سے ڈرتے ہیں، ان کے لیے تو حقیقتاً اللہ کی چھائی ہوئی رحمت میں ڈھک جانا، اللہ کی معافی اور بہت ہی بڑا اجر و ثواب ہے"۔

(سورۃ ۶۷ ملک ۷ سے ۱۲)

دوبارہ زندہ ہونے پر دلیل۔ (قرآن)

''کیا آدمی نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے ایک ٹپکے ہوئے قطرے سے پیدا کیا۔ پھر وہ ایک کھلا ہوا جھگڑالو (انسان) بن کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں کس رہا ہے۔ (یعنی ہمارا مذاق اڑا رہا ہے) اور خود اپنی ہی پیدائش کو بھلا بیٹھا ہے۔ اب کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ حالانکہ وہ گل سڑ گئی ہوں گی۔ کہئے کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلے پہل پیدا کیا تھا۔ (کیونکہ) وہ پیدا کرنے کے ہر کام کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ وہی خدا تو ہے جس نے تمہارے ہرے بھرے سرسبز درخت سے آگ (جیسی چیز) پیدا کر دی اور تم یکا یک اس سے اپنے چولہے سلگا لیتے ہو۔ کیا وہ خدا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور لوگ پیدا کر دے؟ کیوں نہیں؟ جبکہ وہ بہت پیدا کرنے والا بھی ہے اور بڑا جاننے والا بھی۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہوتا ہے کہ اسے حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ غرض ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو''۔ (سورہ یٰسین ۳۶۔۷۷ سے ۸۳)

تفسیر:۔

مطلب یہ ہے کہ جو خدا نیست سے ہست، Nothing سے Thing پیدا کر سکتا ہے، جو تخلیق کی ابتداء کر سکتا ہے۔ بھلا اس کیلئے پیدا کی ہوئی چیزوں کو دوبارہ پیدا کرنا کونسی مشکل بات ہے؟ (بصائر)

مرخ اور عفار ایسے درخت ہیں کہ اگرچہ ان سے پانی ہی کیوں نہ بہہ رہا ہو لیکن اگر ایک دوسرے سے رگڑ کھا جائیں تو ان سے آگ پیدا ہو جاتی ہے۔

(تفسیر صافی۔ تفسیر قمی)

غرض جو درخت میں رطوبت سے آگ پیدا کر سکتا ہے اس کیلئے جمادات میں زندگی پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟ (ماجدی)

آیت کے آخری الفاظ نے بتایا کہ خدا خلاقِ مطلق ہے۔ محض اپنے ارادے سے عدم کو وجود عطا کرتا ہے۔ اسے نہ مادے کی حاجت ہے نہ روح کی، نہ ہیولیٰ کی ضرورت ہے نہ کسی اور چیز کی۔

یہ محض سرعت سے ہو جانے کا بیان ہے۔ مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا ہر چیز کو پیدا کرتے وقت کن کن "ہو جا ہو جا" فرماتا ہے۔ وہ صرف ارادہ کرتا ہے اور چیز ہو جاتی ہے۔ یہ صرف ہمارے سمجھانے کیلئے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ بار بار "ہو جا ہو جا" کہنا بھی تو ایک قسم کی احتیاج ہو گی، جو نقص ہے اور خدا ہر نقص سے پاک ہے۔ (ماجدی)

قرآن:۔

"ان سے کہئے کہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے سننے اور دیکھنے کی طاقتیں بھی قرار دیں اور سوچنے سمجھنے والا دل و دماغ بھی دیا۔ مگر تم ہو کہ بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔ کہئے کہ وہی خدا تو ہے جس کی طرف گھیر گھیر کر لے جایا جائے گا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ کہ) یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ کہئے

کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، اور میں تو صرف صاف صاف واضح طور پر (خطرہ سے پہلے) خبردار کرنے والا ہوں (جس طرح یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ ہر شخص مرے گا، لیکن کب مرے گا اس کا پتہ صرف خدا کو ہے، اسی طرح یہ بالکل سچی حقیقت ہے کہ قیامت آئے گی مگر کب آئے گی؟ اسکا پتہ صرف خدا کو ہے) (مگر) جب یہ لوگ قیامت کو قریب سے دیکھ لیں گے، تو ان سب کے چہرے بری طرح بگڑ جائیں گے جنہوں نے کہ اس کا انکار کیا تھا۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ چیز ہے جس کا تم تقاضے پر تقاضا کیا کرتے تھے۔ (سورۃ ملک ۶۷ ۔ ۲۳ سے ۲۷)

تفسیر:۔

آخر میں ہمیں خدا بتا رہا ہے کہ یوں تو ہم نے تمہیں زمین پر پھیلا رکھا ہے لیکن جب ہم تمہارا حساب لینا چاہیں گے تو تم جہاں کہیں ہو گے، سمٹ سمٹ کر میدان حساب میں جمع کر دیئے جاؤ گے اس لئے زمین پر ہر طرف پھیلنے کی وجہ سے تم کہیں بھول نہ جانا کہ اب تم ہمارے قابو سے باہر ہو چکے ہو۔ تم کسی طرح اور کسی وقت بھی ہمارے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں نکل سکتے۔ (ماجدی)

رہا منکروں کا یہ پوچھنا کہ قیامت کب ہوگی تو ان کا مقصد صرف قیامت کے عقیدے کا مذاق اڑانا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ قیامت کے آنے کا وقت صرف خدا کو معلوم ہے لیکن ہم یہ ضرور تمہیں بتائے دیتے ہیں کہ قیامت جب آئے گی تمہارا تیا پانچا ہو جائے گا۔ (مولف)

کافروں کا یہ پوچھنا کہ قیامت کب ہوگی بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی قاتل کو

پھانسی کی سزا دی جائے اور وہ احمق جج سے یہ پوچھے کہ آخر پھانسی کب ہوگی؟ کونسا وقت ہے جب پھانسی پر میں چڑھایا جاؤں گا؟ کب اور کس طرح لٹکایا جاؤں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ (مرشد تھانوی)

اللہ کی قدرت۔ (قرآن)

"اگر وہ خدا تمہاری روزی کو روک لے تو پھر کون ہے جو تمہاری روزی دے سکتا ہے؟ بلکہ دراصل یہ لوگ سرکش اور ہٹ دھرمی کے ساتھ (ابدی حقیقتوں سے) بھاگنے اور دور رہنے پر اڑے اور جمے ہوئے ہیں۔ تو کیا جو الٹا ہو کر اوندھے منہ چل رہا ہو وہ زیادہ صحیح راستہ پانے والا ہے۔ یا وہ جو سر کو اٹھائے سیدھا ہو کر ایک ہموار اور سیدھے راستہ پر چل رہا ہے؟" (سورۃ ملک ۶۷-۲۲-۲)

تفسیر:۔

آیت کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر خدا چاہے تو بارش کو روک دے نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام اسباب رزق کام کرنا چھوڑ دیں گے۔ (تفسیر صافی)

آیت میں پہلی مثال کافر منکر خدا کی ہے اور دوسری مثال مومن کی ہے جو خدا اور آخرت کو مانتا ہے۔ کافر کا تصور کائنات کی ہر چیز کے بارے میں الٹا ہوتا ہے مگر مومن افراط وتفریط کی راہوں سے بچ کر چلتا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا دل چار قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) ایک وہ دل جس میں نفاق اور ایمان دونوں ہوتے ہیں۔ (۲) دوسرے وہ دل جو الٹا ہوتا ہے۔ (۳) تیسرے وہ دل جس پر نشان لگا ہوتا ہے۔

(۴) چوتھے وہ دل جو چمکیلا اور نورانی ہوتا ہے۔ جس دل پر نشان لگا ہوتا ہے وہ منافق کا دل ہوتا ہے، وہ دل جو چمکیلا ہوتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے کہ جب خدا اس کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور جب خدا اس کو کسی بلا میں گرفتار کر کے اس کا امتحان لیتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے۔ (جو دل الٹا ہوتا ہے وہ کافر کا دل ہوتا ہے) (تفسیر صافی بحوالہ کافی ومعانی الاخبار)

قانون استدراج اور قرآن کی اہمیت۔ (قرآن)

"تو اب مجھے اور انہیں چھوڑ دو جو اس کلام (قرآن) کو جھٹلاتے ہیں۔ ہم انہیں رفتہ رفتہ بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے، اس طرح کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ (اس طرح کہ) میں انہیں ڈھیل پر ڈھیل دوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میری چال بڑی زبردست اور مضبوط ہوتی ہے"۔ (سورۃ ۶۸ قلم ۴۵)

تفسیر:۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا، قرآن اور آخرت کو نہیں مانتے مگر دنیا میں انہیں خوب مال اولاد اقتدار مل رہا ہے، وہ اس سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اس لئے کہ خدا کا قانون اور انداز یہ ہے کہ وہ انسان کو پہلے امتحاناً نعمتوں پر نعمتیں دیتا چلا جاتا ہے۔ پھر جب انسان کفرِ نعمت، ظلم اور گناہوں پر گناہ کر کر کے خدا کی سزا کا پورا پورا مستحق ہو جاتا ہے تب نعمتیں تو غائب ہو جاتی ہیں اور صرف سزا ہی سزا باقی رہ جاتی ہے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ اس کو خدا نے اپنی چال یا خفیہ منصوبہ فرمایا ہے۔ اس کو قانون استدراج بھی کہتے ہیں۔ خدا یہ چال، چالبازوں، ظالموں اور بدمعاشوں کے ساتھ چلتا ہے۔

(فصل الخطاب)

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں قدرت کی تعزیریں

اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کے کاموں میں

آخرت کو نہ ماننے کا انجام۔ (قرآن)

''یہی (آخرت کو نہ ماننے کی) غلطی فرعون اور اس کے پہلے والوں اور (قوم لوطؑ کی) الٹی ہونے والی بستیوں (کے لوگوں) نے بھی کی تھی۔ ان سب نے اپنے پالنے والے مالک کے پیغام لانے والوں کی بات اور احکامات نہ مانے، تو خدا نے ان کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا، پھر (نوحؑ کی قوم پر) پانی کا طوفان حد سے گزر گیا تو ہم نے تمہیں کشتی پر سوار کیا تا کہ اسے تمہارے لئے یادگار سبق سکھانے والا واقعہ بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اس کی یاد محفوظ رکھیں۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا، تو اس دن وہ ہو جانے والا واقعہ ہو جائے گا۔ اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور اس کا نظام بالکل سست پڑ جائے گا، فرشتے آسمان کے چاروں طرف ہوں گے۔ اس دن تمہارے پالنے والے مالک کے تختِ سلطنت کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس دن تم سب کے سب (خدا کے سامنے) پیش کئے جاؤ گے۔ اس حالت میں کہ تمہاری کوئی بات ڈھکی چھپی نہ رہے گی، پھر جسے اس کے اعمال کی کتاب اس کے سیدھے ہاتھ میں دی جائے گی وہ پکار اٹھے گا۔ ''(لوگو) آؤ۔ پڑھو میرے اعمال کی کتاب۔ میں خوب جانتا رہا تھا کہ مجھے حساب دینا ہوگا''۔ پھر وہ اپنے دل پسند عیش و آرام کی زندگی میں ہوگا۔ جنت کے گھنے سرسبز و شاداب، اونچے اونچے باغوں میں، جو

عالی مرتبہ ہوں گے۔ جس کے بالکل تیار پھلوں کے گچھے اس کے بالکل نزدیک جھکے پڑ رہے ہوں گے (ارشاد ہوگا) خوب مزے لے لے کر کھاؤ پیو اپنے ان کاموں کے بدلے میں جو تم نے گزرے ہوئے دنوں میں انجام دیئے ہیں۔

مگر جس کے اعمال کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دیجائے گی وہ کہے گا ''کاش میرے (برے) کاموں کی کتاب مجھے نہ دی جاتی۔ (کاش) میں نہ جانتا کہ میرا حساب و کتاب کیا ہے؟ کاش مجھے پہلے (دنیا میں) جو موت آئی تھی وہی فیصلہ کن ہوتی (یعنی کاش مرنے پر میں بالکل ہی فنا ہو جاتا اور کوئی دوسری زندگی نہ ہوتی) (ہائے) میرا مال بھی تو میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا سارا اثر و رسوخ اور اقتدار بھی بالکل برباد ہو گیا۔ (حکم ہوگا) پکڑو اس (خبیث) کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو اور اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن سے جکڑ دو۔ پھر اسے جہنم کی بھڑکتی دہکتی آگ میں جھونک دو۔ (وہاں) اسے ایک ایسی زنجیر میں جس کی لمبائی ستر ہاتھ جتنی ہو، باندھ دو۔ یہ (بدمعاش) نہ تو اللہ کو جو بہت بڑا اور بزرگ و برتر ہے دل سے مانتا تھا، اور نہ کسی غریب مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ (یعنی نہ خدا کا حق ادا کرتا تھا اور نہ بندوں کا) تو آج نہ اس کا کوئی یار اور مددگار ہے، اور نہ اس کے زخموں سے بہتی ہوئی پیپ اور ان زخموں کے دھوئے ہوئے پانی کے سوا اس کے لئے کوئی کھانا ہے، جسے غلط اور برے کام کرنے والوں کے سوا کوئی نہیں کھاتا''۔ (الحاقہ ۶۹ ـ ۹ سے ۳۷)

تفسیر:۔

قیامت کے دن عرش الٰہی میں جو وزن ہوگا وہ خدا کی نورانیت اور ہیبت و جلال کی وجہ سے ہوگا کیونکہ آخرت میں خدا کی شان جبروتی کا کامل ظہور ہوگا۔

دوسری بات ان آیتوں سے یہ معلوم ہوئی کہ جنت کی پوری زندگی ہر قسم کی فکر، تکلیف، کوفت، پریشانی، خوف، مصیبت، نقص اور عیب سے قطعاً خالی ہوگی۔ اسی لئے اس زندگی کو من بھاتی زندگی کے الفاظ ۔۔ یاد کیا گیا ہے۔ (ماجدی)

تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو لوگ دنیا میں یہ سوچتے ہی نہیں کہ کبھی ان کے اعمال کا حساب بھی ہوسکتا ہے وہی لوگ قیامت میں بائیں طرف والے ہوں گے۔ اس کے مقابلے پر جن لوگوں کو داہنے ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال دیا جائے گا اور جو وہاں کامیاب ہوں گے، وہ، وہ ہوں گے جو یہ کہہ رہے ہوں گے کہ "مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ میرا حساب کتاب لیا جائے گا"۔ (القرآن)

کیونکہ آخرت سے غافل کردینے والی دو ہی چیزیں بہت اہم ہیں یعنی (۱) مال اور اولاد (۲) اور عزت و مقام۔ اسی لئے انہیں دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

چوتھی بات ان آیتوں میں یہ بتائی گئی ہے کہ آخرت میں سزا ان لوگوں کو ملے گی (۱) جو خدا اور آخرت کو دل سے نہیں مانتے تھے۔ (۲) اسی لئے انسانوں کے حقوق ادا نہ کرتے تھے۔ (۳) اسی لئے غریبوں سے کسی قسم کی کوئی ہمدردی بھی نہیں رکھتے تھے۔ اب اس آئینے میں ہر شخص اپنی شکل دیکھ سکتا ہے۔ (فصل الخطاب)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا نے فرمایا کہ ''جس زنجیر سے جہنمی کو باندھا جائے گا اس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے اگر اس کی ایک کڑی پوری دنیا پر رکھ دی جائے تو ساری دنیا اس کی گرمی سے پگھل جائے گی''۔

(الامان الالحفیظ) (تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قمی)

ممکن ہے کہ یہ ہاتھ یا گز عالم آخرت کے ہوں یا ممکن ہے کہ زنجیر کی لمبائی سے خاص لمبائی مراد نہ ہو، صرف زنجیر کا بہت لمبا ہونا بتانا مقصود ہو۔ (تفسیر کبیر، بحر)

موت کی اقسام۔ (قرآن)

''تو کیوں نہیں کہ جب (روح نکل کر) گلے تک پہنچ جاتی ہے، اس حالت میں کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس وقت تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں، مگر تم کو نظر نہیں آتے۔ تو کیوں نہیں، کہ اگر تم کسی کے کروی یا محکوم نہیں ہو (یا) تمہیں جزا و سزا ملنے والی نہیں ہے، تو جب مرنے والے کی روح حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے، اس وقت اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟! اگر تم سچے ہو (کہ کوئی خدا نہیں ہے۔) اب اگر وہ (مرنے والا خدا کے) مقربین میں سے ہو تو اس کے لئے راحت ہی راحت، آرام ہی آرام، لذت ہی لذت، بہترین رزق اور نعمت بھری جنت کے سرسبز شاداب گھنے باغ ہیں۔ اور اگر وہ داہنی طرف والے عالی مرتبہ خوش قسمت لوگوں میں سے ہے، تو اس کے لئے خیریت ہی خیریت، امن ہی امن ہے، سلامتی ہی سلامتی ہے (یا) اس سے کہا جاتا ہے کہ سلام ہو تجھ پر۔ تو داہنی طرف والے عالی مرتبہ خوش قسمت لوگوں میں سے ہے۔ اور اگر وہ حق کو جھٹلانے

والے گمراہ لوگوں میں سے ہو تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے ہوگی اور اسے جہنم کی سخت گرمی میں جھونکا جائے گا۔ حقیقتاً واقعاً یہ سچی حقیقی قطعی اور یقینی بات ہے۔ (اس کا علاج یہ ہے کہ) تم اپنے عظیم پالنے والے مالک کے نام کی تسبیح پڑھو (یعنی نماز پڑھو اور خدا کی مکمل اطاعت کرو اور اس طرح) خدا کی پاکیزگی، بے عیبی اور کمال کا دل وزبان سے اعتراف کرو"۔ (سورۃ ۵۶ واقعہ ۸۳ سے ۹۶)

تفسیر:۔

آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری موت اور زندگی تمہارے اپنے قبضہ میں نہیں ہے تو پھر تم خدا کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟ پھر تمہیں کیا حق ہے کہ تم خدا جیسے قادر مطلق ذات کی قدرت پر پابندیاں لگاؤ؟ خدا جب چاہے روح نکال سکتا ہے اور جب چاہے وہ جسم میں لوٹا سکتا ہے۔ جب تمہارا کوئی عزیز مرنے لگتا ہے تو کیا تمہارے لئے ممکن ہے کہ اس کو مرنے سے روک لو؟ تو جب تم خود اپنے عزیز کو مرنے سے نہیں روک سکتے تو حشر کے دن خدا کو مُردوں کے اٹھانے سے کیسے روک لوگے؟

(ماجدی)

مرنے والوں کے درجات انکے ایمان اور اعمال کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔ ان درجات اور حالات کا یقینی ہونا ثابت ہے۔ اس دوہری تاکید سے مراد ہی یہ ہے کہ یہ بات یقینی اور قطعی ہے۔ اب اس میں مزید تحقیق کی کوئی گنجائش نہیں۔

(تفسیر کبیر بقول ابن عطیہ)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ

''جب انسان مرنے لگتا ہے تو سب سے پہلے اس کا مال مجسم ہو کر اس کے سامنے آتا ہے۔ وہ اپنا مال دیکھ کر بڑا خوش ہوتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ میں نے سخت محنت کر کے تجھے کمایا اور تیری حفاظت کی۔ آج جب سب سے کڑا وقت مجھ پر پڑا ہے، تو بتا کہ تو میرے کیا کام آسکتا ہے؟ مال کہتا ہے کہ میں حاضر ہوں مگر میں زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہوں کہ تجھے تیری قبر اور تیرا کفن دلوادوں۔ مرنے والا مایوس ہو کر دوسری طرف دیکھتا ہے تو اس کی اولاد مجسم ہو کر اس کے سامنے آتی ہے۔ وہ اولاد کو دیکھ کر پوچھتا ہے کہ تم آج میرے کیا کام آسکتے ہو؟ اولاد کہتی ہے کہ ہم تمہیں اپنے کاندھوں پر اٹھا کر تمہاری قبر تک پہنچا سکتے ہیں۔ یہ سن کر مرنے والا مایوس ہونے لگتا ہے کہ اسے ایک حسین و جمیل چہرہ اپنے قریب آتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ قریب آ کر اس کے بازو کو تھام لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو فکر نہ کر۔ میں تیرے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ میزان پر بھی اور پل صراط پر بھی۔ میں تیرا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک تجھے جنت کے باغ میں داخل نہ کردوں۔ مرنے والا حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ بھائی تو آخر کون ہے جو ایسے آڑے وقت میں میرے کام آرہا ہے۔ تو وہ حسین چہرہ مسکرا کر بتاتا ہے کہ میں تیرا ہی وہ اچھا عمل ہوں جو تو ناگواری کے ساتھ انجام دیا کرتا تھا''۔ (الکافی)

ترا جہاں ہے وہی جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہیں
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (اقبال)

انسانوں کی آخری تین قسمیں۔ (قرآن)

”جب ہونے والا واقعہ (قیامت) واقع ہوگا تو اس کے واقع ہونے کو کوئی جھٹلا نہ سکے گا۔ وہ (کسی کو) نیچا دکھانے والا ہوگا اور (کسی کو) اونچا کرنے والا ہوگا“۔

جب زمین پوری طرح ہلا ہلا ڈالی جائے گی اور پہاڑ اس طرح ذرہ ذرہ ہو جائیں گے جیسے وہ ہوا میں اڑتے ہوئے بے حقیقت غبار ہوں۔ (اس وقت) تم سب کے سب تین گروہ ہو جاؤ گے۔ (۱) دائیں طرف والے (یعنی) عزت والے عالی مرتبہ خوش قسمت لوگ۔ ان کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ تم کیا جانو کہ دائیں طرف والے کتنے خوش نصیب ہیں۔ (۲) بائیں طرف والے تو بائیں طرف والوں کی (بد بختی) کا کیا ٹھکانہ۔ (۳) (نیکیوں میں) آگے بڑھ جانے والے، وہ تو حقیقتاً پوری پوری طرح آگے بڑھ جانے والے ہیں۔ وہی تو (خدا کے خاص) مقرب افراد ہیں۔ وہ نعمتوں سے بھری سرسبز و شاداب جنتوں کے گھنے باغوں میں ہوں گے۔ وہ گروہ اگلوں میں سے تو بہت بڑا ہوگا مگر بعد والوں میں سے کم ہوں گے۔ وہ سجے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے سامنے ہمیشہ (جوان) رہنے والے لڑکے چکر لگا رہے ہوں گے۔ شراب کے پیالے، صراحی اور بہتی ہوئی شراب کے چشمے سے بھرے ہوئے جام لئے ہوئے، جسے پی کر نہ تو ان کا سر چکرائے گا، نہ دردِ سر ہوگا اور نہ ہوش و حواس اڑیں گے۔ وہ (لڑکے) ان کے سامنے لذیذ پھل (پیش کرتے رہیں گے) اور ان میں سے جو پھل وہ چاہیں گے پسند کرلیں گے۔ اور (وہ لڑکے) طرح طرح کے پرندوں کا گوشت (ان کی خدمت میں پیش کرتے رہیں

گے) جوان کو خوب پسند بھی ہوگا اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی گوری گوری حوریں ہوں گی۔ ایسی خوبصورت جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوں۔ یہ سب کچھ ان کے کاموں کے صلے کے طور پر انہیں ملے گا جو وہ (و: امیں) کیا کرتے تھے۔ وہاں وہ کوئی بے کار، بے ہودہ، گندی، گنہگار بنانے والی بک بک نہیں سنیں گے۔ وہاں جو بات بھی ہوگی وہ ٹھیک ہوگی۔ وہ ہر طرف سے سلام سلام آداب وتسلیمات کی آوازیں سنیں گے۔

رہے دائیں طرف والے باعزت عالی مرتبہ خوش نصیب لوگ، تو ان دائیں طرف والوں کی خوش قسمتی کا کیا کہنا! وہ ایسی بیریوں کے (ٹھنڈے) درختوں میں ہوں گے جن میں کانٹے نہیں ہوتے اور تہہ بہ تہہ چڑھے ہوئے کیلوں (کے باغوں) میں ہوں گے۔ دور دور تک پھیلی ہوئی (ٹھنڈی) چھاؤں میں ہوں گے، ہر دم بہتے ہوئے پانی اور بکثرت پھلوں میں ہوں گے، جو نہ تو کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان کے ملنے میں کوئی روک ٹوک ہوگی۔ وہ اونچے اونچے فرشوں، بچھونوں اور بیٹھنے کی جگہوں پر (بیٹھے ہوں گے) (ہم نے ان کی بیویوں کو) خاص طریقے سے (یعنی) نئے سرے سے اتنا اچھا بنایا ہے کہ جیسا بنانا چاہیئے۔ (یہ مومنین کی بیویاں ہوں گی جو آخرت میں بالکل نئی، نہایت خوبصورت پیدا ہوں گی۔ کنواری اور بالکل ایسی جیسی مومنین چاہیں گے) جو اپنے شوہروں کی عاشق اور اپنے شوہروں کو اپنا عاشق بنانے والی ہیں، اور عمر (اور فکر وذوق) میں ان کے برابر ہیں۔ یہ سب کچھ داہنی طرف والے باعزت عالی مرتبہ خوش نصیب لوگوں کیلئے ہے۔ وہ پہلے کے لوگوں میں سے بھی بہت سے ہوں گے اور بعد والوں میں سے بھی بہت سے ہوں گے۔

''رہے بائیں طرف والے، تو بائیں طرف والوں کی بدبختی کا کیا ٹھکانا کہ وہ سخت گرم ہوا کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور بہت کالے (گرم) دھوئیں کے سائے میں ہوں گے، جو نہ تو ٹھنڈا ہی ہوگا اور نہ عزت والا ہوگا۔ یہ وہی (بدمعاش) لوگ ہیں جو اس سے پہلے بڑے عیش و آرام میں خوشحال رہتے تھے۔ جو بڑے سے بڑے گناہ پر ہٹ دھرمی سے جمے رہتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا پھر سے دوبارہ اٹھا کر کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی جو پہلے گزر چکے ہیں (اٹھائے جائیں گے؟) کہیے بیشک، اگلے پچھلے سب کے سب ضرور ضرور اکٹھے کیے جائیں گے، جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے۔ پھر اے (حق کو) جھٹلانے والے گمراہو! تم زقوم کے درخت سے (کڑوے پھل) کھاؤ گے۔ اسی سے اپنا پیٹ بھرو گے۔ پھر اس پر گرم گرم کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ وہ بھی بری طرح انتہائی پیاسے اونٹ کا سا پینا ہوگا جیسے وہ غٹر غٹر تیزی کے ساتھ پیتے ہیں۔ یہی ان کی مہمانی کا سامان ہوگا بدلہ ملنے کے دن۔ جب ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے، تو پھر تم (ہمارے خالق و مالک ہونے کی) تصدیق کیوں نہیں کرتے؟'' (سورۃ واقعہ ۵۶: ۵۷)

دوبارہ زندہ ہونے کا ثبوت۔ (قرآن)

''اچھا تم نے کبھی غور کیا کہ جو نطفہ تم (عورتوں میں) منتقل کرتے ہو، تو کیا تم اس سے بچہ بناتے ہو؟ یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کا نظام قائم کیا ہے اور ہم کبھی اس سے بے بس مجبور نہیں ہو سکتے۔ ہم (چاہیں تو)

تمہاری شکلیں اور حلئے تک بدل کر رکھ دیں۔ اور پھر تمہیں کسی ایسی شکل میں دوبارہ پیدا کر دیں جس کو تم جانتے تک نہیں۔ پھر جب کہ تم اپنی پہلی پیدائش کو جان چکے ہو (کہ ماں کے پیٹ سے اب تک ہم نے تمہاری کتنی شکلیں اور حالتیں بدلی ہیں) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟ (کہ ہم تمہیں مرنے کے بعد دوسری زندگی دے سکتے ہیں''۔

(سورۃ ۵٦ واقعہ ا سے ٦۲)

تفسیر:۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ سے روایت فرمائی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ''اللہ نے تین قسم کے آدمی پیدا کئے ہیں۔ (۱) سابقون۔ نیکیوں میں دوسروں سے آگے بڑھ جانے والے۔ یہ اللہ کے رسولؐ اور خاص بندے ہیں۔ ان میں خدا نے پانچ روحیں قرار دی ہیں اور ان کی مدد روح القدس سے کی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کی حقیقت کو پہچان لیتے ہیں۔ (۲) دوسرے ان میں روح الایمان ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ خدا کی ناراضگی اور سزا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (۳) ان میں روح القوت بھی ہوتی ہے، جس سے وہ خدا کی اطاعت کیلئے قوت حاصل کرتے ہیں۔ (۴) پھر ان میں روح شہوت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی اطاعت کی خواہش پیدا کر لیتے ہیں اور خدا کی نافرمانی سے نفرت کرتے ہیں۔ (۵) اور ان میں روح المدارج یا روح حرکت بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ لوگ چلتے پھرتے ہیں''۔ (تفسیر صافی بحوالہ کافی)

آخری امت کا زمانہ کیونکہ قیامت کے قریب ہے، اس لئے پچھلی امتوں

نے ہم سے زیادہ زمانہ پایا شاید اس لئے ان میں مقربین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ لیکن داہنی طرف والوں کی تعداد دونوں گروہوں میں اتنی زیادہ ہوگی کہ ان کا گننا ناممکن ہوگا۔ (معالم۔کشاف)

جو شراب جنتیوں کو پلائی جائے گی وہ بے انتہا لذیذ ہوگی مگر اس میں دنیا کی شراب جیسا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ قرآن نے صرف دو لفظوں میں وہاں کی شراب کی خرابیوں کی نفی کردی (مدارک) جنت کی صرف ان نعمتوں کو بیان کیا گیا ہے جو عربوں کے مذاق کے مطابق ہیں کیونکہ عرب مخاطبینِ اول ہیں۔ اس لئے عام اور عالمگیر لذتوں کا ذکر اجمالی اشارات کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ (ماجدی) جنت کیلئے خدا نے فرمایا ہے کہ "وہاں ایسی ایسی چیزیں ہوں گی جن کا دلوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا"۔ (القرآن)

اسی طرح جنت کے پھلوں کے نام بھی صرف وہی بتائے گئے ہیں جن سے عرب واقف تھے ورنہ جنت کے پھلوں اور نعمتوں کی تعداد اور اقسام لامحدود ہیں۔

جنتیوں کی عورتوں میں ان کی بیویاں بھی ہوں گی اور حوریں بھی۔ حوروں کو یکایک وجود میں لایا گیا ہے۔ وہ نہایت خوب صورت ہوں گی مگر وہاں عورتوں میں آپس میں رشک و حسد قطعاً نہ ہوگا۔ کوئی ناگوار چیز کا وجود جنت میں نہ ہوگا۔

بڑے دولت مندوں سے مراد وہ دولت مند ہیں جو اپنی دولت اور عزت پر اکڑے رہتے ہیں۔ دنیا کی لذتوں میں مست و مگن ہوکر ایمان کی صداقتوں اور تقاضوں کا یکسر انکار کردیتے ہیں۔ کیونکہ ایمان کی صداقتیں اور تقاضے ان کی بدمعاشیوں، بدمستیوں اور چودھراہٹ کو یکسر رد کردیتی ہیں۔ اسی گروہ کی ترجمانی اور

جانشینی مصری یونانی قومیں، مکہ کے قریش اور آج یورپ امریکہ اور دولتمند قوموں کے لوگ کر رہے ہیں۔ یہی لوگ دنیا پر چھائے ہوئے ہیں جو آخرت کی زندگی کو ایک ڈھکوسلا، مذاق اور بے معنی سی بات سمجھتے ہیں۔ یا تو صاف صاف انکار کرتے ہیں یا ان کا ہر عمل اس عقیدے کو رد کرتا ہے۔

آخرت کے بارے میں خدا کی واضح دلیل یہ ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ تم نہ تھے اور ہم نے تمہیں پیدا کر دیا۔ پھر تمہاری سمجھ میں یہ کیوں نہیں آتا کہ ہم تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکتے ہیں۔ (ماجدی)

دنیا کی حقیقت اور کامیابی کا راز۔ (قرآن)

"ہر جان کو موت کا ذائقہ (ضرور) چکھنا ہے اور تم قیامت کے دن پورا پورا بھرپور بدلہ پاؤ گے۔ پس جو شخص بھی (مرنے کے بعد) جہنم کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، بس وہی پوری پوری طرح کامیاب ہوا۔ رہی دنیا کی زندگی تو وہ دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں۔ (یہ دنیا تو صرف اس لئے بنائی گئی ہے) تا کہ تمہارے مالوں اور جانوں سے تمہارا امتحان لے۔ اب اگر تم نے صبر سے کام لیا اور برائیوں اور خدا کی ناراضگی سے بچتے رہے تو بیشک یہی سب سے بڑی ہمت اور جرأت کا کام ہے"۔ (آل عمران ۳، ۱۸۵-۱۸۶)

موت پر فتح پانے کا راز۔ (قرآن)

"کیا آپؐ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کو حکم تھا کہ ابھی کچھ عرصہ جہاد سے ہاتھ روکے رہو۔ البتہ پابندی سے نمازیں پڑھتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو۔ مگر جب

ان پر (حق کے دشمنوں کو) قتل کرنا واجب قرار دیا گیا، تو ان میں سے کچھ لوگ تو دشمنوں سے ایسے ڈرنے لگے جیسے کوئی خدا سے ڈرے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے اور کہنے لگے "خدایا تو نے ہم پر جہاد کو کیوں واجب کر دیا؟ ہم کو کچھ دنوں اور زندہ رہنے کی مہلت کیوں نہ دی؟ آپؐ ان سے فرمادیں کہ دنیا کی لذتیں بہت تھوڑی سی ہیں اور آخرت کی دوسری زندگی اس کیلئے بہت اچھی ہے جو برائیوں (یا) خدا کی ناراضگی سے بچتا رہا اور فرائض الٰہیہ کو ادا کرتا رہا۔ اور وہاں تم پر بال کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا"۔ تم چاہے جہاں کہیں بھی ہو، موت تم کو پا کر ہی رہے گی۔ چاہے تم کتنے ہی مضبوط قلعوں اور گنبدوں ہی میں کیوں نہ چھپ جاؤ۔ (نساء ۴، ۷۷۔۷۸)

(نوٹ): حضرت علیؑ نے فرمایا "جب موت کو لازماً آنا ہی ہے اور جان کو لازماً جانا ہی ہے تو پھر کیوں نہ یہ جان اللہ کی راہ میں جائے، تاکہ خلعتِ شہادت حاصل ہو"۔ (حضرت علیؑ)

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر

(اقبال)

خواہ مخواہ ظلم سہنے کا برا انجام اور ہجرت کے فائدے۔ (قرآن)

"جن لوگوں کی روح کو فرشتوں نے نکالا جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے (یعنی کافروں کے ظلم وستم خواہ مخواہ برداشت کرنے کا گناہ کر رہے تھے) فرشتوں نے پوچھا، تم کس حالت میں پڑے تھے؟ وہ کہنے لگے "ہم زمین میں بے بس اور مجبور

تھے"۔ فرشتوں نے پوچھا، کیا خدا کی اتنی لمبی چوڑی وسیع زمین میں کوئی جگہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے چلے جاتے؟ پس ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ البتہ وہ مرد، عورتیں اور بچے جو کافروں کے شہروں سے نکلنے کی کوئی تدبیر نہ رکھتے ہوں اور انہیں کوئی راہ نہ دکھائی دیتی ہو، امید ہے کہ خدا ان کو معاف کر دے گا کہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے"۔ (نساء۴، ۹۷۔۹۹)

موت نیند کے مشابہ ہے اور مصیبتوں سے خدا ہی نجات دیتا ہے۔ (قرآن)

"وہی خدا ہے جو تمہیں رات کو (نیند کے عالم میں) اٹھا لیتا ہے اور جو کچھ تم نے دن میں کیا ہوتا ہے اس کو جانتا ہے۔ پھر تمہیں دن میں اٹھا کر کھڑا کر دیتا ہے تا کہ تم زندگی کی مقرر کی ہوئی مدت پوری کر لو۔ پھر تم سب کو خدا ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر جو کچھ بھی کہ تم نے کیا تھا، وہ تمہیں بتا دے۔ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ وہ تم لوگوں پر حفاظت کیلئے فرشتے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ تم میں سے جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے رسولؐ اس کو اٹھا لیتے ہیں، اور وہ ہمارے حکم کی تعمیل میں ذرہ بھی کمی یا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر ان کو اپنی حقیقی مالک کی طرف لوٹایا گیا۔ یاد رکھو کہ حکومت صرف اور صرف خدا کیلئے ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ کہیئے کہ کون ہے جو تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں (یعنی) سخت مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے، جس سے تم گڑگڑا گڑگڑا کر چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو کہ اگر تو نے ہم کو اس بلا سے بچا لیا تو ہم ضرور شکر ادا کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ کہیئے کہ وہ خدا ہی

ہے جو تمہیں ان (بلاؤں) سے نجات دیتا ہے۔ مگر تم ہو کہ شرک پر شرک کئے چلے جاتے ہو"۔ (انعام ۶۔۶۰۔۶۴)

ظالموں کی موت کا نقشہ اور خدا کی معرفت۔ (قرآن)

"(اے رسولؐ) کاش آپ دیکھتے کہ یہ ظالم بدمعاش موت کی سختیوں میں پڑے ہیں اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور (کہتے جاتے ہیں کہ) اپنی جانیں نکالو۔ آج تمکو سخت ذلت کی سزا دی جائے گی کیونکہ تم خدا کے بارے میں جھوٹ گھڑا کرتے تھے اور خدا کی باتوں، نشانیوں، آیتوں اور دلیلوں (کو سن کر) اکڑا کرتے تھے۔ آخر کار تم ہمارے پاس اسی طرح اکیلے آئے، جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار (اکیلا) پیدا کیا تھا اور وہ سب (مال اولاد) اپنے پیچھے چھوڑ آئے جو ہم نے تمہیں دیا تھا۔ اب ہم تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کو تم یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہمارے شریک ہیں۔ اب تو تمہارے آپس کے تعلقات بھی کٹ کٹا گئے اور وہ سب (جھوٹے خدا) تم سے غائب ہو گئے جن کو تم (اپنا مددگار) خیال کرتے تھے۔ وہ خدا ہی تو ہے جو گٹھلی کو پھاڑ کر درخت نکالتا ہے اور جو زندہ سے مردہ نکالتا ہے اور مردہ (مادہ) سے زندہ کو نکالتا ہے۔ وہی تمہارا خدا ہے مگر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو"۔

(انعام ۶۔۹۳ سے ۹۵)

"ہر قوم یا گروہ کیلئے ایک خاص وقت معین ہے۔ پھر جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے، تو پھر وہ نہ تو ایک لمحہ پیچھے رہ سکتے ہیں، اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں"۔

(اعراف ۷۔۳۴)

ظالم کی موت اور سب سے بڑا ظالم کون اور مشرکین کا انجام۔ (قرآن)

''جو شخص خدا پر جھوٹ گھڑ لے، یا خدا کی باتوں، دلیلوں، نشانیوں اور احکامات کو جھٹلائے، اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو (دنیا میں) ان کا لکھا ہوا رزق ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس آکر ان کی روح نکالیں گے، تو ان سے پوچھیں گے کہ تم جنہیں خدا کو چھوڑ کر (خدا سمجھ کر) پکارا کرتے تھے، اب وہ کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے'' وہ سب کے سب ہمیں چھوڑ چھاڑ کر چلتے بنے۔ اس طرح وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ واقعاً وہ حق کے منکر تھے۔ تب خدا ان سے فرمائے گا کہ جو جن اور انسان تم سے پہلے مر چکے تھے، بس انہیں کے ساتھ مل کر تم بھی جہنم واصل ہو جاؤ۔ جب ان میں کا ایک گروہ داخل جہنم ہوگا تو وہ اپنے ساتھی دوسرے گروہ پر لعنت بھیجے گا۔ یہاں تک کہ جب سب کے سب اس میں پہنچ جائیں گے تو ان کی پچھلی جماعت اپنے سے پہلے آنے والی جماعت کے خلاف بددعا کرے گی کہ'' اے ہمارے مالک! انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ تو ان کو آگ کی دوگنی سزا دے''۔ خدا فرمائے گا، ہر ایک کے واسطے دوگنی (چوگنی) سزا ہے۔ لیکن تم جانتے نہیں۔ (غرض) جن لوگوں نے ہماری باتوں، آیتوں، دلیلوں اور احکامات کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں خود کو بڑا سمجھا، ان کیلئے (مرنے کے بعد) آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ نہ وہ جنت کے باغ میں کبھی داخل ہو سکیں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل

جائے۔ (یعنی ان کا جنت میں داخلہ ناممکن ہے) ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور ان کیلئے تو بس آگ کا بچھونا ہوگا۔ پھر انکے اوپر بھی آگ ہی آگ چھائی ہوئی ہوگی۔ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو خدا رسولؐ کو دل سے مانتے تھے اور (نتیجتاً) اچھے اچھے کام کرتے تھے وہ لوگ جنتی ہیں کہ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ہم ان لوگوں کے دلوں سے ہر قسم کا بغض اور کینہ نکال باہر کریں گے۔ ان کے (محلات کے) نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ کہہ رہے ہوں گے "الحمدللہ" تمام تعریف خدا کیلئے ہے۔خدا کا شکر ہے، جس نے ہمیں اس (جگہ) تک پہنچایا۔اگر خدا ہمیں یہاں نہ پہنچاتا تو ہم کسی طرح بھی یہاں نہ پہنچ سکتے۔ بے شک ہمارے پالنے والے مالک کے پیغام لانے والے سچ لے کر آئے تھے۔ پھر ان لوگوں کو پکار کر کہہ دیا جائے گا یہی وہ جنت کے سرسبز و شاداب باغ ہیں جن کے تم اپنے کاموں کی وجہ سے مالک بنائے گئے ہو۔پھر جنتی لوگ جہنم والوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم نے تو بیشک اپنے مالک کے وعدوں کو ٹھیک اور سچا پایا۔کیا تم نے بھی اپنے مالک کے وعدوں کو ٹھیک اور سچا پایا؟ جہنمی کہیں گے ہاں، (ٹھیک اور سچا پایا) پھر ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکارے گا کہ "ظالموں پر خدا کی مار اور پھٹکار ہے، جو خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے اور وہ آخرت کی دوسری زندگی کے انکاری بھی تھے"۔ (اعراف ۷، ۳۷ سے ۴۵) (القرآن)

"جب منافقین (یعنی) جن لوگوں کے دلوں (میں انکارِ حق کی) بیماری تھی وہ کہہ رہے تھے کہ "ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ (حالانکہ) جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو حقیقتاً اللہ ہر چیز پر غالب قوت رکھنے والا، خود اپنی

قوت کے بل پر ہر کام کرنے والا اور گہری مصلحتوں کے مطابق بالکل ٹھیک کام کرنے والا ہے۔ کاش تم دیکھتے کہ جب فرشتے (ایسے) منکرین حق کی جان نکالتے ہیں تو ان کے منہ اور پیٹھ پر (کوڑے) مارتے جاتے ہیں اور (کہتے جاتے ہیں کہ) اب دھکتی بھڑکتی جہنم کی آگ کی سزا کا مزہ چکھو۔ یہ وہی کچھ ہے جو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے کمایا (کیا) تھا۔ حقیقتاً اللہ کبھی اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا۔ ان کی حالت اولا دفرعون کی سی ہے جو ان سے پہلے تھے، جنہوں نے اللہ کی آیتوں، دلیلوں، نشانیوں اور احکامات کا انکار کیا، تو اللہ زبردست طاقت والا اور سخت سزا دینے والا ہے (ان کو) یہ سزا اس وجہ سے دی گئی کہ . . . جب کوئی نعمت کسی قوم کو دیتا ہے تو پھر کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے (یعنی جب تک قوم خود کفر نعمت نہیں کرتی، خدا اس سے اپنی نعمتیں نہیں چھینتا کیونکہ) حقیقتاً خدا بہت سننے والا اور ہر بات کا خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے"۔ (انفال ۴۹۸ سے ۵۳) (القرآن)

"وہ لوگ کہ جب فرشتے ان کی روح پر قبضہ کرتے ہیں (یعنی) جان نکالتے ہیں جبکہ وہ لوگ (کفر، شرک، نفاق اور گناہ کر کر کے) اپنے اوپر ظلم ڈھاتے رہے تھے، تو (اس وقت وہ قسمیں کھا کھا کر خدا کی) اطاعت پر آمادہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے تھے (فرشتے کہتے ہیں) ہاں! تم جو (بد معاشیاں) کرتے تھے ان سے خدا خوب اچھی طرح سے واقف ہے۔ اب جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ ہمیشہ رہنے کیلئے، تکبر کرنے والوں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔ رہے وہ جو خدا کی ناراضگی سے بچتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے مالک نے تم پر کیا اتارا ہے؟ تو وہ کہتے کہ خیر ہی خیر، اچھائی ہی اچھائی اتاری ہے۔ (غرض)

جن لوگوں نے نیکی کی، ان کیلئے اُس دنیا میں بھی نیکی ہی نیکی ہے، بھلائی ہی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔ سدا بہار ہرے بھرے سرسبز و شادات گھنے باغات، جن میں وہ داخل کئے جائیں گے، جن کے محلات کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہاں وہ جو کچھ چاہیں گے، ان کیلئے حاضر ہوگا۔ خدا برائیوں سے بچنے والوں اور فرائض الٰہیہ کے ادا کرنے والوں کو اسی طرح جزا عطا کیا کرتا ہے۔ فرشتے ان لوگوں کی روح اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں۔ فرشتے ان سے احتراماً کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہی سلامتی ہو۔ جنت کے سرسبز و شاداب گھنے باغوں میں داخل ہو جاؤ، انہیں کاموں کے صلے میں جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے"۔ (نحل ۱۶، ۲۸۔۳۲) (القرآن)

قرآن:۔

"ہر سانس لینے والے کو موت کا ذائقہ (ضرور) چکھنا ہے۔ تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اب جن لوگوں نے (خدا رسولؐ اور آخرت کو) دل سے مانا ہوگا اور (نتیجتاً) اچھے اچھے کام بھی کئے ہوں گے، ہم ان کو جنت کے سرسبز و شاداب گھنے باغوں کے محلات میں رہنے کی جگہ دیں گے۔ جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اچھے عمل کرنے والوں کا یہی اچھا اجر و انعام ہے (یا) نیک چلن رکھنے والوں کی کیا اچھی کھری مزدوری ہے! جو (دنیا میں) خدا کی اطاعت اور مصیبتوں پر صبر کیا کرتے ہیں، اور اپنے پالنے والے مالک پر بھروسہ کرتے ہیں"۔ (عنکبوت ۲۹، ۵۷۔۵۹)

"ان لوگوں نے پہلے ہی اللہ سے یہ عہد اور اقرار کیا تھا کہ وہ (دشمنوں کے مقابلے میں جہاد کرتے ہوئے) کبھی پیٹھ پھیر کر نہ بھاگیں گے اور خدا سے کئے ہوئے عہد کی پوچھ گچھ تو ضرور ہو کر رہے گی۔ آپ کہہ دیں کہ (میدان جہاد سے) بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا (کیونکہ) اگر تم موت یا قتل ہونے سے بھاگ بھی گئے تو بس چند دن اور عیش کر لو گے۔ (پھر اس کے بعد) تمہیں خدا (کی سزا) سے کون بچا سکے گا۔ اگر خدا نے ہی تمہیں نقصان پہنچانا چاہا، یا اگر خدا نے بھلائی کرنی چاہی تو بھلا اسے کون روک سکتا ہے؟ پھر وہ خدا کے سوا کسی کو اپنا سرپرست یا مددگار نہ پائے گا۔ اور جب ان پر کوئی خوف کا موقع آپڑتا ہے تو دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف (حسرت سے) تکنے لگتے ہیں۔ پھر ان کی آنکھیں ایسے گھومنے لگتی ہیں جیسے کسی پر موت چھائی ہوئی ہو۔ پھر جب خوف کا موقع جاتا رہتا ہے تو مال غنیمت پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور تم پر اپنی تیز قینچی کی طرح چلنے والی زبانوں سے طعنے کسنے لگتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کبھی ایمان لائے ہی نہیں۔ (یعنی انہوں نے خدا اور رسولؐ کو دل سے کبھی مانا ہی نہیں) خدا نے ان کا سب کیا دھرا اکارت کر دیا۔ اور اللہ کیلئے ایسا کرنا بہت آسان ہے"۔ (احزاب ۳۳، ۱۵۔۱۹)

قرآن:۔

جب مومنین نے کفار کے لشکروں اور گروہوں کو (آتے) دیکھا تو انہوں نے کہا یہ تو وہی چیز ہے جس کا خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا (کہ ہمارا امتحان لیا جائے گا اور ہمیں جہاد کرنا ہوگا) اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے بالکل سچ

کہا تھا۔(اس طرح کفار کے حملہ کرنے نے) ان کے ایمان، یقین اور اطاعت میں اور اضافہ کردیا۔ایمان لانے والوں میں سے ہی کچھ ایسے بھی تھے کہ انہوں نے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا اور ان میں سے کچھ (اس وعدے کو پورا کرنے کے) انتظار میں ہیں۔(غرض) ان لوگوں نے اپنی بات ذرہ برابر بھی نہ بدلی۔تا کہ خدا سچے لوگوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے۔اور منافقوں کو سزا دے۔پھر اگر وہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے۔(کیونکہ) یقیناً خدا بڑا معاف کرنے والا بھی ہے اور بے حد مسلسل رحم کرنے والا بھی ہے"۔ (احزاب ۳۳، ۲۰۔۲۴)

"(اے رسولؐ) یہ حقیقت ہے کہ تم بھی مرنے والے ہو اور یہ لوگ بھی یقیناً مرنے والے ہیں۔پھر تم لوگ قیامت کے دن اپنے مالک کے پاس ایک دوسرے سے جھگڑو گے۔تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ باندھے اور جب اس کے پاس سچی بات آئے تو اس کو جھٹلا دے۔کیا جہنم کی آگ ایسے منکروں کا ٹھکانا نہیں؟ اور جو شخص (مراد رسولؐ) سچی بات لے کر آیا اور، وہ جس نے اس کی تصدیق کی، بس یہی لوگ متقی ہیں۔(یعنی) خدا کی ناراضگی اور برائیوں سے بچنے والے اور فرائض الٰہی کے ادا کرنے والے ہیں۔ان کیلئے ہر وہ چیز ان کے مالک کے پاس ہوگی، جو وہ چاہیں گے۔یہ نیکی کرنے والوں کی جزا ہے۔تا کہ خدا ان لوگوں کی برائیوں کو بھی ان سے دور کردے جو انہوں نے کی ہیں، اور ان کو بہترین جزا دے ان کے اچھے اچھے کاموں کے بدلے میں جو وہ کر چکے ہیں۔کیا خدا اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہے؟" (زمر ۳۹، ۳۰ سے ۳۶)

موت کی حقیقت۔ (قرآن)

"خدا ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں اپنی طرف کھینچ کر اٹھا لیتا ہے۔ وہ لوگ جو ابھی نہیں مرے ان کی روحیں نیند کے عالم میں کھینچ لی جاتی ہیں۔ اب جن کے بارے میں خدا موت کا حکم دے چکا ہے۔ ان کی روحیں تو روک لی جاتی ہیں، باقی (سونے والوں کی) روحوں کو ایک مقررہ وقت کیلئے بھیج دیتا ہے۔ اس بات میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے بہت سی دلیلیں ہیں"۔ (زمر ۳۹، ۴۲)

(نوٹ): خدا ہر روز نیند میں موت دیتا ہے اور صبح کو زندہ کر دیتا ہے تو گویا آپ ایک دفعہ کے حشر و نشر کے منکر ہیں۔ خدا روز حشر و نشر برپا کر کے دکھاتا ہے۔ یہ بہترین دلیل ہے قیامت کے دن سب کے ایک ساتھ مرنے اور بعد میں زندہ ہو کر اٹھ جانے کی۔

قرآن:۔

"جب فرشتے جان نکالیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ جب فرشتے ان کی پیٹھوں پر (کوڑے) برسا رہے ہوں گے۔ یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے ان باتوں کی پیروی کی جس سے خدا ناراض ہوتا ہے اور جس چیز سے خدا راضی ہوتا ہے اس کو یہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے۔ تو خدا نے ان کے تمام کاموں کو اکارت کر ڈالا۔ کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ خدا ان کے بغض، کینے اور حق دشمنی کو کبھی ظاہر نہ کرے گا"؟ (محمد ۴۷، ۲۷۔ ۲۹)

ایں محال است و محال است و جنوں

(یعنی) ایسا ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ بلکہ یہ خیال پاگل پن ہے۔

قرآن:۔

"ہم نے انسان کو پیدا کیا اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں۔ (کیونکہ) ہم تو اس کی گردن کی سب سے بڑی رگِ حیات سے بھی بہت زیادہ اس کے قریب ہیں۔ وہ جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو دیکھنے (لکھنے) والے (کراماً کاتبین) اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہوتے ہیں۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا مگر ایک نگرانی کرنے والا اس کے پاس (لکھنے کیلئے) بالکل تیار رہتا ہے۔ بس وہ موت کی بے ہوشی آ گئی؟ یہ بالکل سچی حقیقت ہے۔ اس سے تو بھاگتا اور بدکتا تھا۔ لو وہ صور پھونکا گیا۔ یہی تو وعدے کا دن ہے۔ ہر شخص ہمارے سامنے حاضر ہو گیا۔ ہر ایک کے ساتھ اس کا ہنکانے والا اور گواہی دینے والا موجود ہے۔ تو اس دن سے غفلت میں پڑا ہوا تھا۔ لے اب ہم نے تیرے سامنے سے پردوں کو ہٹا دیا۔ تو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے۔ پھر اس کا ساتھی (فرشتہ) کہے گا کہ یہ اس کا عمل ہے جو میرے پاس (لکھا ہوا یا مجسم) حاضر ہے۔ (حکم ہوگا) تم دونوں ہر سرکش ناشکرے کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دو۔ جو اچھے کاموں سے روکنے والا تھا۔ حدود سے آگے بڑھ جانے والا تھا، دین میں شک کرنے والا تھا، اب تم دونوں اس کو سخت سزا میں ڈال دو۔ اس وقت اس کا ساتھی شیطان کہے گا ہمارے مالک! ہم نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا، بلکہ یہ تو خود سخت گمراہی میں پڑا ہوا تھا یعنی اس نے خود اپنی مرضی سے گمراہی کو اختیار کیا تھا) (ق ۵۰، ۱۶۔۲۷)

قرآن:۔

”جب جان گلے تک آن پہنچتی ہے اور تم اس وقت (مرنے والے کی بس) حالت دیکھتے ہوتے ہو۔ جبکہ ہم مرنے والے سے، تم سے بھی کہیں زیادہ نزدیک ہوتے ہیں۔ لیکن تم ہمیں دیکھ نہیں سکتے۔ اگر تم کسی کے دباؤ میں نہیں ہو اور اپنے وعدے میں سچے ہو، تو (جاتی ہوئی) روح کو پھیر کیوں نہیں لیتے؟ پس اگر (مرنے والا) خدا کے مقربین میں سے ہے تو اس کیلئے انتہائی آرام، راحت، عیش و آسائش ہے۔ خوشبودار پھول اور نعمت بھرے باغ ہیں۔ اگر وہ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہے (یعنی اس کی نیکیوں کا پلہ اس کی برائیوں پر بھاری ہے) تو اس سے (احتراماً کہا جاتا ہے کہ) تم پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہو۔ (یعنی تم کو کامیاب ہونے والے مبارکباد دیتے ہیں اور تم پر نیک بندوں کی طرف سے سلام ہو) لیکن اگر مرنے والا ابدی حقیقتوں کو جھٹلانے والا اور گمراہوں میں سے ہوتا ہے، تو اس کی مہمانی کھولتے ہوئے پانی سے کی جاتی ہے۔ اس کو جہنم میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ یہ خبر یقیناً بالکل یقینی طور پر صحیح ہے۔ (تو اے رسولؐ) اپنے پالنے والے عظیم مالک کی پاکیزگی کو بیان کرو“۔ (سورۃ واقعہ ۵۶، ۸۳ ـ ۹۶)

قرآن:۔

”لوگو حقیقت یہ ہے کہ تم دنیا سے بری طرح محبت کرتے تھے اور آخرت کی دوسری زندگی کو چھوڑے بیٹھے تھے۔ اس دن بہت سے چہرے تو تروتازہ ہشاش بشاش ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ جب جان کھینچ کر گلے تک آ پہنچے

گی اور کہا جائے گا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ اور (مرنے والا خود) سمجھ لے گا کہ بس اب سب سے جدا ہونا ہے اور (موت کی تکلیف سے) پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔ اس دن تجھے اپنے مالک کی طرف چلنا ہے۔ نہ خدا کے کلام کی تصدیق کی، نہ نماز پڑھی۔ بلکہ (خدا سے) منہ موڑ کر جھٹلاتا ہوا لوٹا۔ پھر اپنے گھر کی طرف اتراتا ہوا چلا۔ افسوس ہے تجھ پر، پھر تف ہے تجھ پر۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا"۔ (یعنی اس سے حساب وکتاب نہ لیا جائے گا)

(قیامہ ۷۵، ۲۰۔۳۶)

قانون جزا کی حکمت:۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جزا اور سزا کا مقصد خدا کا جذبہ انتقام ہے۔ لیکن یہ غلط خیال ہے۔ ہماری جزا سزا باہر سے نہیں آتی بلکہ انسان کی فطرت کے قوانین سے خود بخود پیدا ہوتی ہے۔ ان قوانین کو خدا نے ہی بنایا ہے مگر ان کا مقصد انتقام لینا نہیں بلکہ انسان کی تربیت کرنا ترقی اور امتحان ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انسان کی خودشعوری صرف ایک خواہش رکھتی ہے اور وہ خواہش یہ ہے کہ منبع حسن وکمال یعنی خدا کا قرب اور اسکی رضا مندی حاصل کرے۔ ہماری خودشعوری (روح) کی تمام مسرتوں اور راحتوں کا دارومدار اس کی اسی خواہش کی تکمیل پر ہوتا ہے اور اس کے دکھوں اور غموں کا باعث یہ ہوتا ہے کہ اس کی یہ خواہش تکمیل نہیں پاتی۔ لہذا خودشعوری کی جنت خدا کی رضا مندی کا قرب ہے۔ اور اس کی دوزخ خدا کی رضا مندی سے دوری ہے۔ اس لئے جنت کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ خود خدا اس کو یقین دلاتا ہے کہ وہ اس

انسان سے راضی ہے کیونکہ انسان کی خود شعوری اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی۔ اسی لئے جنتی انسان کو مرتے وقت خدا کی طرف سے یہ خوشخبری سنائی جاتی ہے۔

"اے مطمئن جان! اپنے پالنے والے مالک کی طرف لوٹ جا۔ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اس سے راضی ہے۔ میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا"۔ (القرآن، سورۃ الفجر)

پھر خدا نے فرمایا" (اہل جنت کیلئے) اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہوگی۔ کاش کہ یہ بات لوگ جان لیں"۔ (القرآن)

ان آیتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ کی ابتدا دنیا ہی میں ہو جاتی ہے۔ جو شخص دنیا میں خدا کی رضامندی اور محبت کو حاصل کرنے سے اندھا بنا رہتا ہے وہ اگلی دنیا میں بھی اندھا ہوتا ہے۔ خدا نے فرمایا" جو شخص یہاں (اس دنیا میں) اندھا ہوگا، وہ آخرت میں بھی اندھا اور راہ گم کردہ ہوگا"۔

عمل کی حقیقت:۔

انسان کا ہر عمل اصل میں اس کی خود شعوری (روح) کا عمل ہوتا ہے، جسم کا نہیں۔ خود شعوری جسم کو عمل کے آلے کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ لہذا ہر عمل حقیقت میں ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے اور ہر ذہنی کیفیت یا تو خود شعوری (انسان کی اصل ذات) کو محبوب حقیقی یعنی خدا سے قریب لاتی ہے یا قریب سے لے جاتی ہے۔ اسی لئے وہ یا تو ہماری خود شعوری کو راحت پہنچاتی ہے یا تکلیف۔ اس لئے ہر زندگی یا تو جنت ہوتی ہے یا دوزخ۔ گناہ کی زندگی وہ زندگی ہے جو خدا سے قرب کی رکاوٹوں میں گھر جاتی

ہے۔اس لئے اپنی منزل مقصود تک ارتقا نہیں کرسکتی۔ جو خود شعوری ان گناہوں کی رکاوٹ کو دنیا میں ہٹا کر نیکیوں کی طرف بڑھ جاتی ہے، وہ زندگی ہی میں ارتقا کی منزلیں طے کرلیتی ہے لیکن اگر خود شعوری کو دنیا میں یہ موقع نہیں ملتا تو یہ جدوجہد اگلی دنیا میں جاری رہتی ہے۔اس وقت یہ جدوجہد دوزخ برزخی میں انجام پاتی ہے۔اس لئے خودشعوری اس ارتقاء کی جدوجہد کو ملتوی تو کرسکتی ہے، لیکن اس سے بچ نہیں سکتی۔ لیکن ملتوی کرنے پر اسے سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔متواتر گناہ کرنے والا محسوس کرتا ہے کہ نیکی کی زندگی کی طرف لوٹنا اس کیلئے دن بدن مشکل تر ہوتا جاتا ہے۔آخر کار اس کی خودشعوری اور نیکی کے درمیان ایسی رکاوٹ حائل ہوجاتی ہے جسے عبور کرنا اس کیلئے ممکن ہی نہیں ہوتا اس لئے خدا نے فرمایا:"اس میں کوئی شک نہیں کہ توبہ (یعنی) خدا کی طرف لوٹنا صرف ان لوگوں کیلئے ممکن ہے جو (خدا سے بغاوت کی وجہ سے نہیں بلکہ) نہ جاننے کی غلطی کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں اور پھر جلدی سے گناہ کی زندگی سے واپس لوٹ آتے ہیں"۔

نیز خدا نے فرمایا:"(خدا کے بندے تو وہ ہوتے ہیں کہ) جب کسی بے حیائی کا کام کرکے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو پھر اپنے برے کام پر دانستہ اصرار نہیں کرتے۔(یعنی اسکو دوبارہ نہیں انجام دیتے)"۔ (القرآن)

انسان کی سب سے بڑی ناکامی:۔

اور شکست یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں گناہ کی رکاوٹوں کے خلاف جدوجہد میں کامیاب نہ ہوسکے۔کیونکہ اگلی دنیا میں گناہوں کے ازالے کیلئے اسے بہت زیادہ سخت

دکھ اور رنج اٹھانا پڑے گا۔ یہ لوگ موت کے بعد دوزخ سے اپنا ارتقاء شروع کریں گے۔ یہ دوزخ دنیا میں اسے جنت معلوم ہوتی ہے لیکن خودشعوری (روح) اپنی دوزخ کی پوری شدت کا سامنا اس وقت کرتی ہے جب خدا سے دوری کی حالت میں اس کی زندگی ختم ہو جائے۔ اور اس کیفیت کو لے کر وہ دوسری دنیا میں پہنچ جائے۔ اس وقت خودشعوری پر رنج وغم اور تکلیف کی بدترین کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اب وہاں اسے کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی، تمام غلط نصب العین، خدا کے جھوٹے جانشین اور دعویدار، شیطان کا تزئین اعمال کا عمل سب بالکل ختم ہو چکا ہوتا ہے، تمام جھوٹی تسلیاں یک قلم موقوف ہو چکی ہوتی ہیں۔ خدا نے فرمایا:

"انہوں نے (مرتے ہیں) عذاب کو اپنے سامنے دیکھ لیا اور (غلط فہمی کے) تمام اسباب ان سے کٹ گئے"۔ (القرآن)

"اور جھوٹ جو انہوں نے گھڑ لیا تھا، ان سے غائب ہو گیا"۔ (القرآن)

ایسے انسان کو شدید ذہنی تکلیف کی وجہ سے بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ جیسے وہ جلتی آگ میں جھونک دیا گیا۔ کیونکہ اگلی دنیا میں انسان کی ہر ذہنی کیفیت ایک خارجی حقیقت کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس طرح دنیا میں خارجی حقیقت ایک ذہنی کیفیت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

لیکن مومن جو ہر وقت خدا کی محبت اور اطاعت کی کوششوں میں لگا رہتا ہے، اور خدا کی محبت کو دنیاداری کی ناپاک محبتوں سے دبنے نہیں دیتا اور اسی وجہ سے گناہ کی رکاوٹوں اور امتحانوں پر قابو پائے رہتا ہے، تو اس کی خدا سے محبت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور جب اس کی خودشعوری موت کا ذائقہ چکھ کر اگلی دنیا میں پہنچ جاتی ہے تو خدا

کی محبت کے راستے کی تمام مشکلیں اور رکاوٹیں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کی مسرت ایسے کمال کو پہنچ جاتی ہے جس کا تصور کرنا ممکن نہیں۔ خدا فرماتا ہے "کوئی جان نہیں جان سکی کہ کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک (کا سامان) اس کے لئے وہاں مہیا کیا گیا ہے"۔ (یعنی بے انتہا لطف ولذت، سکون واطمینان کا سامان تیار کیا گیا ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جنت میں وہ مسرتیں لذتیں اور نعمتیں ہوں گی کہ نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل نے اس کا تصور کیا"۔ (الحدیث)

اس لئے موت کے وقت خدا کا سچا عاشق انتہائی مسرت کی ایسی جھلک پاتا ہے کہ وہ خوشی سے سراسر بھر جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر اطمینان اور راحت کی ایک کیفیت نمودار ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات چہرے پر ہلکا سا تبسم کھیلنے لگتا ہے۔ پھر اس کی مسرت اور اس کا ارتقاء بغیر کسی جدوجہد کے خود بخود ہمیشہ جاری رہتا ہے یہی وہ مسرت ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے بعد پھر اسے کسی چیز کی تمنا باقی نہیں رہتی۔ وہ ہمیشہ محبوب حقیقی کے حسن اور عطاؤں کی تازہ بہ تازہ، نوبہ نو جھلک سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ ہر قدم اس کو اور اگلا قدم اٹھانے کی استعداد از خود بہم پہنچاتا ہے۔ یہ ارتقاء مسلسل جاری وساری رہتا ہے۔

برکلے، ہیگل، کروچے، جنٹلے جیسے عظیم فلسفی اور ایڈنگٹن جیسے سائنس دانوں نے لکھا کہ دنیا میں اگر کسی چیز کی موجودگی کا ہمیں یقین ہو سکتا ہے تو وہ ہماری ذہنی کیفیتیں ہیں۔ اس طرح اگلی دنیا میں بھی ہماری ذہنی کیفیتوں کے سوا کوئی چیز فی الحقیقت موجود نہیں ہوگی۔ اس لئے اگلی زندگی ہماری اپنی ذہنی کیفیتوں کی تصویر ہوگی۔ یعنی اگلی دنیا میں ہماری خود شعوری (روح) اپنی ذہنی کیفیتوں کو خارجی شکل دے گی اور

ایسا کرتے ہوئے ان اشیاء کو کام میں لائے گی جو اس دنیا میں اس کے تجربہ میں آچکی ہوں گی۔ خدا فرماتا ہے۔

"اہل جنت کہیں گے کہ یہ تو وہی نعمتیں ہیں جو ہمیں دنیا میں بھی دی گئی تھیں۔ حقیقت میں وہ نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ملتی جلتی ہوں گی"۔ (قرآن)

جس طرح ہم سوتے ہوئے خواب میں اپنی ذہنی کیفیت کی وجہ سے دیکھتے، سنتے، چھوتے، سونگھتے، سوچتے، حرکت کرتے، جانتے اور محسوس کرتے ہیں، جبکہ ہمارا جسم بے حس و حرکت پڑا ہوتا ہے اور ہمارے ظاہری قویٰ موقوف ہو چکے ہوتے ہیں۔ اسی طرح موت کے بعد ہمارے ظاہری قویٰ ہم سے الگ ہو جائیں گے لیکن ہم اپنی ذہنی کیفیت میں دیکھیں گے، سنیں گے، محسوس کریں گے، حرکت کریں گے، سوچیں گے اور جانے پہچانیں گے، اگلی دنیا میں ہماری ذہنی کیفیتیں خارجی وجود اختیار کر لیں گی اور وہ تمام چیزیں دنیا کی چیزوں سے کہیں زیادہ اصلی اور ٹھوس ہوں گی۔ اس لئے کہ دنیا کی چیزیں بھی ہمارے ذہن سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتیں۔ خواب کی مثال ایک ادھوری مثال ہے۔ (قرآن اور علم جدید)

مگر یہ حقیقت ہے کہ مرنے کے بعد ہر خود شعوری ایک الگ دنیا میں ہوگی جسے وہ اپنی ذہنی کیفیتوں سے خود تعمیر کرے گی۔ ہر خود شعوری ایک مختلف جنت یا دوزخ میں داخل ہوگی۔ یہ جنت اور دوزخ وہی ہوگی جو اس نے اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے لئے تیار کی ہوگی۔ ہر خود شعوری کے دوزخ کا درجہ حرارت مختلف ہوگا۔ ہر خود شعوری کے حور و غلمان کا حسن و جمال، محبت اور الفت کی کیفیت خود شعوری کے مقام محبت الٰہی پر موقوف ہوگی اور اس کی محبت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ بدلتی چلی جائے گی کیونکہ

مرنے کے بعد ہماری جنت یا دوزخ خود شعوری کی ذہنی کیفیتوں سے پیدا ہوگی۔ اس لئے جیسے جیسے ہماری ذہنی کیفیتیں اپنے تکلیف دہ عناصر کو کھوتی جائیں گی ان کے دوزخ کا درجۂ حرارت کم ہوتا چلا جائے گا اور ان کی جنت کی مسرتیں از خود بڑھتی چلی جائیں گی۔ بقول اقبال:

ترا جہاں ہے وہی جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہیں

خدا کو ماننے کا نتیجہ۔ (قرآن)

"(اے رسولؐ) آپؐ نرمی کرنے اور معاف کرنے کا طریقہ اختیار کیجئے۔ اچھے کاموں کی تلقین و ترغیب دیجئے اور جاہلوں (یعنی حق کے دشمنوں) کی طرف سے بے توجہی فرمایئے۔ (۱۹۹) اور اگر کبھی شیطان آپ کو بھڑکانے کی کوشش کرے تو اللہ سے پناہ مانگئے۔ حقیقتاً وہ بڑا سننے والا، اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۲۰۰) حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ برائیوں سے بچتے ہوئے، خدا کے جائد کئے ہوئے فرائض کو ادا کرتے رہتے ہیں، انہیں جب کبھی شیطان کی طرف کا کوئی خیال پیدا ہوتا ہے، تو وہ فوراً ہشیار ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کیلئے صحیح طریقہ کار کیا ہے۔ (۲۰۱) یہ (قرآن) تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے کھلی ہوئی نشانیاں، بصیرت کی روشنیاں، سراسر ہدایت اور رحمت ہے۔ ان لوگوں کیلئے جو اسے دل سے مانیں اور قبول کریں۔ (۲۰۳) اور جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے پوری توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (۲۰۴) اور صبح و شام اپنے پالنے والے مالک کو دل

ہی دل میں عاجزی کے ساتھ ڈرتے ڈرتے یاد کرتے رہو۔ ایسی آواز میں جو زیادہ اونچی نہ ہو (تاکہ) تم غفلت کرنے والے بے خبروں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (۲۰۵) حقیقت یہ ہے کہ جو فرشتے تمہارے پالنے والے مالک کے نزدیک ہیں (یا) اس کی بارگاہ میں قرب کا مقام رکھتے ہیں، وہ کبھی اس کی بندگی یا عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ وہ اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ میں جھکے رہتے ہیں۔ (۲۰۶) (سجدہ کیجئے"۔) (سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۹۹ سے ۲۰۶)

تشریح:۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ خدا کو دل سے مانتے ہیں وہ خدا کے حوالے سے ساری مخلوق کو دیکھتے ہیں۔ یعنی سب کو خدا کی مخلوق سمجھتے ہیں اس لئے وہ نرمی کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ (۲) لوگوں کی غلطیاں اس لئے بھی معاف کرتے ہیں تاکہ خدا ان کی غلطیاں معاف کردے اور تاکہ ان کو اس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (۳) اگر شیطان ان کو بھڑکاتا ہے کہ دوسروں کا حق مار کر اپنا فائدہ حاصل کرلو، تو وہ ایسا برا کام کرنے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ انہیں بالآخر خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ (۴) خدا کو ماننے والے لوگ خدا کے حکم کی وجہ سے ہر قسم کی برائی سے بچتے ہیں اور خدا کے حکم پر خدا اور خدا کی مخلوق کے حقوق ادا کرنا اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہیں۔ (۵) اگر کبھی کسی غلط خیال کے زیرِ اثر آ بھی جاتے ہیں تو جلدی سے ہوشیار ہو جاتے ہیں اور غلط قسم کے خیالات کو دل و دماغ سے جھٹک دیتے ہیں اور ان کے اس عمل کی وجہ سے خدا ان کو سیدھا راستہ اور صحیح طریقہ کار دکھا دیتا ہے۔ (۶) جو لوگ

خدا کونہیں مانتے۔ان کو شیاطین گمراہی کے اندھیروں میں کھینچے ہی لئے جاتے ہیں اور اس طرح وہ بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔(۷) خدا کا ماننے والا خدا کے حکم کی پیروی کرتا ہے۔جس کی وجہ سے اس کی زندگی میں ایک انضباط (Disipline) ارتباط مقصدیت اور معنویت پیدا ہوجاتی ہے۔زندگی بامعنی اور اعلیٰ مقاصد کیلئے وقف ہوجاتی ہے۔وہ قرآن اور حقیقت پرمبنی ہر بات کو غور سے سنتا اور سمجھتا ہے۔وہ صرف مادہ پرست ہوکر ذاتی منفعتوں کا غلام نہیں بن جاتا۔(۸) خدا کو دل سے ماننے والا صبح وشام خدا کو یاد کرتا رہتا ہے۔اس طرح اس میں ایک قسم کا خاص شعور اور طرزِ عمل پیدا ہوجاتا ہے۔جونہایت پاک اور اعلیٰ مقاصد کی ترجمانی کرتا ہے۔جس سے اس کے دل میں عاجزی اور خدا کا خوف پیدا ہوجاتا ہے جو اسے ہر قسم کے ظلم، زیادتی اور برائی سے روک دیتا ہے۔(۹) اس کے قول وعمل، رفتار وگفتار میں بلا کا اعتدال اور توازن پیدا ہوجاتا ہے۔(۱۰) وہ ایک ہوشیار انسان کی طرح حق کا طلبگار ہوتا ہے۔حق کی تلاش اور جستجو اس کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔وہ مادی لذتوں کے پیچھے دیوانہ ہوکر اس کیلئے اپنی زندگی کو وقف نہیں کردیا کرتا۔(۱۱) وہ اپنی دولت، قوت، علم، عمل حتیٰ کہ خدا کے قرب کے حاصل کرلینے کے بعد بھی متکبر نہیں ہوتا کیونکہ خدا کی عظمت ہمیشہ اس کے پیشِ نظر رہتی ہے۔بقول میر انیس:

عزت جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے مجھ سے کہا "خدا آپ کو حکم دیتا ہے کہ جو شخص آپؐ پر ظلم کرے، اسے معاف کر دیا کیجئے اور جو کوئی آپ کو محروم کرے آپؐ اسے عطا کیجئے۔ اور جو آپؐ سے قطع رحم یعنی قطع تعلق کرے آپؐ اس سے صلہ رحمی یعنی رحم و کرم کا سلوک کیا کیجئے"۔ (تفسیر صافی ۱۸۸ بحوالہ مجمع البیان)

شیطان کے بھڑکانے سے مراد سخت غصہ، اشتعال، بھڑک جانا جو جاہلوں، حق کے منکروں، ضدی قسم کے لوگوں کا طریقہ کار ہوا کرتا ہے۔ جب خدا کے ماننے والوں کے اندر اس قسم کے جذبات پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ شیطان ان کو بھڑکا رہا ہے۔ تو وہ فوراً خدا سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔ یعنی دعا استغفار، تلاوت قرآن اور غور و فکر کے ذریعہ خدا کی عظمت کو اپنے سامنے لے آتے ہیں۔

محققین نے لکھا کہ رسولؐ کا کافروں کے مطالبہ پر یہ کہنا کہ "میں تو صرف خدا کے پیغام کی پیروی کرنے والا ہوں۔ یہ بتاتا ہے کہ غیبی امور اور خدا کے معاملات پر اختیار حاصل ہونا عبدیت نہیں، بلکہ کمال عبدیت پیروی وحی یعنی اطاعتِ الٰہی پر منحصر ہے۔

خدا کو دل ہی دل میں یاد کرتے رہنے کے حکم سے معلوم ہوا کہ خدا کی یاد کرنے کی اعلیٰ قسم یہ ذکر بھی ہے کہ جس میں زبان کو مطلق حرکت نہیں ہوتی، مگر دل ہی دل میں خدا کی قدرت، رحمت، نعمت، عظمت، عطا اور احسانات کا احساس کروٹ لیتا رہتا ہے۔ اس کو ذکر خفی کہتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ "جو شخص اپنی تنہائیوں میں اپنے دل کی گہرائیوں میں مجھے یاد کرتا ہے، تو میں بھی اسے اپنی تنہائیوں میں یاد کرتا ہوں"۔ عرفاء نے لکھا کہ بندے کیلئے یہ مقام ناقابل حد تک بلند ہے۔

آیت کا پیغام:۔

یہ ہے کہ جب فرشتے جو گناہوں اور غفلتوں سے پاک ہیں، پھر بھی خدا کی تسبیح اور عبادت میں ہر وقت لگے رہتے ہیں تو انسان کو تو اپنے گناہوں اور غفلتوں کے سبب زیادہ سرگرمی کے ساتھ عبادت اور تسبیح میں مصروف رہنا چاہیئے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا "تسبیح اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور یہ جنتیوں کی دعا ہے"۔ (تفسیر عیاشی)

مفسرین نے لکھا ہے کہ جنتیوں کی جنت میں یہ دعا ہوگی کہ "اے اللہ! ہم کو اس بات کی توفیق عطا فرما کہ ہم تیری ایسی پاکی بیان کرسکیں جو تیرا حق ہے"۔

(تفسیر صافی ص ۳۲۰)

شیطانی خیالات کا پیدا ہونا:۔

جدید نفسیات کی تحقیقات نے ہم کو بتایا ہے کہ انسان کا لاشعور حسن و کمال کا طالب ہے اور اس کی یہ خواہش نہایت تیز اور طاقتور ہے۔ لیکن کیونکہ لاشعور کا بیرونی دنیا سے براہ راست کوئی تعلق نہیں اس لاشعور نہیں جانتا کہ بیرونی دنیا میں اس کی اس طلب حسن و کمال کی خواہش کس طرح پوری ہوسکتی ہے۔ لاشعور، شعور کو جو اسی کا ایک حصہ ہے، اور دنیا کو دیکھنے اور کام میں لانے کیلئے سطح شعور سے اوپر نمودار ہوگیا ہے، لاشعور کے خادم کی حیثیت سے کام کرتا ہے کیونکہ لاشعور نے شعور یا ایگو کو یہ کام دے رکھا ہے کہ وہ حسن و کمال کو تلاش کرے تاکہ لاشعور کا جذبہ حسن مطمئن ہوسکے۔ ایگو یا شعور اندازہ لگاتا ہے کہ لاشعور کس حسن کا طالب ہے۔ شعور کے یہی

اندازے، تصورات، نظریات یا آدرش کہلاتے ہیں۔ اپنے فرض کی انجام دہی کیلئے انسانی شعور نے جو کوششیں کی ہیں، انسان کی پوری تاریخ انہیں کی داستان ہے۔ ہمارا شعور ہمارے لاشعور کے مقصود کی تلاش میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس خدمت کیلئے اسے ایک بہت بڑے انعام ملنے کی توقع ہوتی ہے۔ وہ انعام لاشعور کی دوستی اور محبت ہے۔ اس طرح شعور لاشعور کی بے پناہ قوت اور طاقت میں حصہ دار بن جاتا ہے اور اس کی اپنی طاقت اور قوت بڑھ جاتی ہے اور اس کو بے اندازہ خوشی اور طاقت حاصل ہوتی ہے۔

ایگو کی غلطیاں:۔

ایگو یا ہمارا شعور صرف اتنا جانتا ہے کہ لاشعور جس چیز کو چاہتا ہے وہ نہایت عمدہ اور اعلیٰ ہے۔ اس سے بہتر کوئی چیز موجود نہیں۔ اس محدود واقفیت سے آغاز کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا شعور (ایگو) بار بار غلطیاں کرتا ہے۔ اس کی پہلی غلطی وہی ہے جسے فرائیڈ نے آبائی الجھاؤ کہا ہے۔ ایگو (یعنی ہماری عقل) والدین کو حسن و کمال کی انتہا سمجھ لیتا ہے۔ چند سال یہ غلطی خوب کامیاب رہتی ہے لیکن جب بیرونی دنیا سے متعلق ایگو کا علم وسیع تر ہو جاتا ہے تو وہ لاشعور کی خواہش کی بہتر ترجمانی کے قابل ہو جاتا ہے۔ اب اسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ والدین کے تصور سے بہتر تصورات بھی دنیا میں موجود ہیں۔ اب والدین کا تصور اس کے لاشعور کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ اب شعور، لاشعور کے سامنے اور تصورات پیش کرتا ہے۔ اکثر اوقات یہ تصورات ایسے ہوتے ہیں جن میں حسن و کمال حقیقتاً موجود ہی نہیں ہوتا۔ ہمارا شعور

غلطی سے حسن وکمال کو ان کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ آخر کار یہ تصورات لاشعور کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ شرک کی بنیاد یہی غلطی ہوتی ہے۔ انسان کی تمام مصیبتیں اور دنیا کی تمام برائیاں ایگو یا شعور کی انہیں غلطیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

جب شعور اور لاشعور کے درمیان کھچاؤ پیدا ہوتا ہے تو اعصابی خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ اس اعصابی خلل کو دور کرنے کا بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ انسان فوراً اللہ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرے۔ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرے۔ نہایت اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت اور اطاعت کی طرف رجوع کرے اور تمام ایسے افعال سے جو طلب حسن وکمال کے منافی ہوں (یعنی خدا کی مرضی کے خلاف ہوں) سختی سے بچتا رہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لاشعور کے اصل مقصود اور مطلوب کی طرف لوٹ رہا ہے۔ اس طرح شعور، فوق الشعور سے یعنی لاشعور کی غلط ترجمانی سے الگ ہو جائے گا۔ لاشعور کو بے پناہ اطمینان اور تسلی حاصل ہو جائے گی اور وہ شعور سے صلح کر لے گا۔

سچی توبہ اور مخلصانہ عبادت خدا کی شدید محبت کے بغیر ممکن نہیں:۔

یہ محبت خدا کی معرفت اور ایمان سے آغاز کر کے عبادت کے سبب ترقی پاتی ہے۔ اسی لئے عبادت (ذکر) کی عادت بنانا اعصابی امراض سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے۔ جوں ہی شعور خدا کی عبادت کرنے لگتا ہے تو وہ صحیح سمت پر حسن وکمال کی تلاش میں چل نکلتا ہے۔ اس طرح شعور لاشعور کی صحیح خدمت انجام دیتا ہے۔ لاشعور کی شکایات جو ذہنی مجادلے اور اعصابی الجھاؤ کی شکل اختیار کرتی ہیں، دور ہو جاتی

ہیں۔ شعور اور لاشعور دوست بن جاتے ہیں اور پھر مل کر اپنے نصب العین یعنی کمالِ حسن کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ شعور کا لاشعور سے صلح کی کوشش کرنا انسان کا توبہ کرنا ہے اور لاشعور کا شعور سے صلح کر لینا خدا کی رحمت کا لوٹ آنا اور خدا کا توبہ قبول کرنا ہے۔ ایسی صورت میں جب انسان خدا کا ذکر کرتا ہے تو اس کے لاشعور کا جذبہ حسن زیادہ سے زیادہ اظہار پانے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ لاشعور، شعور میں پوری طرح جلوہ گر ہو جاتا ہے اور شعور کا اطمینان اور قوت دونوں ترقی کی انتہا پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہی خود شعوری کی ترقی کی وہ منزل ہے۔ جہاں ایک حدیث قدسی کے مطابق خدا انسان کا ہاتھ، پاؤں، جان، آنکھ، دل میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ خود شعوری کی یہ معراج ہوتی ہے۔ یہ کمال مرتے دم تک اگر باقی رہ جائے تو موت کے بعد بھی خود شعوری کی راحت اور آسودگی اور ترقی ہی کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ ترقی بغیر کوشش کے ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ ایک ایسی انتہا پر پہنچ جاتی ہے کہ ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ خدا فرماتا ہے "کوئی شخص نہیں جانتا کہ (اگر وہ خدا کو راضی کر لے تو) اگلی دنیا میں کس قسم کی آنکھوں کی ٹھنڈک اس کیلئے تیار رکھی گئی ہے"۔

قرآن کے مطابق ایسے انسان کو مرتے وقت خدا کی طرف سے یہ بشارت سنائی جاتی ہے: "اے مطمئن جان! اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ میرے (خاص) بندوں میں مل جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا"۔ (سورۃ فجر)

قرآن یہاں جس چیز کو جان کہہ رہا ہے وہ ہمارا لاشعور ہی ہے۔ ذیل کی آیات میں بھی نفس سے مراد لاشعور ہے۔

فی انفسکم افلا تبصرون

یعنی: (اور (خدا کی محبت) تمہارے لاشعور میں رکھ دی گئی ہے) کیا تم اپنے نفس کے اندر نہیں جھانکتے؟

غرض خدا کا ذکر اور عبادت، جذبہ لاشعور کے اظہار کا صحیح اور کامیاب ترین طریقہ کار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے ذکر اور عبادت سے انسان کو کامل اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا: **الا بذکر الله تطمئن القلوب**

''خبردار! خدا کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے''۔

فرائیڈ جیسا دہریہ یہ لکھتا ہے:

''بالکل ممکن ہے کہ صوفیوں کے (ذکر و فکر کے) بعض طریقے نفس انسانی کے مختلف طبقات کے تعلقات کو بدل ڈالیں۔ اس طرح ہماری قوت ادراک لاشعور کی ایسی گہرائیوں پر حاوی ہو جائے جو بصورت دیگر اس کی دسترس سے باہر ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ طریقے ہمیں ایسے ابدی حقائق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جن سے ساری برکتوں کا ظہور ہوگا؟ یہ بات مشکوک ہے۔ تاہم ہمیں تسلیم کر لینا چاہیئے کہ ہم نے بھی تحلیل نفس کے علاج کے سلسلے میں یہی طریقہ کار اختیار کر رکھا ہے''۔

(قرآن اور علم جدید)

عبادات، ذکر الٰہی اور لاشعور کے باہمی تعلق کو دیکھ کر فرائیڈ کو حیرت ہوئی ہے اور یہ شبہ بھی ہوا ہے کہ ''شاید یہاں ابدی حقائق پوشیدہ ہیں جن سے ساری برکتوں کا ظہور ہوگا''۔ لیکن بعد میں فرائیڈ اس خیال کو صرف اس لئے رد کر دیتا ہے کہ یہ خیال اس کی لادینی ذہنیت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بہر حال فرائیڈ کا یہ شبہ ہمارے اس تصور

کو تقویت ضرور پہنچاتا ہے کہ جذبہ لاشعور کی حقیقت خدا کی محبت ہے کیونکہ خدا کی محبت میں حسن و کمال کی محبت ہے۔ یہی نتیجہ انسان کی تمام غلطیوں اور مشکلات کا حل اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

خدا کی محبت کا عمل:۔

خدا کے خاص بندوں سے محبت کے ذریعہ پوری طرح انجام پاتا ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں جناب رسول خداؐ سے اور ان کے اہلبیت پاک سے محبت کا حکم دیا گیا ہے۔ اہل بیت رسولؐ کی محبت کو تو اجر رسالت قرار دیا گیا ہے۔ خدا نے ارشاد فرمایا ہے۔

"(اے رسولؐ) فرما دیجئے کہ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا سوا اس کے کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔ اور جو شخص یہ نیکی کما کر لائے گا ہم خود اس کی نیکیوں میں اضافہ کریں گے۔ (اس کیلئے) خدا بہت معاف کرنے والا اور قدر کرنے والا ہے"۔ (سورۃ شوریٰ) (القرآن)

گویا خدا والوں کی محبت ہماری کوتاہیوں کی معافی کا سبب بھی ہے اور درجات کے بلند ہونے کا سبب بھی ہے اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اس محبت کا خدا قدر دان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی تکمیل کا اصل راز خدا اور خدا والوں سے محبت ہے، خدا والوں سے محبت اس لئے کی جاتی ہے کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ بقول مرزا غالب:

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگی بو تراب میں

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مرتبہ کیلئے بس یہی بہت کافی ہے کہ من لم یصل علیکم لا صلواۃ لہ جو تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ درود محمدؐ و آلِ محمدؐ سے محبت کا اظہار ہے اور ساتھ ساتھ ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ کے حوالے سے تمام انبیاءؑ سے تعلق کا اظہار ہے۔

باب نبوت وامامت

(تعارف)

خداوند عالم نے انسان کو امتحان لینے کیلئے پیدا کیا ہے جیسا کہ خداوند عالم نے خود فرمایا "وہی (خدا) ہے جس نے موت اور زندگی کو صرف اسلئے پیدا کیا تا کہ وہ تمہارا امتحان لے کر تم میں کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے"۔

(القرآن سورۃ ملک ا)

اسلئے عقلاً یہ ضروری ہو گیا کہ امتحان لینے سے پہلے لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ سب سے اچھے عمل کون کون سے ہیں؟ ظاہر ہے کہ سب سے اچھی ذات خداوند عالم کی ہے اسلئے خداوند عالم کی اطاعت سے بڑھ کر کوئی عمل اچھا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے خداوند عالم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "میں نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر صرف اسلئے کہ وہ میری غلامی (عاجزانہ اطاعت) کریں"۔ (القرآن)

اب خدا کی اطاعت کرنے کیلئے ضروری تھا کہ سب سے پہلے خدا کی معرفت یا پہچان کرائی جائے۔ یہ بتایا جائے کہ وہ کون ہے؟ وہ ہمارا خالق، مالک، رازق ہے۔ اسی کے پاس ہم کو پلٹ کر جانا ہے۔ پھر اسکی قدرت، حکمت، رحمت، نعمت، مغفرت، بخششوں اور عطاؤں کو بتلایا جائے تا کہ خدا کی عظمت سے متاثر ہو کر لوگ اسکی اطاعت کریں اور نافرمانی سے ڈریں اور بچیں۔ پھر خدا کی عطاؤں اور احسانات کو سمجھ کر خدا سے محبت کریں اور محبت اور شکر کی بنیاد پر اسکی اطاعت کریں۔

بس اسی مقصد کو پورا کرنے کیلئے خداوند عالم نے انبیاءِ کرامؑ کو بھیجا۔ کتابوں کو بھیجا تاکہ لوگ انکے بیانات سن کر خدا کو جانیں پہچانیں، اسکی بڑائی کو مانیں، اسکے احسانات کو سمجھ کر اسکی اطاعت کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جائیں۔ اسکی ناراضگی اور سزاؤں سے ڈریں اور اسکے نتیجے میں ان تمام کاموں سے بچیں جو خداوند عالم کو پسند نہیں ہیں۔

اسلئے انبیاء کرامؑ نے خدا کے احکامات جوں کے توں پہنچائے اور عملاً ان کی اطاعت کر کے مثالی کردار پیش فرمایا۔ اس سلسلے میں انہوں نے سخت مخالفتوں کا مقابلہ فرمایا۔ گالیاں سنیں، پتھر کھائے، یہاں تک کہ ہر قسم کی تکلیف برداشت کی۔

گفتار صدق مایۂ آزار می شود

چوں حرف حق بلند شود داری شود (عرفی)

یعنی سچ بولنا بلاؤں کو دعوت دینا ہوتا ہے۔ جب حرف حق بلند ہوتا ہے تو پھانسی کا پھندہ بن جاتا ہے۔

غرض انبیاء کرامؑ نے دین خدا کی تعلیم دی۔ خدا کے احکامات، پیغامات اور اعلیٰ ترین اخلاقی صفات کی تعلیم بھی دی اور ان پر مکمل عمل کر کے بھی دکھایا۔ خدا کے حقوق بھی ادا فرمائے اور مخلوق کے حقوق بھی ادا فرمائے۔ ہر قسم کے ظلم اور زیادتی کو حرام قرار دیا۔ لوگوں کو واضح طور پر سمجھا دیا کہ یہ دنیا کی زندگی، زندگی کی ابتداء ہے اس کا انجام آخرت کی دوسری زندگی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

انبیاء کرامؑ نے جو کچھ بتایا وہ خداوند عالم کی وحی یعنی خفیہ پیغامات وصول کر کے بتایا۔ اسلئے کہ وہ پیغمبر تھے یعنی پیغام خدا کے پہنچانے والے۔ اس طرح ان

انبیاء کرامؑ کی وجہ سے خدا کی حجت تمام ہوئی۔ ہر شخص کو خدا کی معرفت اور احکامات مل گئے۔ اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں تو یہ خبر ہی نہ تھی کہ خدا بھی ہے اور اسکے احکامات بھی ہیں اور ہمیں خدا نے اپنی اطاعت کیلئے پیدا کیا ہے اور مرنے کے بعد ہمیں جزاء سزا دی جائے گی جو ہمارے تصورات واعمال کے مطابق ہوگی۔ انبیاء کرامؑ نے موت کی حقیقت بتا دی اور قانونِ مکافاتِ عمل سمجھا دیا۔ خدا کے مقرر کئے ہوئے فرائض سمجھا دیئے اور حرام کاموں سے روک دیا۔ اس مقصد کیلئے اپنا مثالی کردار بھی پیش فرما دیا۔

حضرت محمد مصطفیٰؐ آخری نبی ہیں۔ ان کے جانے کے بعد خداوند عالم نے ائمہ اہلبیت کو انکا جانشین مقرر فرمایا تاکہ وہ محمد مصطفیٰؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کی حفاظت فرمائیں، انکو جوں کا توں امت محمدیؐ تک پہنچائیں اور قیامت تک ان پر عمل کر کے یعنی رسول خداؐ کی مکمل پیروی کا مثالی عملی نمونہ بن کر دکھائیں۔ دین خدا کی تشریح فرمائیں، سوال کرنے والوں کو جواب دیں، دینِ اسلام کو نافذ فرمائیں۔ یہ اوصیاءِ رسولؐ ہیں جو تعداد میں بارہ (۱۲) ہیں۔ اول حضرت علیؑ ہیں اور آخری امام مہدیؑ ہیں۔ جو ہمارے وقت کے امام ہیں۔ خدا کی حجت ہیں۔ رسول خداؐ کے لائے ہوئے علم کا دروازہ ہیں۔ قرآن مجید کے وارث اور حقیقی مفسر ہیں۔ اسکا ثبوت یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا "میں تم میں دو بے حد قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (۱) خدا کی کتاب (۲) دوسرے میری عترت واہلبیت۔ جب تک تم ان دونوں سے مضبوطی کے ساتھ جڑے رہو گے، کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھ سے آملیں"۔ (حدیث رسولؐ از صحیح مسلم)

مگر بنی امیہ اور بنی عباس کے جابر ظالم خلفاء نے ان ائمہ کو بے پناہ ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ بیت المال یعنی مسلمانوں کے مال کو زبردستی جمع کر کے مسلمانوں کی گردنوں پر ۶۰۰ سال تک حکومت کرتے رہے۔ اسلئے ائمہ اہلبیت کو اسلامی تعلیمات کے نافذ کرنے کا تو موقع نہ مل سکا، لیکن انہوں نے انتہائی سخت مخالفتوں کے باوجود رسولِ خداؐ کی احادیث اور سنت کو جوں کا توں لوگوں تک پہنچایا۔ خدا کے احکامات جوں کے توں سمجھائے۔ قرآن مجید کی ہر آیت کا صحیح مطلب سمجھایا اور آخر میں یہ بھی بتلا دیا کہ جب خدا کی مرضی ہوگی ہمارا بارھواں جانشین امام مہدیؑ دنیا میں ظاہر ہوں گے اور دنیا میں خدا کے احکامات کو پوری طرح نافذ فرمادیں گے۔ رسول خداؐ نے فرمایا "اگر قیامت کے آنے میں ایک دن بھی باقی رہ گیا تو میرا فرزند جسکا نام میرے نام پر ہوگا اور جسکی کنیت میری کنیت پر ہوگی، ظاہر ہوگا اور دنیا کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی"۔ (الحدیث متفق علیہ)

باب نبوت

باب النبوۃ (قرآن)

"پہلے (سب لوگ) ایک ہی دین رکھتے تھے، (جب آپس میں جھگڑے ہونے لگے تو) خدا نے (نجات کی) خوشخبری دینے والے اور (خدا کی سزا سے) ڈرانے والے انبیاء بھیجے اوان کے ساتھ ساتھ بالکل ٹھیک اور سچی کتاب بھی اتاری، تا کہ جن باتوں میں لوگ جھگڑتے تھے ان کا وہ (کتاب) فیصلہ کر دے۔ (مگر افسوس یہ ہے کہ) اس فیصلہ سے اختلاف کیا بھی تو ان لوگوں نے کیا جن کو (خدا کی) کتاب دی گئی تھی وہ بھی اس کے بعد کہ ان کے پاس خدا کے صاف صاف احکامات بھی آچکے تھے، وہ بھی صرف آپس میں شرارت اور دشمنی کی وجہ سے۔ تب خدا نے اپنی مہربانی سے ان لوگوں کو جنہوں نے (ابدی حقیقتوں یا خدا اور رسول کو) دل سے مان لیا، سیدھا راستہ دکھایا، جس میں ان لوگوں نے اختلاف ڈال رکھا تھا۔ (بقرۃ ۲:۱۱۳)

"یہ سب رسول (یا) اللہ کے پیغام پہنچانے والے لوگ ہیں جن کو ہم نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کئے۔ ان میں سے کوئی تو ایسا تھا کہ جس سے خدا خود ہم کلام ہوا اور کسی اور کے (کسی اور طرح) درجے بلند کئے (مثلاً) عیسیٰ ابن مریم کو روشن اور واضح نشانیاں اور معجزے عطا کئے اور روح القدس کے ذریعے ان کی مدد کی۔ اب اگر اللہ (زبردستی کر کے یہ) چاہتا تو جو لوگ ان رسولوں کے بعد ہوئے وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرتے۔ مگر (خدا کے اختیار دینے کی وجہ سے) انہوں نے آپس میں اختلاف کیا پھر ان میں سے کسی نے تو (خدا اور رسولوں کو

دل سے مانا اور کسی نے کفر اور انکار کا راستہ اختیار کیا۔ (یعنی خدا نے انسانوں کو اختیار بھی دیا اور صحیح راستے کی ہدایت بھی کی) (بقرۃ ۲، ۲۵۳)

تفسیر:۔

سب رسولؐ اس حیثیت سے تو برابر ہوتے ہیں کہ سب کے سب خدا کے بھیجے ہوئے ہیں لیکن ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں مثلاً تمام انبیاء کرامؑ میں پانچ انبیاء الوالعزم ہیں جو سب سے افضل ہیں۔ ان میں جناب محمد مصطفیٰؐ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ شامل ہیں۔ یہ انبیاءؑ صاحبان کتاب اور صاحبان شریعت ہیں۔ باقی تمام انبیاءؑ انہیں کے پیروکار ہیں۔ پھر ان میں ہمارے رسولؐ آخری نبی ہیں اور ان میں سب سے افضل ہیں۔ (مجمع البیان، تفسیر کبیر، مدارک)

محققین نے نتیجے نکالے کہ:۔

(۱) اسی طرح اولیاء کاملین میں بھی مدارج کا فرق ہوتا ہے۔ (۲) انبیاءؑ اولیاءؑ اور خدا والوں کے فضائل بیان کرنا خدا کی سنت ہے۔ (۳) خدا اپنی جبری طاقت استعمال نہیں کرتا۔ اسی لئے انسان اپنے عمل میں خود مختار اور آزاد ہے، اگر خدا اپنی طاقت استعمال کرتا تو کسی ایک کافر کا وجود نہ ہوتا۔ کافر کا وجود انسان کے خود مختار ہونے کی دلیل ہے۔ (مجمع البیان) مراتب کی شناخت کیلئے صرف اشارہ کر دینا تفصیلات بیان کرنے سے زیادہ موثر اور بلیغ ہوتا ہے۔ (زمخشری)

انبیاء کرامؑ کی صلاحیتیں:۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ''انبیاء کرامؑ کے اندر پانچ روحیں ہوتی ہیں۔(۱) روح القدس۔ (۲) روح الایمان۔ (۳) روح الشہوۃ۔ (۴) روح القوۃ۔ (۵) روح البدن۔ (۱) روح القدس کے ذریعہ ان کو رسالت ملی اور غیبی چیزوں کا علم حاصل ہوا۔ (۲) روح الایمان کے ذریعے انبیاءؑ خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ (۳) روح القوۃ کے ذریعے وہ دشمنوں سے جہاد کرتے ہیں اور اپنی معاش کماتے ہیں۔ (۴) روح الشہوۃ کے ذریعے وہ اچھے کھانے کھاتے ہیں اور عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔ (۵) روح البدن کے ذریعے ان کا جسم نشوونما پاتا ہے''۔ (تفسیر برہان)

ہر نبیؑ توحید کا درس دیتا ہے۔(قرآن)

''کسی آدمی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ خدا تو اسے کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے غلام بن جاؤ۔(وہ بھی کہے گا کہ) خدا والے بنو۔ کیونکہ تم (دوسروں کو) خدا کی کتاب پڑھاتے رہتے ہو اور تم خود بھی اسے پڑھتے (سمجھتے) رہتے ہو۔ وہ تم سے کبھی یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں یا نبیوں کو خدا بنالو۔ (بھلا کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ وہ) تمہارے مسلمان ہوجانے کے بعد، خدا کا اطاعت گزار ہوجانے کے بعد، وہ (نبیؑ) تمہیں کفر اور انکار حق کا حکم دے؟ (ایسا کبھی ہرگز نہیں ہوسکتا) (آل عمران ۳، ۷۹۔۸۰)

تفسیر:۔

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ "مجھے بھی میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ"۔ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ "دو شخص میرے بارے میں گمراہ اور داخل جہنم ہوئے۔ ایک جو میری دوستی میں حد سے بڑھ کر مجھے میرے مرتبے سے بڑھا دیتا ہے، دوسرا جو مجھے میرے مرتبے سے گھٹا دیتا ہے"۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ انبیاءؑ کے آنے کا اصل مقصد بندوں سے خدا کی اطاعت کرانی ہوتی ہے، خود کو خدا منوانا ان کا مقصد نہیں ہوتا۔ یہی مقصد اولیاء خدا اور آئمہ اہلبیتؑ کا تھا۔ شاعر نے امام حسینؑ کی شان میں کہا:

سجدوں سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف
تنہا جو ایک اشارہ ہے معبود کی طرف

ہر نبیؑ اپنی امت پر گواہ ہوتا ہے۔ (قرآن)

"بھلا کیا وقت ہوگا کہ ہم ہر گروہ کے گواہ (انبیاءؑ) کو طلب کریں گے اور (اے محمدؐ) تم کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے بلائیں گے۔ اس دن جن لوگوں نے خدا کا انکار کیا ہوگا اور رسول کی نافرمانی کی ہوگی، یہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ زمین کا ٹکڑا ہو جاتے اور ان کے اوپر سے زمین برابر کر دی جاتی ہے اور وہ لوگ خدا سے کوئی بات چھپا بھی نہ سکیں گے"۔ (نساء۴:۴۲) (قرآن)

رسولؐ امت کا شفیع اور واسطہ اور حاکم ہوتا ہے:۔

''اور ہم نے کوئی رسولؐ نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں اور جب ان لوگوں نے (گناہ کرکے) اپنی جانوں کے اوپر ظلم کیا، اگر وہ تمہارےؐ پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسولؐ بھی ان کیلئے معافی مانگتے تو وہ یقیناً خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا، بے حد مسلسل رحم کرنے والا پاتے۔ تمہارے پالنے والے مالک کی قسم وہ لوگ خدا کو دل سے ماننے والے حقیقی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم (یا) فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں۔ پھر (یہی نہیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کردو اس سے ناراض یا تنگ دل بھی نہ ہوں، بلکہ خوشی خوشی سر تسلیم جھکادیں۔ اگر ہم ان پر یہ حکم جاری کردیتے کہ تم لوگ (اپنے گناہوں کی معافی کیلئے) ایک دوسرے کو قتل کردو یا اپنے گھروں سے نکل پڑو، تو ان میں چند آدمیوں کے سوا یہ لوگ ایسا نہ کرتے۔ (حالانکہ) اگر یہ لوگ اس بات پر عمل کرتے تو انکے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ (اس طرح) وہ دین پر بھی ثابت قدمی سے جمے رہتے۔ (اس صورت میں) ہم بھی ان کو اپنی طرف سے زبردست اجر عطا کرتے اور ان کو سیدھے راستے کی ہدایت بھی کرتے۔ (غرض) جس شخص نے خدا کی اور رسولؐ اطاعت کی تو ایسے سب لوگ، اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن کو خدا نے نعمتوں سے نوازا ہے، (یعنی) نبیینؑ، صدیقینؑ، شہداء اور صالحینؑ کے (ساتھ ہوں گے) اور یہ لوگ بے حد اچھے ساتھی ہیں۔ یہ (اطاعت خدا کی توفیق) خدا کا فضل وکرم ہے اور اللہ ہر بات کو جاننے کیلئے بہت کافی ہے''۔ (نساء۴/ ۶۴ـ۷۰) (القرآن)

انبیاءِ کرامؑ کو بھیجنے کا اصل مقصد۔ (قرآن)

"اور ہم رسولوںؑ کو صرف اسی مقصد کیلئے بھیجتے ہیں کہ (وہ اچھے کام کرنے والوں کو جنت کی) خوشخبری دیں اور (برے کام کرنے والوں کو خدا کی ناراضگی اور سزا سے) ڈرائیں۔ پس جس نے (خدا اور رسولوںؑ کو) دل سے مانا اور اپنی اصلاح بھی کر لی، اس کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم ہوگا۔ مگر جن لوگوں نے ہماری باتوں اور آیتوں کو جھٹلایا، ان کو ہماری سزا لپٹ جائے گی، ان کی اپنی بدکاریوں کی وجہ سے"۔

(انعام ۶، ۴۸ سے ۴۹)

منکروں سے خدا کے نمٹنے کا طریقہ۔ (قرآن)

"اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہاں کے لوگوں کو (نبی کے نہ ماننے پر) سختی اور مصیبت میں مبتلا کیا تاکہ وہ لوگ ہمارے سامنے گڑگڑائیں۔ پھر ہم نے مصیبتوں اور تکلیفوں کو خیر و خوبی اور آرام سے بدل دیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ (تکبر میں) حد سے بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ اس طرح کی تکلیف اور آرام تو ہمارے باپ داداؤں کو بھی پہنچ چکا ہے۔ پس ہم نے اچانک ان کو اپنی سزا میں پکڑ لیا جبکہ وہ بالکل بے ہی خبر تھے"۔ (اعراف ۷، ۹۴۔۹۵)

"اور ہر امت کیلئے ایک رسولؑ ہوا ہے۔ پھر جب ان کا رسولؑ (ہماری بارگاہ میں روز قیامت) آئے گا، تو ان کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (اس پر) وہ لوگ کہتے ہیں کہ "اگر تم سچے ہو تو آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟" آپ کہدیں کہ میں خود اپنے نفع نقصان کا

مالک نہیں ہوں۔ سوا اس کے کہ جو خدا چاہے (وہی ہوتا ہے)۔ (اصل بات یہ ہے کہ) ہر قوم کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو پھر وہ نہ ایک سیکنڈ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں"۔ (یونس ۱۰، ۴۷ سے ۴۹) (القرآن)

انبیاءؑ کا کام اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ (قرآن)

ان لوگوں نے کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز (مراد دین) تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ جن بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، ہم انہیں چھوڑ بیٹھیں؟ یا ہم اپنے مالوں میں سے جو کچھ چاہیں دے بیٹھیں؟ (کیا) بس تم ہی ایک نیک، شریف اور سمجھدار رہ گئے ہو؟ شعیبؑ نے کہا اے قوم! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر میں اپنے پالنے والے مالک کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اسی نے مجھے اچھی اور حلال روزی عطا فرمائی ہے (تو میں بھی تمہاری طرح حرام کھانے لگوں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تمہیں روکتا ہوں، اسے خود کرنے لگوں۔ میں تو سوائے اصلاح کرنے کے، وہ بھی جہاں تک مجھ سے بن پڑے، اور کچھ نہیں چاہتا اور میری توفیق، تائید اور مدد خدا کے سوا کسی سے ہو ہی نہیں سکتی۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے۔ میں (ہر معاملے میں) اسی کی طرف توجہ کرتا ہوں (یا) رجوع کرتا ہوں۔ اے میری قوم میری دشمنی اور مجھ سے ضد کرنا کہیں تم سے ایسا جرم نہ کرا دے کہ (جس کے نتیجے میں) جیسی مصیبت قوم نوحؑ، قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر نازل ہوئی تھی، ویسی ہی مصیبت تم پر بھی آپڑے۔ اور لوط کی قوم کا زمانہ تو تم سے (کچھ ایسا) دور بھی نہیں۔ اس لئے اپنے پالنے والے مالک سے معافی مانگو۔ پھر اس کی اطاعت کی طرف پلٹو۔ حقیقت یہ

ہے کہ میرا مالک بڑا مہربان اور محبت کرنے والا ہے"۔ (ہود ۱۱، ۸۸ سے ۹۰) (القرآن)

یوسفؑ نے دعا کی۔ (قرآن)

"اے (میرے) پالنے والے مالک! تو نے مجھے ملک بھی عطا فرمایا اور مجھے خواب کی تعبیر اور حقائق کی گہری سمجھ بھی عطا کی، تو اے آسمانوں اور زمین کے پہلے پہل ایجاد کرنے والے! تو ہی دنیا میں بھی میرا مالک اور سرپرست ہے اور آخرت میں بھی۔ مجھے اپنا تابعدار مسلمان اٹھانا اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرمانا۔ یہ (سب باتیں) غیب کی چھپی ہوئی خبروں میں سے ہیں، جو ہم آپ کو وحی (خفیہ اشارے) کے ذریعہ بتا رہے ہیں۔ اور جس وقت یوسفؑ کے بھائی اپنے کام میں مشورہ کر کے اجماع کر رہے تھے اور خفیہ تدبیریں اور مکاریاں کر رہے تھے، تو (اس وقت) آپ ان کے پاس (خود) موجود نہ تھے"۔ (یوسف ۱۲، ۱۰۱ سے ۱۰۲)

پیغمبر اکرمؐ کے بھیجنے کا مقصد اور ان کے دشمنوں کا برا انجام:۔

(اے رسولؐ جس طرح ہم نے اور پیغمبر بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے تم کو بھی اس امت میں بھیجا ہے۔ ان سے پہلے بھی بہت سی امتیں اور قومیں گزر چکی ہیں۔ (ان پیغمبروںؑ اور تم کو) اس لئے بھیجا تا کہ تم ان کے سامنے وہ کچھ پڑھ کر سنا دو جو ہم نے تم پر خفیہ اشارے کے ذریعے وحی کیا ہے۔ رہے یہ لوگ تو (فقط تمہارے ہی نہیں بلکہ سرے سے) خدائے رحمان ہی کے منکر ہیں۔ آپؐ کہہ دیں کہ میرا پالنے والا مالک تو وہ ہے کہ اس اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (رعد ۱۳، ۳۰) (القرآن)

''تب ان کے پیغمبروںؑ نے ان سے کہا'' ارے تم کو خدا کے بارے میں شک ہے! جو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کی ابتداء کرنے والا ہے۔ (اس پر بھی) وہ تم کو اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کردے اور ایک مقرر مدت تک تمہیں (دنیا میں چین سے) رہنے دے۔ وہ لوگ بولے کہ تم بھی بس ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔ تم تو بس یہ چاہتے ہو کہ جن خداؤں کی ہمارے باپ دادا بندگی کرتے تھے، تم ہم کو اس سے روک دو۔ پس (اگر ایسا ہی کرنا چاہتے ہو تو) ہمارے سامنے صاف واضح اور کھلا ہوا معجزہ لاؤ۔ ان کے پیغمبروںؑ نے انہیں جواب دیا کہ ہم بھی تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں۔ مگر اللہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اپنا فضل و کرم فرماتا ہے (اس لئے اس نے ہمیں صاحب وحی بنایا ہے مگر) ہمارے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ ہم خدا کی اجازت اور حکم کے بغیر کوئی معجزہ تمہارے سامنے لاسکیں اور اللہ کو دل سے ماننے والے مومنین کو تو بس خدا پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اور آخر ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اسی پر بھروسہ نہ کریں جس نے ہمیں نجات کے راستے دکھائے ہیں۔ (اس لئے) بھروسہ کرنے والوں کو خدا ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اس پر انکار حق کرنے والے کافروں نے اپنے رسولوںؑ سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال باہر کریں گے۔ یا پھر تم ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آؤ''۔ اس پر ان کے پالنے والے مالک نے ان (انبیاءؑ) پر وحی کی کہ (گھبراؤ نہیں) ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک و برباد کر کے چھوڑیں گے۔ پھر اس کے بعد ہم تمہیں ان جگہ ضرور آباد کریں گے۔ یہ وعدہ صرف اس شخص سے ہے جو ہماری بارگاہ میں کھڑے ہونے (حساب دینے) سے اور میری سزا سے ڈرتا ہو۔ (پھر) ان پیغمبروںؑ نے فتح حاصل کرنے کی دعا کی (اور اس کے نتیجہ میں) ہر ایک

سرکش، حق دشمن (یا) انبیاء کا دشمن ہلاک و برباد ہوا۔ پھر اس کے پیچھے جہنم ہے جس میں ان کو (بدبودار) پیپ اور خون بھرا پانی پینے کو دیا جائے گا''۔ (ابراہیم ۱۴، ۱۰ا سے ۱۶)

''(اے رسولؐ) تم سے پہلے بھی ہم نے آدمیوں ہی کو (اپنا رسولؐ بنا کر) بھیجا تھا۔ (جنوں یا فرشتوں کو نہیں بھیجا تھا) اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل ذکر (یعنی حقیقی علماء) سے پوچھ لو۔ (ہم نے ان رسولوںؐ کو) روشن اور واضح دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا اور تم پر قرآن کو اتارا تا کہ جو کچھ لوگوں کیلئے اتارا گیا ہے تم اس کو کھول کر واضح طور پر بیان کر دو۔ تا کہ وہ لوگ غور و فکر کریں''۔ (نحل ۱۶، ۴۳۔۴۴) (القرآن)

''(اے رسولؐ) قسم اللہ کی تم سے پہلے کی امتوں کے پاس بھی ہم نے بہت سے پیغمبر بھیجے مگر شیطان نے ان کے برے کاموں کو انہیں بہت خوبصورت بنا کر دکھایا (یعنی وہ اپنے برے کاموں کو بہت اچھے کام سمجھتے تھے) آج بھی وہی (شیطان) ان لوگوں کا آقا اور سرپرست بنا ہوا ہے۔ (اسی لئے) ان کیلئے تکلیف دینے والی سزا ہے۔ حالانکہ ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) اسی لئے اتاری ہے تا کہ جن باتوں میں یہ لوگ ایک دوسرے سے جھگڑا کرتے ہیں، ان کو تم صاف صاف بیان کر دو۔ نیز یہ کہ یہ کتاب ان لوگوں کیلئے جو (خدا اور رسول کو) دل سے مانتے ہیں سرتا پا ہدایت اور نصیحت اور رحمت ہے''۔ (نحل ۱۶، ۶۳۔۶۴) (القرآن)

''جو شخص سیدھے راستے پر چلا تو اس نے اپنے ہی فائدے کیلئے سیدھا راستہ اختیار کیا اور جو غلط راستے پر چلا تو اس نے خود اپنے کو بگاڑا اور گمراہ کیا۔ (کیونکہ) کوئی شخص بھی کسی دوسرے کے (گناہوں کا) بوجھ نہیں اٹھائے گا اور (اسی لئے) ہم جب تک رسولؐ کو نہیں بھیجتے، کسی کو سزا نہیں دیتے''۔ (معلوم ہوا انبیاء کرامؑ کو ہماری

ہدایت کے لئے بھیجنا خدا کے عدل و رحمت کا تقاضا ہے)   (بنی اسرائیل ۱۷، ۱۰۶)

حضرت نوحؑ کا پیغام اور ان کی امت کا سلوک:۔

"اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تو نوحؑ نے ان سے کہا اے میری قوم (صرف) خدا کی بندگی، غلامی یا عاجزانہ اطاعت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ آخر تم اس کی ناراضگی سے کیوں نہیں بچتے؟ اس پر اس کی قوم کے سرداروں نے جو حق کے انکاری (کافر) تھے، کہا یہ بھی تو بس تمہارے ہی جیسا آدمی ہے۔ یہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ (کسی نہ کسی طرح) یہ تم پر برتری یا حکومت حاصل کرلے۔ اگر خدا (پیغمبروںؑ ہی کو بھیجنا چاہتا تو) فرشتوں کو نہ اتار دیتا؟ (بھئی) ہم نے تو ایسی کوئی بات اپنے باپ داداؤں سے نہیں سنی۔ اس کو تو دورہ پڑ گیا ہے۔ تم لوگ ایک خاص وقت کیلئے انتظار کرلو (تاکہ اس کے پاگل پن کا دورہ ختم ہوجائے) نوحؑ نے دعا کی، مالک! میری مدد فرما۔ اس لئے کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا۔ ہم نے نوحؑ کو وحی کی کہ ہمارے سامنے ہماری وحی یا خفیہ اشاروں کے مطابق کشتی بنانا شروع کرو۔ پھر جب ہمارا حکم عذاب آجائے اور تنور سے پانی ابلنے لگے تو تم ہر جانور کا جوڑا اور گھر والوں کو (کشتی میں) بٹھالو، سوا ان کے جن کی نسبت (ڈوبنے کا) پہلے ہی سے ہمارا حکم آچکا ہے (انہیں کشتی میں نہ بٹھانا) اور جن لوگوں نے ظلم (کفر و شرک) کیا۔ ان کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا۔ (یعنی ان کی بالکل سفارش نہ کرنا) پھر جب تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی پر بیٹھ جاؤ تو کہنا، تمام تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات دی اور یہ دعا کرنا کہ اے (ہمارے) پالنے والے مالک! مجھے

برکتوں والی جگہ اتارنا اور تو سب اتارنے والوں سے بہتر ہے۔ غرض اس میں شک نہیں کہ اس (واقعے) میں ہماری (قدرت، حکمت اور رحمت کی) بہت سی نشانیاں اور دلیلیں ہیں۔ اور ہم کو ان لوگوں کا امتحان تو ضرور لینا تھا۔ (معلوم ہوا ہر قوم کا امتحان ضرور ہوتا ہے)

پھر نوحؑ کے بعد ہم نے نئے زمانے کے لوگوں کو بالکل نئے سرے سے پیدا کر دیا۔ پھر ان میں خود انہیں کی قوم کا ایک پیغام لے جانے والا بھیجا۔ (یہ پیغام لے کر کہ) تم صرف اللہ ہی کی بندگی، غلامی یا عاجزانہ اطاعت کرو۔ (کیونکہ) اس کے سوا تمہارا کوئی خدا ہے ہی نہیں۔ کیا تم (اس کی اطاعت نہ کر کے) بدترین انجام سے ڈرتے نہیں؟ (معلوم ہوا خدا کی نافرمانی کا انجام بہت برا ہوتا ہے)

مگر اس قوم کے سرداروں نے جو خدا رسول کو دل سے ماننے کے انکاری (کافر) تھے اور انہوں نے آخرت میں خدا سے اپنی ملاقات کو بھی بھلا رکھا تھا، حالانکہ ہم نے ان کو دنیا کی زندگی کی بے حد و بیشمار نعمتیں اور عیش و عشرت کا سامان بھی دے رکھا تھا، (مگر اس کے باوجود) وہ کہنے لگے "یہ شخص کچھ بھی تو نہیں ہے، مگر بس تم ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ جو تم کھاتے ہو، وہی یہ کھاتا ہے اور اسی پانی میں سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اب بھی اگر تم اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت قبول کرو گے، تو تم بڑا نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ شخص تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر سڑ کر ہڈی اور مٹی بن جاؤ گے، پھر (اپنی قبروں سے) باہر نکالے جاؤ گے؟ (عقل سے) دور، بہت ہی دور ہے یہ وعدہ، جو تم سے کیا جا رہا ہے۔ ہماری اس دنیوی زندگی کے سوا (کسی اور زندگی کی) کوئی حقیقت نہیں۔ بس ہمیں یہیں مرنا اور یہیں جینا ہے

اور ہم ہرگز ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔ یہ شخص کچھ بھی نہیں ہے۔ بس ایک آدمی ہے جو اللہ پر جھوٹی باتیں گھڑے چلا جارہا ہے اور ہم ہرگز اس کو ماننے والے نہیں ہیں۔ (اس پر اس رسولؑ نے) دعا کی: ''اے میرے پالنے والے مالک! ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا اس لئے تو میری مدد فرما'' (خدا نے) فرمایا ''بس قریب ہے وہ وقت جب یہ اپنے کئے پر ضرور پچھتائیں گے''۔ آخر کار سچ مچ کے ایک دھماکے نے خوب اچھی طرح سے ان کو پکڑ لیا۔ پھر ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنا کر پھینک دیا۔ خدا کی مار اور پھٹکار ہو (یعنی) خدا کی رحمتوں اور نعمتوں سے دوری ہو، ان لوگوں پر جو (خدا کے پیغمبروںؑ کو) نہیں مانتے''۔ (مومنون ۲۳، ۴۴)

انبیاءؑ اور ائمہؑ کی عصمت۔ (قرآن)

''وہ وقت یاد کرو جب ابراہیمؑ کا ان کے پالنے والے مالک نے کچھ باتوں سے امتحان لیا۔ پس وہ ان تمام باتوں میں پوری پوری طرح کامیاب ہوئے۔ خدا نے فرمایا ''میں تم کو تمام انسانوں کا امام (پیشوا، رہنما) بناتا ہوں''۔ ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے (بھی بنا) فرمایا (ہاں مگر) میرے اس عہدہ پر کوئی ظالم (گنہگار) نہیں پہنچ سکتا''۔ (بقرہ ۲، ۱۲۴) (القرآن)

تفسیر:۔

نتائج (۱) حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ''اس آیت کے آخری الفاظ نے واضح طور پر ہمیشہ کیلئے ثابت کر دیا کہ کوئی ایسا شخص کبھی نبی یا امام نہیں بن سکتا جس کے دامن پر ظلم (گناہ) کا دھبہ ہو''۔ اس لئے کہ خدا نے فرمایا ''میرے اس عہدہ پر کوئی ظالم (گنہگار) نہیں پہنچ سکتا''۔ (۲) دوسرے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کے بعد امام

نبی کی اولاد میں سے ہوگا۔ اگر اصحاب میں سے ہوسکتا تو حضرت ابراہیمؑ فقط اولاد کیلئے دعا نہ کرتے۔ (۳) تیسرے یہ معلوم ہوا کہ نبی یا امام خدا مقرر کرتا ہے۔ نبی یا امام کو امت نہیں بنا سکتی۔ اگر نبی یا امام کو امت بنا سکتی ہوتی تو پھر حضرت ابراہیمؑ خدا سے اپنی اولاد کی امامت کی دعا نہ کرتے، بلکہ امت سے درخواست کرتے کہ میری اولاد کو امام بنالو۔ (۴) چوتھے یہ معلوم ہوا کہ خدا امتحان لے کر کامیاب لوگوں کو امام بناتا ہے، امام لوگوں کے ووٹوں سے نہیں بنا کرتا۔

خدا کے خالص بندوں کی پہچان۔ (قرآن)

"ابلیس نے کہا مالک کیونکہ تو نے مجھے راستہ سے الگ کر کے گمراہ کیا ہے اس لئے میں (آدم کی اولاد کو دنیا کی نعمتیں) خوب سجا کر دکھاؤں گا اور اس طرح ان سب کے سب کو گمراہ کردوں گا، سوا تیرے نرے کھرے، خالص اور مخلص بندوں کے۔ خدا نے فرمایا بس یہی (خلوص) کا راستہ ہے جو سیدھا مجھ تک پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو میرے خالص مخلص بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی زور نہ چلے گا۔ مگر ہاں گمراہ لوگوں میں سے جو (خود) تیرے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ (بس ان پر تیرا زور چل سکے گا مگر ہاں یہ بھی یاد رکھنا کہ) ان سب کے واسطے میرا وعدہ جہنم ہے"۔

(حجر ۱۵، ۳۹ سے ۴۳) (القرآن)

(نوٹ): خدا کے خالص مخلص نرے کھرے بندوں میں سے افضل اور اعلیٰ انبیاء کرامؑ اور ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔ کیونکہ ان پر شیطان کا کوئی زور نہیں چل سکتا، اس لئے کہ ان کی عصمت قرآن سے ثابت ہے۔ خداوند عالم نے خود آلِ محمدؐ کی طہارت و عصمت کا کلمہ قرآن میں آیۂ تطہیر میں پڑھا ہے، وہ بھی ان کی پاکیزگی کردار کی وجہ سے۔

امامت کا باب

امام خدا کا مقرر کیا ہوا معصوم ہوتا ہے

(وہ وقت یاد کرو کہ) جب ابراہیم کو ان کے پالنے والے مالک نے چند باتوں سے آزمایا اور انہوں نے ان میں پوری پوری کامیابی حاصل کی۔ خدا نے فرمایا "میں تم کو لوگوں کا امام بناتا ہوں"۔ (معلوم ہوا کہ امام صرف خدا بناتا ہے، لوگ نہیں بناسکتے) (حضرت ابراہیمؑ نے) عرض کی "اور میری اولاد میں سے"۔ (معلوم ہوا کہ نبی کے بعد امام نبی کی اولاد میں سے ہوتا ہے، اصحاب میں سے نہیں) خدا نے فرمایا "(ہاں) مگر میرے اس عہد۔ ، پر ظالم گنہگار فائز نہیں ہوسکتا"۔ (معلوم ہوا کہ غیر معصوم امام نہیں ہوسکتا) (بقرہ ۲، ۱۲۴) (القرآن)

بادشاہ کیسے ہونے چاہئیں۔ (قرآن)

"اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ لوگوں نے کہا: بھلا اس کی حکومت ہم پر کیسے ہوسکتی ہے جبکہ ہم اس سے زیادہ حکومت کرنے کے حقدار ہیں کیونکہ اس کو مال میں وسعت حاصل نہیں ہے۔ نبی نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے اسے تم پر فضیلت دی ہے۔ کیونکہ اس کو خدا نے علم اور شجاعت میں زیادہ (حصہ) دیا ہے اور خدا اپنا ملک جسے چاہے دے۔ (کیونکہ) اللہ بڑی وسعت دینے والا اور ہر بات کا خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے"۔

(القرآن)(بقرۃ ۲، ۲۴۷)

تفسیر:۔

معلوم ہوا کہ خدا صرف اسی کو بادشاہ بناتا ہے جو علم اور شجاعت میں سب سے آگے ہو۔ مال دولت ووٹوں کی بنیاد پر خدا کسی کو بادشاہ نہیں بناتا۔ ایسے حکام جو مال یا ووٹوں کی مدد سے حاکم بن جاتے ہیں، خودساختہ حکام ہوتے ہیں۔ شرعاً ان کو حاکمِ جور کہا جاتا ہے وہ اکثر نااہل، خائن اور ظالم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ملک میں عدل و انصاف صرف وہی حاکم قائم کرسکتا ہے جو علم و حکمت سے بھی مالا مال ہو اور شجاعت کا جوہر رکھتا ہو۔ اسی لئے گزشتہ تمام انبیاءؑ میں سے کسی نبی کا وارث یا جائز بادشاہ لوگوں کے ووٹوں، شوریٰ یا اجماع سے نہیں بنا۔ (مولف)

ولی خدا کا علم دیا ہوا ہوتا ہے:۔ (قرآن)

"پھر انہوں نے (موسیٰؑ اور ان کے ساتھی نے جہاں مچھلی چھوڑی تھی) ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ (خضرؑ) کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت (ولایت، امامت) کا حصہ عطا کیا تھا اور اسے اپنے پاس سے علم (لدنی) عطا کیا تھا (یا) ہم نے اسے اپنے خاص علم میں سے کچھ علم سکھایا تھا۔ موسیٰؑ نے (خضرؑ) سے عرض کی کہ (کیا آپ کی اجازت ہے کہ) میں اس لئے آپ کے ساتھ ساتھ رہوں کہ جو رہنمائی کا علم آپ کو خدا نے تعلیم دیا ہے اس میں سے کچھ آپ مجھے بھی سکھا دیجئے۔ خضرؑ نے کہا "حقیقت یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے (کیونکہ) جو چیز آپ کے علم کے احاطہ سے باہر ہو اس پر آپ کیونکہ صبر کرسکتے ہیں۔ موسیٰؑ نے عرض کی اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا آدمی پائیں گے اور میں

آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ (کہف ۱۸، ۶۵ سے ۶۹) (القرآن)

(معلوم ہوا کہ انبیاء الولعزمؑ سے بھی زیادہ علم رکھنے والے لوگ ہو سکتے ہیں جو امام ہوتے ہیں اور خدا نے ان کو خود علم کے زیور سے آراستہ پیراستہ کیا ہوتا ہے۔ امت محمدیہ میں سوا ائمہ اہل بیتؑ کے کسی نے یہ دعوی تک نہیں کیا کہ ہم کو علم لدنی حاصل ہے) (مؤلف)

امام کے کام۔ (قرآن)

"پھر ہم نے ان کو امام مقرر کیا جو ہمارے حکم سے ان کی ہدایت کرتے ہیں۔ پھر ہم نے ان کے پاس ہر نیک کام کرنے، نماز کو پابندی سے پڑھتے رہنے اور زکواۃ دیتے رہنے کی وحی بھیجی اور وہ سب کے سب ہماری ہی عبادت (کامل اطاعت) کرتے ہیں۔ (الانبیاء ۲۱، ۷۳)

نبی کا وزیر خدا بناتا ہے۔ (قرآن)

"حقیقتا ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) عطا کی اور ان کی ساتھ ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر (خلیفہ جانشین) بنایا۔ (فرقان ۲۵، ۳۵)

آیت کے نتائج:۔

جناب رسول خدا نے فرمایا "اے علیؑ تم کو میرے پاس وہی منزلت ومقام حاصل ہے جو موسیٰ کے پاس ہاروں کو حاصل تھا۔ (بخاری شریف باب فضائل علی ابن ابی طالبؑ)

مذکورہ آیت سے تو یہ معلوم ہوا کہ نبی کا وزیر خود خدا بناتا ہے، لوگ نہیں

بنا سکتے اور مذکورہ حدیث سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ جناب رسول خدا کے وزیر حضرت علیؑ ہیں اس لئے کہ بقول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "حضرت علیؑ کو ان کے پاس وہی مقام حاصل ہے جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کے پاس حاصل تھا اور آیت نے بتایا کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰؑ کے وزیر تھے اور ان کو حضرت موسیٰؑ کا وزیر خود خدا نے بنایا تھا۔ پھر خدا فرماتا ہے:

"اور تمہارا پالنے والا مالک جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔ انتخاب کرنا لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے اور جس چیز کو یہ لوگ خدا کا شریک بناتے ہیں، اس سے خدا پاک ہے۔ (قصص ۲۸،۶۸) (القرآن)

تفسیر:۔

یہ آیت انبیاءؑ اور ائمہؑ کے خدا کی طرف سے مقرر کئے جانے پر واضح دلیل ہے یعنی دینی حکمران خدا کا بنایا ہوا ہوگا، لوگوں کا بنایا ہوا حکمران دینی حکمران نہیں ہوسکتا نیز یہ کہ شوریٰ یا غلبہ یا دونوں سے نبی یا امام نہیں بن سکتا۔ کیونکہ نبی، امام خلیفہ بنانے کا حق صرف خدا کو ہے۔ امت تو کیا، خود نبی بھی از خود امام مقرر نہیں کرسکتا۔ اسی لئے علامہ بیضاوی صاحب تفسیر بیضاوی کو لکھنا پڑا کہ "اس آیت میں خدا مطلقاً لوگوں کے اختیار اور انتخاب کی نفی کررہا ہے۔ یعنی امت کو انتخاب کا بالکل ہی حق نہیں ہے"۔

(تفسیر بیضاوی ۳۲۵)

شیخ الہند علامہ محمود حسن دیوبندی اور علامہ شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں لکھا "یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا خدا کی مرضی اور اختیار سے ہے اور کسی چیز کو ناپسند کرنے یا

چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی خدا ہی کو حاصل ہے۔ خدا جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب یا مرتبے پر فائز کر دے۔ مخلوقات کو ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع وافراد سے ممتاز بنا دے۔ خدا کے سوا کسی کو اس طرح کے اختیار اور انتخاب کا حق حاصل نہیں۔

(شیخ الہند علامہ محمود حسن دیوبندی حاشیہ ۵۰۹)

حافظ ابن قیم نے لکھا "تخلیق وہ تشریع واختیار میں تو اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ لوگوں نے اپنی تجویز اور انتخاب سے جو شرکاء ٹھہرائے ہیں وہ سب باطل اور بے سند ہیں"۔ (حافظ ابن قیم، زاد المعاد)

یعنی انتخاب میں خدا کا کوئی شریک نہیں۔ جس نے خدا کے ساتھ انتخاب کرنے میں کسی اور کو بھی اختیار دیا، اس نے خدا کا شریک قرار دیا۔ (مولانا فرمان علی)

"خدا نے انتخاب کا کام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس معاملہ میں دخل دینا ایک طرح کا شرک ہے"۔ (شمس العلماء، ڈپٹی نذیر احمد، حاشیہ قرآن مجید ۶۲۹ طبع دہلی)

خدا نے فرمایا: "اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی بارگاہ میں برگزیدہ کر کے چن لیتا ہے اور جو خدا کی طرف رجوع کرے، خدا اسے اپنی طرف (پہنچنے) کا راستہ دکھا دیتا ہے"۔

(شوریٰ ۴۲، ۱۳)

حضرت علیؑ کی امامت وخلافت۔ (قرآن)

"تمہارے مالک آقا، یا سرپرست بس خدا ہے، اس کا رسولؐ ہے اور وہ مومنین ہیں جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اب جس شخص نے بھی خدا، اس کے رسولؐ اور ان لوگوں کا اپنا آقا اور سرپرست بنایا جو دل سے (خدا اور رسول کو) مان چکے ہیں (وہ خدا کے لشکر میں آ گیا اور) اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کا لشکر غالب آنے والا ہے"۔ (مائدہ۵، ۵۶۔۵۵) القرآن)

تفسیر:۔

تمام شیعہ سنی مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں اتری۔ سائل نے مسجد میں سوال کیا۔ خدا کا واسطہ دیا۔ کسی نے اس کا سوال پورا نہ کیا۔ حضرت علیؑ رکوع میں تھے۔ اسی عالم میں انگلی سے اشارہ کر کے اپنی انگوٹھی سائل کو دے دی۔ اسی واقع کی بنا پر یہ آیت اتری۔ (تفسیر کبیر)

نیز خدا نے فرمایا: "اے رسولؐ جو حکم تمہارے پالنے والے مالک کی طرف سے تم پر اتارا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (گویا) تم نے خدا کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا۔ خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ خدا منکرین حق کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا"۔ (مائدہ۵، ۶۷) القرآن)

تفسیر:۔

ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں حضرت علیؑ کی امامت کے اعلان کے بارے میں اتری ہے۔

ابن مردویہ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی کہ ہم لوگ رسول خداؐ کے زمانے میں اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے تھے یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین (یعنی) "اے رسولؐ یہ حکم تمہارے پالنے والے مالک کی

طرف سے تم پر اتارا گیا ہے کہ علی تمام مومنین کے آقا، مولیٰ اور سرپرست ہیں، اسے پہنچا دو"۔ (تفسیر در منشور جلال الدین سیوطی جلد۲، ۲۹۸ سطر۸ مطبوعہ مصر)

قرآن:۔

"اے وہ لوگو جو خدا!، راس کے رسول کو دل سے مان چکے ہو، اللہ کی ناراضگی اور سزا سے بچو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ"۔ (توبہ ۹، ۱۱۹)

تفسیر:۔

ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے اور ابن عساکر نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ یہاں سچوں سے (اولین) مراد علی ابن ابی طالب ہیں"۔ (تفسیر در منشور جلد۳، ۲۹۵ سطر۱ مطبوعہ مصر)

(نوٹ): تاریخی اعتبار سے بھی جو شخص رسول کی گود میں پلا ہو اور جسے رسولؐ نے خود تربیت دی ہو اور جب رسول خداؐ کی وفات ہو تو آپ کا سر حضرت علیؑ کے سر اور گردن کے درمیان رہا ہو اور جو رسول خداؐ کے ساتھ ساتھ ہر میدان جہاد میں ثابت قدم رہا ہو اور جسے رسولؐ مباہلہ میں اپنے ساتھ لے جائیں اور جسے اپنے علم کا دروازہ اور ہارون کی طرح اپنا وزیر قرار دیں (بخاری شریف) اس سے زیادہ سچا انسان کون ہو سکتا ہے؟

(مولف)

قرآن:۔

"تو کیا جو شخص اپنے پالنے والے مالک کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور

اس کے پیچھے پیچھے انہیں میں کا ایک گواہ ہو، (اس سے زیادہ کوئی سچا ہو سکتا ہے؟)"

(ہود ۱۱، ۱۷)

تفسیر:۔

ابن ابی حاتم ابوالقہم ابن عساکر اور ابن مردویہ نے کئی طریقوں سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک مرتبہ ممبر پر فرمایا "قریش میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کے بارے میں کچھ نہ کچھ قرآن میں نہ اترا ہو"۔ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور پوچھا کہ آپ کے بارے میں کیا نازل ہوا ہے؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا "جو شخص روشن دلیل پر ہے وہ رسول خداؐ ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے انہی میں گواہ سے مراد میں ہوں"۔ (تفسیر در منشور جلد ۳، ۳۲۴ سطر ۱۲ مطبوعہ مصر، تفسیر ثعلبی ابوہریرہ سے کتاب الغارات میں منہال سے حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں بہت سے علماء اہل سنت کے حوالے سے نقل کیا، نیز تفسیر کبیر امام رازی جلد ۵، ۶ ۴، مناقب اخطب خوارزمی ۱۸۸ ینابیع المودۃ ۹۹، ارجح المطالب ۷۷)

"اے رسولؐ! تم صرف خدا کی ناراضگی اور سزا سے ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہوتا ہے"۔ (رعد ۱۳، ۷) القرآن)

تفسیر:۔

اہل سنت کے اکابرین ابن مردویہ، ابن جریر اور ابونعیم نے اور دیلمی نے ابن عساکر سے روایت کی کہ جب یہ آیت اتری تو رسول خداؐ نے خود اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا میں خدا کی ناراضگی اور سزا سے ڈرانے والا ہوں۔ پھر اپنے ہاتھ سے علیؑ

کے کندھے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا انت الهادی یا علی. بک یهتدی المهتدون بعدی . (یعنی) اے علیؑ! تم ہدایت کرنے والے ہو۔ اور میرے بعد تمہارے ہی ذریعے سے ہدایت یافتہ لوگ ہدایت پائیں گے"۔

(تفسیر در منشور جلد ۴، ۴۵، سطر ۱۲ تا ۲۰ مطبوعہ مصر)

قرآن:۔

"(اے رسول) کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان، (میری صداقت کی) گواہی کے واسطے خدا کافی ہے اور وہ شخص (کافی ہے) جس کے پاس پوری کتاب (قرآن) کا علم ہے"۔ (رعد ۱۳، ۴۳)

تفسیر:۔

سنی شیعہ مفسرین نے لکھا کہ اس میں "وہ شخص،، سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔
(عاصمی کی زین سے، ثعلبی نے عبداللہ بن عطا سے روایت کی، عبداللہ بن سلام کی روایت ینابیع المودۃ ۱۰۲، ارجح المطالب ۱۱۰، تفسیر حسینی ۳۴۸ تفسیر در منشور جلد ۴، ۶۹ سطر ۲۰ سے ۲۲ مطبوعہ مصر)

قرآن:۔

"(خدا نے موسیٰؑ کو حکم دیا) اب تم فرعون کے پاس جاؤ۔ اس نے بہت سر اٹھا رکھا ہے۔ موسیٰ نے دعا کی مالک! میرے لئے میرے سینے کو کھول دے۔ میرے لئے میرا کام آسان کر دے۔ میرے لئے میری زبان کی گرہ کو کھول دے۔ تاکہ لوگ میری بات خوب اچھی طرح سمجھ سکیں اور میرے اہلبیت (گھر والوں) میں سے

میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنادے۔ تاکہ ہم دونوں مل کر کثرت سے تیری پاکیزگی اور بے عیب ہونے کو ثابت کریں اور خوب کثرت سے تجھے یاد کریں۔ تو (خود) ہماری حالت کو دیکھ رہا ہے۔ فرمایا اے موسیٰ تمہاری سب دعائیں منظور کی گئیں"۔ (طٰہٰ ۲۰، ۲۴۔۳۶)

تفسیر:۔

ابن مردویہ خطیب بغدادی ابن عساکر نے اسماء بنت عمیس سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے ایک پہاڑ کے مقابلے پر دیکھا کہ آپ یہ دعا فرمارہے ہیں کہ خداوندا میں تجھ سے وہی سوال کرتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے کیا تھا کہ "میرے اہلبیت سے میرے بھائی کو میرا وزیر بنادے اور اس کے ذریعہ سے میری پشت مضبوط کردے اور میرے کام میں اس کو میرا شریک بنادے"۔
(تفسیر در منثور جلد ۴، ۲۹۵ سطر ۷ امطبوعہ مصر)

قرآن:۔

"(اے رسولؐ) تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (خدا کی ناراضگی اور سزا سے ڈراؤ"۔ (الشعراء ۲۶، ۲۱۴) القرآن)

تفسیر:۔

تمام مورخین اور مفسرین نے لکھا کہ جب یہ آیت اتری تو جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ روٹی اور بکرے کی ایک ران اور دودھ کا انتظام کرو اور شام

کے وقت جناب رسول خداؐ نے قریش کے چالیس آدمیوں کو دعوت پر بلایا۔ جب وہ سب کھا چکے جبکہ کھانا صرف ایک آدمی سے زیادہ کے کھانے کا نہ تھا، جناب رسول خداؐ نے فرمایا "میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی نیکی لے کر آیا ہوں۔ اور ایسی اچھی خبریں لے کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے کوئی تمہارے پاس نہیں لایا اور مجھے خدا نے اس کی طرف تمہیں بلانے کا حکم دیا ہے۔ تم میں کون ہے جو میرا وزیر بنے اور میرے کام میں میری مدد کرے، تاکہ وہ تمہارے درمیان میرا بھائی میرا وصی اور خلیفہ ہو۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف حضرت علیؑ نے عرض کی۔ "میں یا رسول اللہؐ (حاضر ہوں)" اسی طرح جناب رسول خداؐ نے تین مرتبہ پوچھا مگر سوا حضرت علیؑ کے کسی نے جواب نہ دیا۔ تب جناب رسول خداؐ نے فرمایا "اے علی تم میرے وزیر، میرے وصی، میرے بھائی اور میرے خلیفہ ہو"۔ (تفسیر در منثور، مسند احمد ابن حنبل ریاض النضرۃ، تاریخ طبری اور تمام اہم کتب تاریخ میں موجود ہے)

قرآن:۔

"قیامت کے دن حکم ہوگا انہیں ٹھہراؤ۔ ابھی ان سے کچھ پوچھنا ہے"۔

(صافات ۲۴،۳۷)

تفسیر:۔

علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا کہ ابن عباسؓ نے ابوسعید خدری سے روایت کی کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت (امامت) کا اہل محشر سے سوال کیا جائے گا۔

(یعنی) اہل محشر سے پوچھا جائے گا کہ تم لوگوں نے نبی کی وصیت کے مطابق علیؑ کی ولایت کو مانا یا اسے چھوڑ دیا؟ کیونکہ رسول اکرمؐ نے یہ وصیت کی تھی کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ (۱) اللہ کی کتاب (۲) میری عترت و اہلبیت۔ (صحیح مسلم شریف، صواعق محرقہ)

قرآن:۔

"اور ہم نے تم کو کشتی پر سوار کیا تا کہ ہم اسے تمہارے لئے یادگار بنائیں اور اسے (سنکر) یاد رکھنے والے کان یاد رکھیں"۔ (الحاقۃ ۶۹، ۱۲)

تفسیر:۔

اکابرین اہلسنت مثلاً ابن جریر، ابی حاتم، ابن مردویہ، ابن منذر وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں نے خدا سے عرض کی کہ علیؑ کے کان ایسے ہی بنا دے۔ اسی وجہ سے حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ میں نے جو بات بھی رسول خداؐ سے سنی وہ میں کبھی نہ بھولا۔

نیز رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اپنے سے قریب کروں اور تمہیں دور نہ ہونے دوں اور تم کو تعلیم کروں اور تم کو یاد رکھوں۔ تم کو حق کی قسم ہے کہ تم یاد رکھنا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور جناب رسول خداؐ نے فرمایا یا علیؑ تو میرے علم کو یاد رکھنے والا کان ہے۔

(تفسیر در منشور جلد ۶، ۲۶۰ سطر ۱۱ تا ۱۷ مطبوعہ مصر)

قرآن:۔

"(اے رسولؐ) اب جبکہ تم (رسالت کے کاموں سے) فارغ ہو چکے تو اپنا جانشین مقرر کر دو اور پھر خدا کی طرف (حاضر ہونے کیلئے) راغب ہو جاؤ"۔

(سورۃ الم نشرح ۹۴، ۸۔۷)

تفسیر:۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ جب تم اپنی نبوت کے پیغامات پہنچانے سے فارغ ہو جاؤ تو حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام مقرر کر دو۔ اور اس معاملے میں تم اللہ کی طرف توجہ کرو۔

(تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قمی)

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو اپنا نائب قائم کر دو اور اپنے وزیر کا اعلان کرو اور ان کے فضائل اعلانیہ طور پر لوگوں کو بتلا دو۔ پس اسی حکم پر حضور اکرمؐ نے فرمایا من کنت مولا فعلی مولا یعنی جس کا میں حاکم ہوں اس کا علیؑ حاکم ہے۔ (کافی)

ائمہ اہلبیتؑ کی فضیلت، عصمت، امامت اوران کی اطاعت کا حکم اور توبہ کرنے کا طریقہ

"پھر آدمؑ نے اپنے پالنے والے مالک سے چند الفاظ سیکھے۔ پس (ان الفاظ کی برکت سے) خدا نے آدمؑ کی توبہ قبول کی۔ حقیقتاً خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا

اور بے حد مسلسل رحم کرنے والا ہے۔ (بقرۃ ۲، ۳۷) القرآن)

تفسیر:۔

وہ کلمات یا الفاظ جن کی برکت سے خدا نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی وہ پنجتن پاک کے نام (محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ) تھے۔

(تفسیر در منشور امام سیوطی جلد ا،۱۶ مطبوعہ مصر)

نتیجہ:۔ حضرت آدمؑ سے ترک اولیٰ ہوا اور وہ معاف ہوا پنجتن کے ناموں کی برکت سے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پنجتن ہر قسم کے گناہ تو کیا بلکہ ہر قسم کے ترک اولیٰ سے بھی پاک ہیں۔ اسی لئے ان کے ناموں کی برکت سے حضرت آدمؑ کا ترک اولیٰ معاف ہوا اور اسی لئے خدا نے ائمہ اہلبیت کی طہارت کو اس طرح بیان کیا کہ:

"اللہ نے اس بات کا ارادہ کر رکھا ہے کہ اے اہلبیتؑ تم سے ہر قسم کی نجاست، گندگی، گناہ کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک رکھے جو حق ہے پاک رکھنے کا"۔

القرآن (الاحزاب ۳۳)

قرآن:۔

اور اے (ائمہ اہلبیتؑ) ہم نے تمہیں عادل گروہ بنایا، تا کہ تم اور لوگوں پر گواہ ہو اور رسول اکرمؐ (محمد مصطفیٰؐ) تم پر گواہ رہیں۔ (بقرۃ ۲، ۱۴۳)

تفسیر:۔

سلیم بن قیس سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ عادل گروہ (یعنی)

معصوم گروہ تمام لوگوں پر گواہ ہے، اور وہ ہم ہیں۔ اور ہم ہی اس آیت کے مقصود اور مخاطب ہیں۔ کیونکہ جناب رسول خداؐ ہم پر گواہ (نگراں) ہیں اور ہم خدا کی مخلوق پر خدا کے گواہ ونگراں ہیں۔ اور خدا کی حجت ہیں خدا کی زمین پر۔ (شواہد التنزیل حاکم ابوالقاسم، تفسیر مجمع البیان، تفسیر صافی، تفسیر عیاشی)

خدا کی رسی اہلبیتؑ رسولؐ ہیں۔ (قرآن)

تم سب کے سب (مل کر) خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ (آل عمران ۳،۱۰۳)

تفسیر:۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا "میرے اہلبیت خدا کی رسی ہیں۔ انہوں کو مضبوط تھامے رہنے کا حکم خدا نے دیا ہے"۔ (صواعق محرقہ، تفسیر ثعلبی، تفسیر نور الثقلین، تفسیر صافی، تفسیر مجمع البیان، تفسیر عیاشی)

جناب فاطمہ زہراؑ نے فرمایا "اللہ نے نماز کو واجب کیا تا کہ تکبر ختم ہو۔ زکوۃ کو واجب کیا تا کہ لوگ اور ان کا مال پاک ہو جائے۔ حج کو فرض کیا تا کہ دین مضبوط ہو اور ہماری امامت کو واجب قرار دیا تا کہ امت میں تفرقہ نہ رہے"۔ (اعیان الشیعہ)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا "میں تم میں دو بہت قیمتی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب اور دوسرے میرے اہلبیتؑ۔ یہ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آملیں گے۔ جس شخص نے ان دونوں کو تھامے رکھا وہ کبھی ہرگز گمراہ نہ ہوگا"۔ (صحیح مسلم شریف)

سب سے اچھے لوگوں کی خصوصیات،

بہترین گروہ ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔ (قرآن)

”تم کیا اچھے گروہ (یا لوگ) ہو کہ جو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے ہو۔ تم لوگوں کو اچھے اچھے کام کرنے کی ترغیب دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور خدا کو دل سے مانتے ہو“۔ (آل عمران ۳،۱۱۰)

تفسیر:۔

ابن ابی حاتم نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ بہترین گروہ اہلبیت رسولؐ ہیں۔ (تفسیر در منشور امام سیوطی جلد ۲، ۶۴، سطر ۱۴ مطبوعہ مصر)

یاد رہے کہ پوری امت میں خدا نے کسی گروہ کی طہارت کی گواہی نہیں دی، سوا اہلبیت رسولؐ کے۔ (مولف)

حکومت کرنے کے اہل ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔ (قرآن)

”اے وہ لوگو! جو خدا، رسولؐ اور آخرت کو دل سے مانتے ہو! خدا کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں (رسول کی طرح) صاحبان امر (یعنی) حکم دینے کے اہل ہیں۔ اگر تم کسی بات میں بھی جھگڑتے ہو تو اس جھگڑے کو خدا اور رسولؐ (محمدؐ) کی طرف لوٹاؤ (یعنی) ان کی طرف رجوع کرو، اگر تم (واقعی) خدا اور روز آخرت کو دل سے مانتے ہو۔ یہ (عمل تمہارے لئے) بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت ہی اچھا ہے“۔ (نساء ۴، ۵۹) القرآن)

تفسیر:۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اولوالامر یعنی حکم دینے کے اہل حکمران وقت ہیں حالانکہ حکمران تو اکثر کافر منافق مشرک جاہل فاسق وفاجر ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے احکامات اکثر قرآن اور رسولؐ کے ارشادات کے خلاف ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم غیر مشروط طور پر بالکل اسی طرح حکم دیا گیا ہے جس طرح رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ بلکہ اسی ایک لفظ اطیعوا (یعنی اطاعت کرو) جس کے تحت رسولؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اسی لفظ کے تحت صاحبان امر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس میں کوئی شرط تک نہیں لگائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اولوالامر رسولؐ کی طرح معصوم اور واجب الاطاعت ہیں۔ ان کے ہر حکم کی اطاعت لازمی ہے اور حکمرانوں کو ہرگز خدا یہ مقام نہیں دے گا، اسلئے کہ ان کے اکثر احکام اور اعمال دین کے خلاف ہوتے ہیں اور ظلم پر مبنی ہوتے ہیں۔ بقول اقبال:

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے (اقبال)

کیونکہ عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ خدا کسی گنہگار کی مطلق اطاعت کا حکم دے۔ (اس لئے اولوالامر کا معصوم ہونا ضروری ہے)

(تفسیر کبری امام رازی جلد ۳، ۳۵۷ طبع مصر)

پوری امت میں سوا بارہ اماموں کے جو اہلبیت رسولؐ کے افراد ہیں اور فرزندان رسولؐ کے لقب سے مشہور ہیں، کسی گروہ نے عصمت کا دعویٰ تک نہیں کیا۔ (مولف)

قرآن:۔

''اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ہے ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ حق اور سچائی کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور اسی (دین حق) کے ذریعہ انصاف کرتے ہیں۔ اب وہ جنہوں نے ہماری آیتوں (مراد سچائی کی طرف ہدایت کرنے والے اماموں) کو جھٹلایا تو ہم انہیں بہت جلد آہستہ آہستہ اس طرح جہنم میں لے جائیں گے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ (اس طرح کہ) میں انہیں دنیا میں خوب ڈھیل دوں گا۔ بے شک میری خفیہ ترکیب بہت مضبوط ہے''۔ (اعراف ۷، ۱۸۱ سے ۱۸۳)

تفسیر:۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ عنقریب اس امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں ۷۲ جہنمی ہونگے اور ایک جنتی، وہ جنتی لوگ میری پیروی کرنیوالے ہوں گے۔ (بروایت ابن مردویہ)

(نوٹ): الفاظ آیت سے بھی ثابت ہے کہ پورے طور پر عدل کرنے والے لوگ معصوم ہی ہو سکتے ہیں اور ائمہ اہلبیتؑ کے سوا امت کی کسی گروہ نے عصمت کا دعویٰ نہیں کیا اور خدا نے امت کے کسی اور گروہ کی طہارت کاملہ کا کلمہ بھی نہیں پڑھا۔ لیکن ائمہ اہلبیتؑ کی طہارت کو آیہ تطہیر میں بڑے زور و شور سے بیان فرمایا۔ (مولف)

قرآن:۔

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے اچھی بات (کلمہ توحید) کی کتنی اچھی

مثال بیان کی ہے۔ (گویا) وہ ایک پاک و پاکیزہ درخت ہے۔ اس کی جڑ مضبوط ہے۔ اس کی ٹہنیاں آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔ اپنے پالنے والے مالک کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے۔ اور خدا لوگوں کیلئے یہ مثالیں اس لئے بیان کرتا ہے تا کہ لوگ نصیحت یا سبق حاصل کریں۔ (سورۃ ابراہیم ۱۴،۲۴)

تفسیر:۔

جناب رسول خداؐ نے فرمایا "اس پاک درخت کی جڑ میں ہوں۔ علیؑ اس کا تنا ہیں اور ائمہ اہلبیتؑ اس کی شاخیں ہیں اور ہمارا علم اس کا پھل ہے اور مومنین جو ہمیں مانتے ہیں، اس کے پتے ہیں"۔ (الحدیث) (تفسیر صافی ۲۶۵ بحوالہ تفسیر عیاشی)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا جب کوئی مومن پیدا ہوتا ہے تو اس درخت میں ایک پتا لگ جاتا ہے اور جب کوئی مومن مرجاتا ہے تو ایک پتا گرجاتا ہے۔ (الکافی)

الاکمال میں ہے کہ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ اس درخت کا خاص پھل ہیں او، امام حسینؑ کی اولاد میں سے نو امامؑ اس درخت کی شاخیں ہیں۔ (الاکمال)

قرآن:۔

"اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل ذکر (مراد اہلبیت رسولؐ) سے پوچھ لو"۔
(نحل ۱۶،۴۳)

تفسیر:۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے بکثرت روایت ہیں کہ ذکر سے مراد رسولؐ ہیں اور اہل ذکر سے مراد اہل بیت رسولؐ (ائمہ اہلبیتؑ) ہیں۔ اور امت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جو کچھ نہیں جانتے، اسے آل رسولؐ سے پوچھ لیں۔

(تفسیر صافی ۲۷۷ بحوالہ کافی وتفسیر عیاشی وتفسیر قمی وعیون اخبار الرضا روایت امام رضاؑ)

قرآن:۔

''یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب جانتے پہچانتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کا انکار کرتے ہیں (کیونکہ) ان میں سے اکثر ناشکرے (یا) حق کے منکر ہیں''۔

(نحل ۱۶،۸۳)

تفسیر:۔

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے زمانے کے امام، اپنے رب کی کتاب اور اپنے اپنے نبی کی سنت کے ساتھ بلایا جائے گا''۔ (تفسیر در منثور جلد ۴، ۱۹۴ سطر ۵ مطبوعہ مصر)

اس سے ثابت ہو گیا کہ ہر زمانے میں ایک امام کا ہونا ضروری ہے۔ شاہ اسماعیل شہید دہلوی نے لکھا ''تمام لوگ قیامت کے دن اپنے اپنے اماموں کے ساتھ بلائے جائیں گے۔ پھر انہیں روکا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائیگا''۔

صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ کیا سوال کیا جائے گا۔ جناب رسول خداؐ

نے فرمایا عن ولایت علی ابن ابی طالب یعنی حضرت علیؑ کی ولایت اور امامت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (شاہ احمد اسماعیل دہلوی شہید)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت اتری تو مسلمانوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ تمام آدمیوں کے امام نہیں ہیں؟ جناب رسول خداؐ نے فرمایا میں تمام آدمیوں کی طرف خدا کا رسول ہوں۔ لیکن عنقریب میرے بعد خدا کی طرف سے میرے اہلبیتؑ میں سے تمام عالم انسانیت کیلئے امام مقرر کئے جائیں گے، جو آدمیوں پر اپنا حق ثابت تو کر دیں گے مگر جھٹلائے جائیں گے اور کفر و ضلالت۔ کے امام (ظالم حکمران) اور ان کی پیروی کرنے والے ان (سچے اماموں) پر ظلم کریں گے۔ پس جو شخص ان سچے حقیقی برحق، اماموں سے محبت رکھے گا اور ان کی پیروی کرے گا اور (اپنے قول و عمل سے) ان کی تصدیق بھی کرے گا، پس وہ مجھ سے ہے۔ وہ میرے ساتھ ساتھ ہوگا اور عنقریب مجھ سے آملے گا اور یہ بات بھی غور سے سن لو کہ جو شخص ان برحق، حقیقی اور سچے اماموں پر ظلم کرے گا اور ان کی تکذیب کرے گا، وہ مجھ سے نہ ہوگا اور مجھ سے اس کا کوئی واسطہ تک نہ ہوگا۔

(تفسیر صافی ۲۹۳ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی)

قرآن:۔

''اور انہیں میں سے ہم نے کچھ لوگوں کو امام مقرر کیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کا کام انجام دیتے تھے، جبکہ انہوں نے (سخت مصیبتوں پر) صبر کیا اور وہ ہماری باتوں، دلیلوں اور آیتوں پر یقین رکھتے تھے''۔ (سجدہ ۳۲، ۲۴)

تفسیر:۔

حضرت موسیٰ اور جناب رسول خداؐ کے اکثر حالات ملتے جلتے ہیں۔قرآن میں بھی خدا نے حضرت رسول اکرمؐ کو حضرت موسیٰ سے تشبیہ دی ہے۔فرمایا''اے رسولؐ ہم نے تمہیں اسی طرح نبی بنا کر بھیجا جس طرح موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا تھا۔ (قرآن) نیز یہ کہ حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی کیلئے دعا کی تو خدا نے حضرت ہارونؑ کو ان کا وزیر بنایا، اس طرح ہمارے رسولؐ نے دعا کی تو خدا نے رسول خداؐ کے بھائی حضرت علیؑ کو ان کا وزیر بنایا، جس کا اعلان رسول اکرمؐ نے دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر فرمایا(متفق علیہ)اور پھر غدیر کے مقام پر اعلان فرمایا۔نیز یہ کہ خدا نے حضرت موسیٰ کے بعد ۱۲ نقیب (یعنی) اوصیاء یا ائمہ مقرر فرمائے بالکل اسی طرح ہمارے رسولؐ کے بعد بھی خدا نے بارہ ائمہ مقرر فرمائے جو قرآن کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور قیامت تک ہدایت کرتے رہیں گے۔اسی لئے امام زمخشری صاحبِ تفسیرِ کشاف نے لکھا:

''اے رسولؐ اسی طرح ہم اپنی کتاب کو سرتا پا ہدایت اور نور بنائیں گے اور تمہاری امت میں سے ایسے ہی امام بنائیں گے جو قرآن کی طرف ہدایت کریں گے''۔ (علامہ زمخشری در تفسیر کشاف)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا''کیونکہ خدا کے علم میں یہ بات پہلے ہی سے گزر چکی تھی کہ ائمہ آل محمدؐ پر سخت مصیبتیں پڑیں گی اور وہ ان مصیبتوں پر صبر کریں گے،اس لئے خدا نے انہیں کو امام مقرر فرمایا''۔

(تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قمی ۳۹۷)

قرآن :۔

"پھر ہم نے اپنے (خاص) بندوں میں سے (قرآن کا) وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے منتخب کر لیا۔ (کیونکہ) لوگوں میں سے کچھ لوگ تو (گناہ پر گناہ کر کے) اپنی جان پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ (نیکی اور برائی کے) درمیان میں ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ خدا کی اجازت (یا) توفیق سے نیکیوں میں (سب سے) آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بس یہی (ہمارا انتخاب اور سب سے آگے نیکیوں میں آگے بڑھ جانا) خدا کا بہت بڑا فضل و کرم ہے"۔ (فاطر ۳۵، ۳۲۔۳۱)

تفسیر :۔

اہلسنت کے عظیم عالم ابن مردویہ نے صاف صاف لکھا کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں اتری۔ (ابن مردویہ)

علامہ ابن حجر مکی نے یہ دلیل دی کہ قرآن کے وارث حضرت علیؑ ہیں اسلئے کہ تمام صحابہ کرامؓ میں حضرت علیؑ کے سوا کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ سلونی سلونی قبل ان تفقدونی (یعنی) مجھ سے جو چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تم میں نہ رہوں، اگر حضرت علیؑ قرآن کے وارث نہ ہوتے تو یہ دعویٰ ہرگز نہ کر سکتے۔ اس لئے حضرت علیؑ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں خوب جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارے میں اتری، رات کو اتری یا دن کو اتری، آبادی میں اتری یا پہاڑ پر اتری۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی)

امام مهدیؑ کی فضیلت اور امامت۔ (قرآن)

"وہی (خدا) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے۔ چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار ہو"۔

(توبہ ۹، ۳۳)

تفسیر:۔

سعد ابن جریر سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا اس آیت سے مراد مہدیؑ ہیں جو اولاد فاطمہؑ سے ہوں گے۔ جب مذہب اسلام کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہے گا۔ اس وقت بکری بھیڑیئے سے نہ ڈرے گی، گائے شیر سے بے خوف اور انسان سانپ سے مطمئن ہوگا۔ اس زمانہ میں جزیہ نہ ہوگا اور صلیب توڑ دی جائے گی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے۔ (تفسیر در منشور جلد ۳، ۲۳۱ سطر ۲۵ تفسیر صافی ۲۰۷، تفسیر قمی تفسیر کبیر امام رازی، ابن منذر، بیہقی کی سنن وغیرہ)

قرآن:۔

"اگر تم واقعی خدا رسول کو دل سے ماننے والے ہو تو بقیۃ اللہ (یعنی) اللہ کا باقی رکھا ہوا، تمہارے واسطے کہیں اچھا ہے"۔ (ہود ۱۱، ۸۶)

تفسیر:۔

مشہور سنی عالم صباغی نے لکھا کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا "جب ہمارا قائم (امام مہدیؑ) ظاہر ہوگا اور خانہ کعبہ کی دیوار پر سہارا دے کر کھڑا ہوگا اور ۳۱۳

خالص مومنین ان کے پاس جمع ہوں گے۔ سب سے پہلے وہ یہی آیت پڑھیں گے اور پھر فرمائیں گے کہ میں ہی بقیۃ اللہ (یعنی اللہ کا باقی رکھا ہوا) ہوں اور اس کا خلیفہ اور تم سب پر اس کی حجت ہوں۔ اس کے بعد سب لوگ ان کو یا بقیۃ اللہ کہہ کر پکاریں گے"۔ (فصول مہمہ، صبا فی اکمال الدین، تفسیر صافی، تفسیر قمی، انوار النجف)

قرآن:۔

"تم میں سے جو لوگ خدا کے رسولؐ اور آخرت کو دل سے مان چکے ہیں اور اچھے عمل بجالاتے ہیں، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور بضرور ان کو زمین پر (اپنا) خلیفہ بنائے گا، جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا، جو ان سے پہلے تھے۔ (اس طرح) خدا اس دین کو ضرور غالب کرے گا جسے اس نے ان کیلئے پسند فرمایا ہے ور (اس طرح) ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ پھر وہ میری بندگی یا کامل عاجزانہ اطاعت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اب جو اس کے بعد بھی (اس بات کا) انکار کرے گا، پس وہی فاسق، فاجر، بدکار اور بدمعاش ہوگا"۔

(نور ۲۴، ۵۵)

تفسیر:۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا اس آیت کے اصل مصداق ائمہ اہلبیتؑ ہیں اور یہ آیت خاص طور پر امام مہدیؑ کی شان میں اتری ہے۔

(تفسیر صافی ۲۵۳ بحوالہ کافی و بحوالہ تفسیر قمی، تفسیر عیاشی، تفسیر مجمع البیان وغیرہ)

حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا خدا کی قسم یہ سب کچھ ہم میں سے ایک شخص کے ہاتھوں انجام پائے گا جو اس امت کا مہدیؑ ہوگا۔ (تفسیر عیاشی)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا اگر دنیا کی عمر کا صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو اللہ اس دن کو اتنا لمبا کر دے گا کہ میری اولاد میں سے ایک شخص جس کا نام میرے نام پر ہوگا حاکم ہو جائے گا۔ وہ تمام زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ (بخاری شریف، تفسیر عیاشی، تفسیر نور الثقلین)

آیت میں خاص طور پر یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اسی طرح خلیفہ بنایا جائے گا جس طرح اس سے پہلے خلیفہ بنائے گئے تھے۔ یاد رہے کہ کسی نبی کا خلیفہ ووٹوں، شوریٰ یا اجماع سے کبھی نہیں بنایا گیا۔ پچھلے انبیاءؑ کے تمام خلفاء بالاتفاق خدا نے بنائے اور خود ان نبیوں نے اس کا اعلان فرمایا۔ یہاں یہی کہا گیا ہے کہ اس کو اسی طرح خلیفہ بنایا جائے گا جیسے پہلے والوں کو بنایا گیا تھا۔ یعنی خدا خود اس کو خلیفہ بنائے گا۔ اسی لئے اگر امام مہدیؑ کو ووٹوں سے شوریٰ سے یا اجماع سے بنایا جا سکتا ہوتا، تو امت کب کی بنا چکی ہوتی۔ پچھلی امتوں میں ہمیشہ خلیفہ خدا نے بنایا۔ مثلاً حضرت آدمؑ کو زمین پر خدا نے خود اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ حضرت داؤدؑ کیلئے فرمایا یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض (پارہ ۲۳ سورۃ ص) اسی طرح امام مہدیؑ کا تقرر بھی خدا نے فرمایا اور رسول اکرمؐ نے اس کا اعلان فرمایا۔ (بحوالہ بخاری شریف)

قرآن:۔

"اور وہ یقیناً یہ قیامت کی ایک روشن دلیل ہے۔ تم لوگ اس میں ہرگز شک

نہ کرو اور میری پیروی کرو۔ یہی سیدھا راستہ (صراط مستقیم) ہے اور کہیں شیطان تم لوگوں کو (اس بات کے ماننے سے) روک نہ دے، وہ یقیناً تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے"۔

(زخرف ۴۳،۶۲)

تفسیر:۔

حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا "یہ آیت امام مہدیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی، فصول المہمہ صباغی، تفسیر در منثور امام سیوطی، مناقب شافعی از مغازلی)

کتاب اصولِ کافی سے ماخوذ

کتاب الحجت

(یعنی نبوت وامامت جو زمین پر خدا کی دلیل ہیں)

زمین پر حجت خدا کے موجود ہونے کی ضرورت:۔

ہشام بن الحکم سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دہریے نے سوال کیا! "انبیاء اور مرسلینؑ کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟"

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا:

جب ہم پر عقلی دلائل سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ہمارا ایک خالق ۔ مالک پالنے والا رب ہے اور وہ تمام مخلوقات سے بلند و برتر ہے، پھر وہ حکیم مطلق سب پر غالب بھی ہے۔ اور ہم نے یہ بھی جان لیا کہ مخلوق میں سے کوئی نہ اسے دیکھ سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے نہ مل سکتا ہے اور نہ مخلوق اس سے ملتی جلتی ہے تو ضروری ہو گیا کہ اس کے پیغام پہنچانے والے اس کی مخلوق کی طرف اس کے بھیجے ہوئے آئیں اور اس کی باتیں بتائیں اس کی مصلحتوں اور حکمتوں کو سمجھائیں اور ان چیزوں کو بتائیں جن کے انجام دینے میں انکی بقاء ہو اور ترک کرنے میں ان کی فناء ہو، وہ مخلوق کو خدا کے احکامات، فرائض اور محرمات بتائیں۔ بس وہی انبیاء ہیں جو یہ کام کرتے ہیں۔ وہ خدا کے چنے ہوئے اس کے آداب سکھائے ہوئے، صاحب حکمت و صاحب کردار ہیں۔ ان کی ان خصوصیات ممتاز ہیں، جبکہ خلقت کے لحاظ سے (ظاہرا) لوگوں جیسے ہیں۔ مگر

وہ خدائے علیم وحکیم کی مدد اور حکمت سے شرفیاب ہیں۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہر زمانے میں انبیاءؑ ومرسلینؑ دلائل و براہین کے ساتھ آتے رہے ہیں، اور زمین بھی حجتِ خدا (خلیفۂ خدا) سے خالی نہ رہے گی۔ ہر حجتِ خدا کے ساتھ خدا کا عطا کیا ہوا علم ہوتا ہے۔ یہی علم ان کی سچائی، صاحب عدل وانصاف ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔

منصور ابن حازم نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے اپنا استدلال یوں بیان فرمایا:

''جو اتنی سی بات جانتا ہے کہ کوئی اس کا مالک وخالق ہے، تو وہ یہ بھی جان لے کہ اس کی رضامندی بھی ہوتی ہے اور غصہ بھی۔ بس خدا کی رضامندی اور ناراضگی کو ہم نہیں جان سکتے مگر وحی یا رسولؑ کے ذریعہ سے۔

لہذا جس کے پاس وحی نہیں آتی اسے چاہیئے کہ رسولوںؑ کو تلاش کرے۔ جب وہ مل جائیں تو جان لے کہ یہی لوگ حجتِ خدا ہیں۔ اور انکی اطاعت فرض ہے۔

لوگوں نے عرض کی حجتِ خدا تو قرآن ہے؟

حضرت امامؑ نے فرمایا قرآن سے تو مرجیہ، قدریہ، دہریہ اپنے اپنے مقاصد اور عقیدوں پر دلیل لاتے ہیں، اور دوسروں کو مغلوب بھی کر لیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقط قرآن حجت نہیں۔ بغیر اپنے محافظ (وارث، مفسر وامام) کے۔ تاکہ وہ قرآن کے بارے میں جو کچھ بھی بیان کریں وہ حق ہو۔ (باطل نہ ہو)

لوگوں نے سوال کیا کہ ابن مسعودؓ یہ کہتے تھے کہ وہ عالم حضرت عمرؓ ہیں، اور حذیفہؓ ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ ان میں سے کوئی

بھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ پورے قرآن کا عالم ہے۔ ان میں کوئی بھی پورے قرآن کا عالم نہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں یہ بات نہیں جانتا۔ دوسرے نے کہا کہ میں وہ بات نہیں جانتا۔ صرف حضرت علی ابن ابی طالب ہیں جو کہتے ہیں کہ میں ہر بات جانتا ہوں۔ اس لئے میں گواہی دیتا ہوں کہ بعد رسول خداؐ علیؑ عالم قرآن، محافظ قرآن، لوگوں پر خدا کی حجت ہیں۔ انہوں نے جو کچھ قرآن کے بارے میں رسول خداؐ کے بعد فرمایا ہے، وہ سب حق ہے اور قرآن کے عین مطابق ہے۔

یہ سن کر حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، اللہ تم پر رحم کرے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے ہشام بن الحکم سے فرمایا: بتاؤ تم نے عمرو بن عبید (قاضی القضاۃ کوفہ) سے کیا گفتگو کی تھی؟

ہشام نے عرض کی: میں نے اس سے پوچھا آپ کی آنکھ ہے؟

عمرو (قاضی): ہاں ہے۔

میں: آپ اس سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو: رنگ اور اجسام کو دیکھتا ہوں۔

میں: آپ کی ناک ہے؟

عمرو: ہاں ہے۔

میں: آپ اس سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو: خوشبو، بدبو سونگھتا ہوں۔

میں: آپ کے کان بھی ہیں؟

عمرو: ہاں کان بھی ہیں۔

میں: آپ ان سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو: آوازیں سنتا ہوں۔

میں: آپ کی زبان ہے؟

عمرو: زبان بھی ہے۔

میں: آپ اس سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو: کھانے کا ذائقہ معلوم کرتا ہوں۔

میں: آپ کا دل (دماغ) ہے؟

عمرو: ہاں ہے۔

میں: یہ کیا کام کرتا ہے؟

عمرو: جب مجھے حواس کی معلومات پر شک وشبہ ہوتا ہے تو میں دل (ودماغ) کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جس سے مجھے یقین حاصل ہو جاتا ہے اور شک دور ہو جاتا ہے۔

میں: تو گویا خدا نے دل (دماغ) کو شک دور کرنے کیلئے بنایا ہے؟

عمرو: بے شک۔

میں: تو بغیر قلب (دماغ) کے اعضاء کا شک دور نہیں ہو سکتا؟

عمرو: بے شک۔

میں نے کہا: اے ابو مروان! (قاضی صاحب کی کنیت ہے) جب خدا نے ان چند حواس کو بغیر امام کے نہیں چھوڑا، تا کہ ان کا علم صحیح رہے اور یقین حاصل ہو کر شک دور ہوتا رہے، تو بھلا ایسا خدا اپنے تمام بندوں کو حیرت، شکوک وشبہات اور اختلافات کی حالت میں کیسے چھوڑ دیتا؟ اس نے کوئی ایسا ہادی نہ بنایا ہوگا جو ان کے شک، حیرت

اور اختلافات کو دور کر کے انہیں یقین کی منزل تک پہنچا دے؟

یہ سن کر عمرو (ابو مروان) ساکت اور مبہوت ہو گیا اور کچھ نہ بول سکا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوا، اور بولا تم ضرور ہشام بن الحکم ہو؟

پھر کہا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

میں نے کہا: کوفے کا رہنے والا ہوں۔

کہنے لگا: پھر ضرور تم وہی (ہشام) ہو۔ یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا اور مجھے اپنے ساتھ بٹھایا، اور جب تک میں بیٹھا رہا خاموش رہا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ یہ سن کر ہنسے اور فرمایا: اے ہشام! یہ استدلال تمہیں کس نے سکھایا؟ میں نے عرض کی: فرزند رسولؐ! آپ ہی کی تعلیمات سے اخذ کر کے ترتیب دیا۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: یہی دلیل حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں ہے۔

ہشام اور ایک شامی کا مکالمہ:۔

ہشام ابن الحکم صحابیٔ امام جعفر صادقؑ سے ایک شامی نے کہا: اے لڑکے! مجھ سے امامت پر بات کرو۔ ہشام نے (برجستہ) کہا: اچھا، بتاؤ (تو سہی کہ) خدا نے مخلوق کی بہتری کیلئے کیا کام کیا؟

شامی: خدا نے دلیل اور حجت کو قائم کیا، تا کہ لوگ متفرق نہ ہوں، ان میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ وہ محبت سے ایک دوسرے کے ساتھ رہیں۔

ہشام: وہ دلیل یا حجت کون ہے؟

شامی: جناب رسول اللہؐ ہیں۔

ہشام: جناب رسول اللہؐ کے بعد کون ہے؟

شامی: کتاب (خدا) اور سنت (رسول خداؐ)

ہشام: کیا کتاب اور سنت نے ہمارے اختلافات کو دور کردیا؟

شامی: ضرور دور کردیا۔

ہشام: پھر ہمارے اور تمہارے درمیان اختلاف کیوں ہے؟ پھر تم شام سے ہماری مخالفت کرنے کیلئے کیوں آئے ہو؟

شامی چپ ہوگیا، اور کچھ نہ بول سکا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے شامی سے کہا: بولتے کیوں نہیں؟

شامی: کیا بولوں۔ اگر کہتا ہوں کہ اختلاف نہیں ہے، تو جھوٹ ہے۔ کیونکہ ہم میں سے ہر شخص اپنے حق پر ہونے کا مدعی ہے۔ اس صورت میں کتاب وسنت نے ہمیں کیا فائدہ دیا؟

(ماننا پڑے گا کہ خدا کا مقرر کیا ہوا کوئی امام ہے جو قرآن اور سنت پر خدا کی مقرر کی ہوئی حجت (اتھارٹی) سے فیصلے کرتا ہے۔ اس کے بغیر قرآن اور سنت سے لوگوں کے اختلافات دور نہیں ہوسکتے۔ بقول قمر جلالویؒ:

بغیر آل نبیؐ لکھ رہے ہیں تفسیریں
کتاب کیسے پڑھی جائیگی چراغ بغیر؟)

انبیاءؑ اور رسولوںؑ کے طبقات ودرجات:۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: انبیاء ومرسلینؑ کے چار طبقے ہیں:

(۱) وہ نبی، جس کو بذریعہ وحی غیب سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ مگر اس پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا۔

(۲) وہ نبی جو خواب میں فرشتے کو دیکھتا ہے، اور اس کی آواز کو سنتا ہے وہ صرف اپنی ذات کے لئے نبی ہوتا ہے کسی دوسرے کی طرف نبیؑ بنا کر نہیں بھیجا جاتا، بلکہ اس کا بھی ایک امام ہوتا ہے۔ جیسے حضرت لوطؑ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام امام تھے۔

(۳) تیسرے درجے کا نبیؑ وہ ہوتا ہے جو خواب میں بھی فرشتے کو دیکھتا ہے اور جاگتے ہوئے بھی۔ اور وہ فرشتے کی آواز کو سنتا ہے اور اسے لوگوں کے گروہ کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تمیں ہزار کی طرف۔ مگر اس پر بھی ایک امام ہوتا ہے۔

(۴) چوتھے طبقے کا نبیؑ وہ ہے جو خواب میں بھی فرشتے کو دیکھتا ہے اور جاگتے ہوئے بھی۔ اور اس کا کلام سنتا ہے، اور خود امام بھی ہوتا ہے۔ جیسے اولوالعزم انبیاءؑ۔ ان میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ تھے جو پہلے نبی تھے۔ پھر خدا نے ان کو امام بنایا۔ انہوں نے خدا سے دعا کی کہ میری ذریت (اولاد) میں بھی امام بنانا۔ خدا نے ارشاد فرمایا: اس عہدے (امامت) کو ظالمین نہ پائیں گے۔ یعنی جس نے شرک اور بت پرستی (یا گناہ) کیا، وہ امام نہیں ہوگا۔ (القرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت

ابراہیمؑ کو پہلے اپنا عبد (بندہ) بنایا۔ پھر نبی بنایا۔ پھر رسول بنایا۔ اس کے بعد خلیل بنایا۔ خلیل بنانے کے بعد امام بنایا۔

یعنی جب سارے فضائل (عبدیت، نبوت، رسالت اور خلت) جمع ہو گئے، تب فرمایا کہ اب میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ اب کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی نظر عہدۂ امامت کی عظمت وجلالت پر تھی، اس لئے عرض کی: میری اولاد میں سے بھی۔ خدا نے فرمایا میرے عہدے (امامت) کو ظالم نہیں پا سکیں گے۔ یعنی کوئی ظالم گنہگار، متقین کا امام نہیں بن سکتا۔

(نوٹ): معلوم ہوا کہ امامت عظمیٰ کا عہدہ نبوت، رسالت اور خلت تک سے بلند ہوتا ہے، اسلئے کہ ابراہیمؑ ان سب عہدوں پر فائز تھے، پھر بھی ان کا امتحان لیا گیا، اور امتحان میں کامیابی کے بعد عہدے میں ترقی ہوئی، اور امامت کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ اصول یہی ہے کہ امتحان ہمیشہ اعلیٰ عہدے کیلئے ہوتا ہے، تا کہ پاس ہونے پر ترقی دی جا سکے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: انبیاء کرامؑ کے پانچ سردار ہیں۔ وہی اولوالعزم رسولؑ ہیں۔

(۱) حضرت نوحؑ (۲) حضرت ابراہیمؑ (۳) حضرت موسیٰؑ
(۴) حضرت عیسیٰؑ (۵) حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ تمام انبیاءؑ کے سردار ہیں۔

نبی، رسول، اور محدث کا فرق:۔

زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے عرض کی: نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟ آپؑ نے فرمایا (۱) نبی فرشتے کو بظاہر نہیں دیکھتا۔ (۲) رسول وہ ہے جو فرشتے کی آواز کو بھی سنتا ہے اور اسے خواب اور جاگتے ہوئے دونوں صورتوں میں دیکھتا ہے۔

میں نے عرض کی امام کون ہوتا ہے؟ آپؑ نے فرمایا امام (محدث) فرشتے کی آواز سنتا ہے مگر اسے دیکھتا نہیں۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ امام کو پہچنوائے بغیر بندوں پر خدا کی حجت تمام نہیں ہوتی۔

حضرت امام علی رضاؑ سے روایت ہے کہ بندوں پر خدا کی حجت بغیر امام کی معرفت کرائے پوری نہیں ہو سکتی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدا کی حجت مخلوقات کے پیدا ہونے سے پہلے بھی تھی، ان کے ساتھ ساتھ بھی رہے گی، اور ان کے بعد بھی موجود رہے گی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ زمین، حجتِ خدا کے بغیر خالی نہیں رہ سکتی۔ خدا نے زمین کو عالم کے بغیر نہیں چھوڑا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حق، باطل سے جدا نہ ہوتا۔ اگر ایک ساعت کیلئے بھی امام زمین پر نہ ہو تو زمین مع اپنے رہنے والوں کے اس طرح جھولنے لگے جیسے کشتی دریا میں طوفان کے وقت جھولتی اور ڈگمگاتی.

ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ اگر دو آدمی بھی زمین پر باقی رہ جائیں گے تو ان میں کا ایک ضرور امام ہوگا۔ اور سب سے آخر میں مرنے والا بھی امام ہوگا، تاکہ کوئی شخص خدا کے سامنے یہ دلیل نہ دے سکے کہ مجھے خدا نے بغیر حجت و دلیل کے چھوڑ دیا تھا۔

(نوٹ): اسی لیے خدا نے سارے انسانوں سے پہلے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا، اور ان کو اپنا خلیفہ (حجت) بنایا۔ حضرت آدمؑ کے پیدا کرنے سے پہلے ہی یہ اعلان خود خدا نے فرمادیا تھا۔ پھر بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ زمین ہو اور خلیفۂ خدا (حجتِ خدا) زمین پر نہ ہو؟ اس کا تصور بھی محال ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ خدا کی عبادت بس وہی کرسکتا ہے جو خدا کو پہچانتا ہے۔ اب جو شخص خدا کو بغیر پہچانے اس کی عبادت کر رہا ہے، تو وہ گمراہی کی عبادت ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی: (فرزند رسولؐ) اللہ کی معرفت (پہچان) کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی معرفت کا کیا طریقہ ہے؟) آپؑ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی دل سے تصدیق کرنا اور حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ سے دوستی رکھنا، اور ان کو اور دیگر ائمہ اہلبیتؑ کو ہدایت دینے والے اور ہدایت یافتہ امام ماننا، اور ان کے دشمنوں سے برأت (بیزاری علیحدگی) اختیار کرنا۔ اس طرح خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک

خدا، رسولؐ اور ائمہ اہلبیتؑ کہ نہ پہچانے اور اپنے زمانے کے امامؑ کو بھی پہچانے۔ اور اپنے تمام معاملات میں انہی کی طرف رجوع کرے۔ اور اپنے کو انہی کے حوالے کردے۔ مگر جو اول (امامؑ) سے جاہل ہے، وہ آخری کو کیا جانے گا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جو (علم) کے گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا، اس نے ہدایت پائی، اور جس نے (علم دین) آل محمدؐ کے غیر سے لیا، اس نے ہلاکت اور تباہی کا راستہ اختیار کیا۔ (کیونکہ جناب رسول خداؐ نے حضرت امام علیؑ کو علم کا باب (دروازہ) قرار دیا ہے اور کیونکہ) خدا نے خود اپنے ولی امر (یعنی جو خدا کے معاملات کا نگراں اور اس کی طرف سے حکم دینے کا اہل ہو) کی اطاعت کو اپنے رسولؐ کی اطاعت سے ملا دیا ہے۔ اور رسولؐ کی اطاعت کو خود اپنی اطاعت سے ملا دیا ہے۔ اب جس نے والیان امر (اولو الامر۔ ائمہ اہلبیتؑ) کی اطاعت نہ کی، اس نے نہ اللہ کی اطاعت کی، نہ رسولؐ کی اطاعت کی۔ صاحبانِ امر ایسے لوگ ہیں جن کیلئے خدا نے فرمایا ان گھروں کو تلاش کرو جن کو بلند کیا گیا ہے اور جن میں خدا کا ذکر ہوتا ہے۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ خرید و فروخت ان کو خدا کی یاد (اطاعتِ خدا) سے غافل نہیں کرتی، اور نہ تجارت انَ و خدا سے بے پرواہ کر سکتی ہے، وہ نماز قائم و دائم کرنے والے، زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں، وہ ڈرے، سہمے رہتے ہیں اس دن سے جس دن دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی۔

خداوند عالم خود ارشاد فرماتا ہے: کوئی امت ایسی نہیں کہ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اس لئے حیران و پریشان ہوا وہ جو اس ڈرانے والے سے جاہل رہا۔ اور ہدایت پائی اس نے جس نے غور و فکر کیا اور عقل سے کام لیا۔

(اسی لئے) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: جہالت آنکھوں کو اندھا نہیں کرتی بلکہ وہ ان دلوں کو اندھا کر دیتی ہے جو سینوں کے اندر ہیں۔ (القرآن)

اس لیے اللہ کے رسولؐ کی پیروی کرو ان کے اہل بیتؑ کی پیروی کرو (کہ وہ رسولؐ کی پیروی میں اکمل ترین افراد ہیں) وہ خدا کی طرف سے امامت اور تقویٰ کے نشانات ہیں۔ اور سمجھ لو کہ اگر کوئی شخص حضرت عیسیٰؑ کا تو انکار کرے اور باقی دوسرے تمام رسولوںؑ کا اقرار کرے، تو وہ ایمان نہیں لایا۔ (اس لیے جو اس کو نہ مانے جو حضرت عیسیٰؑ کو نماز پڑھائے گا وہ کیسے ایمان لا سکتا ہے) اور ان تک پہنچو جو ہدایت کے مینار ہیں۔ پردوں کے پیچھے خدا کی قدرت کے نشانات تلاش کرو، تاکہ تمہارا دین مکمل ہو جائے، اور تم اپنے مالک اللہ پر واقعی ایمان لانے والے بن جاؤ۔

(نوٹ): ثابت ہوا کہ ایک نبی کا انکار سارے انبیاء کرام کا انکار ہے۔ بالکل اسی طرح رسول اکرمؐ کے خدا کی طرف سے مقرر کیئے ہوئے ایک وصی کا انکار بھی، سارے انبیاء کرامؑ اور خود رسول خدا کا انکار ہو گا۔ (مؤلف)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خدا نے تمام کام اسباب کے ذریعہ انجام دیے ہیں۔ اور ہر کام کا ایک سبب (ذریعہ) ہے، جس سے کام انجام پاتا ہے۔ غرض ہر چیز کا ایک سبب ہے، اور ہر سبب کی ایک شرح ہے، اور ہر تشریح کیلئے ایک علم درکار ہے، اور ہر علم کیلئے ایک باب ناطق (بولتا ہوا امام) ہے۔ جس نے ان کو جان لیا، اس نے معرفت حاصل کر لی، اور جو ان سے جاہل رہا، وہ حقیقتاً ۔ اہل ہی رہا۔ یہ علم والے رسول اللہؐ ہیں، اور ہم (ائمہ اہلبیتؑ) ہیں۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جو بھیڑ اپنے گلے سے الگ پھر رہی

ہے وہ راستہ گم کر دیتی ہے اس کو کوئی بھیڑیا اچک لیتا اور چیر پھاڑ ڈالتا ہے۔یہی حال اس امت کے اس شخص کا ہے جس کا کوئی ایسا امام نہ ہو جسے خدا نے امام مقرر کیا ہو۔ ایسی صورت میں وہ آدمی گمراہ ہو کر پریشان گھومتا رہتا ہے۔اب اگر اسی حال میں مرگیا تو کفر و نفاق کی موت مرا۔

جان لو کہ ائمہ کفر (ظالم حکمران) اور ان کے پیچھے چلنے والے دین سے الگ ہیں۔ان کے امام خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہیں۔ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جس کو آندھی کا جھونکا اڑا لے جائے۔بس اسی کا نام کھلی گمراہی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ اعراف ہم ہیں۔ہم روز قیامت اپنے مددگاروں کو ان کی (چمکتی) پیشانیوں سے پہچان لیں گے۔

ہم ہی وہ اعراف ہیں کہ اللہ کی معرفت نہیں ہوتی مگر ہماری معرفت کی وجہ سے۔(ذریعہ سے)

ہم ہی وہ اعراف ہیں کہ جن کی معرفت خدا خود قیامت کے دن پلِ صراط پر کرائے گا۔پس جنت میں داخل نہ ہوگا، مگر وہ جس نے ہمیں پہچانا ہوگا اور جس کو ہم نے پہچانا ہوگا۔اور دوزخ میں نہیں داخل ہوگا، مگر وہ جس نے ہمارا اور ہم نے اس کا انکار کیا ہوگا۔

اگر خدا چاہتا تو اپنے بندوں کو اپنی پہچان خود کرا دیتا۔لیکن خدا نے ہم (ائمہ اہلبیتؑ) کو اپنے 'دروازے'، اپنی صراط اور اپنا راستہ قرار دیا ہے، ہمیں اپنا چہرہ بنایا، جس سے خدا کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔

غرض جس نے ہماری ولایت (اطاعت و سرپرستی) سے منہ پھیر لیا، اور ہمارے غیر (سلاطینِ ظالم) کو ہم پر فضیلت دی، تو ایسے لوگ صراطِ مستقیم سے دھکیل دیے جائیں گے۔ جو لوگ ہمارے غیروں سے تعلق جوڑیں گے وہ گندے چشموں سے سیراب ہوں گے، وہ بھلا کیسے ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں، جو ہماری طرف رخ کریں، اور ہم سے ہر معاملے میں رجوع کریں، اور جو ایسے چشموں سے سیراب ہوں جو خدائے عزوجل کے حکم سے جاری ہوں، ہمارے لیے نہ ختم ہونا ہے اور نہ منقطع ہونا ہے۔ (یعنی ہماری امامت کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اگر تم میں کوئی شخص ایک فرسخ (۳ میل) بھی جاتا ہے تو اپنے لئے ایک راستہ بتانے والا تلاش کرتا ہے جبکہ تم آسمانوں کے راستوں سے زمین (کے راستوں) کی نسبت زیادہ بے خبر ہو۔ ایسی صورت میں آسمانوں کے راستوں کیلئے ایک رہنما (امام) تلاش کر لو۔ (جو آسمانوں کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہو)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے ''جس کو حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کر دیا گیا''۔ (یعنی بے انتہا فائدے دیے گئے) اس جگہ حکمت سے مراد اللہ کی اطاعت اور امامؑ کی معرفت ہے۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''وہ جو میت کی طرح تھا، پھر ہم نے اس کو زندگی بخشی اور اس کیلئے ایک نور قرار دیا کہ وہ اس کی روشنی میں لوگوں کے درمیان چلے پھرے''۔ (القرآن)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ میت سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی

مشکلات (اور صراطِ مستقیم) کو نہیں پہچانتا۔ اور نور سے مراد امامؑ ہے کہ جس کی مشکلات میں پیروی کرنا ضروری ہے۔ اب جو امامؑ کی پیروی نہ کرے وہ شبہات کی تاریکیوں میں اس طرح لپٹا ہوا ہے کہ اس سے نکل نہیں سکتا۔ یہی وہ شخص ہے جو امامؑ کو نہیں پہچانتا۔ (یعنی امام معصوم کی پیروی نہ کرنے والا امامؑ کی معرفت نہ رکھنے کے سبب سے شکوک و شبہات کی تاریکیوں میں پھنسا رہتا ہے)

امیر المومنین حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا ترجمہ یہ ہے: ''جو آئے گا حسنہ (نیکی) کے ساتھ، خدا کی طرف سے اس سے بہتر نیکی اس کیلئے ہے۔ اور وہ قیامت کے دن بے چینیوں سے امن پائے گا۔ اور وہ جو برائی لائے گا، وہ اوندھے منہ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، یہ بدلہ اس کے عمل کا ہوگا جو اس نے خود کیا ہوگا''۔ (القرآن)

پھر آپؑ نے فرمایا حسنہ (نیکی) سے مراد ہماری ولایت (یعنی اطاعت و سرپرستی) کو پہچاننا ہے۔ ہم اہلبیتؑ سے محبت کرنا ہے۔ اور سیۂ (برائی) سے مراد ہماری ولایت (سرپرستی و اطاعت) کا انکار کرنا ہے، اور ہم سے دشمنی رکھنا ہے۔

(نوٹ): حضرت علیؑ کی یہ تفسیر آیۂ مودۃ سے بھی ثابت ہے کہ پہلے خدا نے اقربائے رسولؐ کی مودۃ کا حکم دیا پھر فرمایا من یقترف حسنة نزدله فیها حسنا یعنی جو (اس) نیکی کو کمائے گا ہم اس کی نیکیوں میں اضافہ کردیں گے۔ (شوریٰ ۴۲ آیت ۲۳) (القرآن)

اس آیت میں اہلبیتؑ کی محبت کو دو مرتبہ حسنہ (نیکی) فرمایا ہے۔ اس لیے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حسنہ سے (اصل) مراد اہل بیت رسولؐ کی محبت ہے۔ کیونکہ یہی تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔

ائمہ اہلبیتؑ کی اطاعت فرض ہے:۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: دین کی بلندی، سرفرازی کی چابی اور اس کی کامیابی کا دروازہ خدا کی رضامندی ہے۔ اور امامؑ کی معرفت کے بعد اس کی اطاعت کرنا ہے۔ (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے منہ پھیر لیا تو (اے رسولؐ) ہم نے تمہیں ان پر داروغہ یا نگران بنا کر نہیں بھیجا"۔ (یعنی اگر وہ رسولؐ اور وصی رسولؐ کی اطاعت نہیں کریں گے تو خود کو تباہ کریں گے۔ رسولؐ یا آلِ رسولؐ کا کچھ نہ بگڑے گا)

خداوند عالم کا ارشاد فرمانا کہ "ہم نے ان کو ملک عظیم دیا"۔ اس آیت کے بارے میں حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اس ملک عظیم سے مراد ہماری (محمدؐ و آل محمدؐ) کی وہ اطاعت ہے جو لوگوں پر فرض کی گئی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ہم (محمدؐ و آل محمدؐ) وہ ہیں کہ خداوند عالم نے ہماری اطاعت کو فرض کیا ہے۔ مالِ غنیمت اور ہر قسم صاف و پاک مال میں ہمارا حصہ (خمس یعنی پانچواں حصہ) ہے۔ ہم ہی راسخون فی العلم ہیں۔ (یعنی علم الٰہی میں راسخ ہیں) ہم ہی وہ لوگ ہیں کہ جن سے حسد کیا جاتا ہے۔ اور جن کے متعلق خداوند عالم نے ارشاد فرمایا: کیا وہ حسد کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انکو دے رکھی ہے۔ (القرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے فرمایا کہ اوصیاءِ رسول خدا (ائمہ اہلبیتؑ) وہی

لوگ ہیں جن کے متعلق خداوند عالم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی (اطاعت کرو) جو تم میں اولی الامر (حکم دینے والے) ہیں۔

یہی اوصیاء رسول خداؐ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا: انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الذکوٰۃ وھم راکعون (مائدہ آیت ۵۵)

یعنی: بیشک تمہارا ولی اللہ ہے، اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں، (یہ وہ ہیں) جو کہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

(القرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جس نے ہم (ائمہ اہلبیتؑ) کو پہچانا، وہ مومن (کامل) ہے۔ جس نے ہمارا اقرار نہ کیا وہ کافر ہے۔ جس نے ہمیں نہ پہچانا، لیکن (ہمارا) انکار بھی نہ کیا، وہ گمراہ ہے، جب تک کہ وہ اس ہدایت کی طرف نہ لوٹے جسے خدا نے ہماری اطاعت کی شکل میں واجب کیا ہے۔ اب اگر وہ اسی گمراہی کے عالم میں مرگیا، تو اللہ جو سزا چاہے گا اسے دے گا۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "ہماری محبت ایمان ہے اور ہماری دشمنی کفر ہے"۔ (یعنی ہم سے دشمنی رکھنا کفر ہے)

(نوٹ): جناب رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ اے علیؑ تمہاری محبت ایمان ہے اور تم سے دشمنی رکھنا کفر و نفاق ہے۔ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی)

حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ سے روایت ہے کہ جان لو امام (امامت) اور اس کی پیروی کرنا، وہ دین ہے جس کی جزاء اللہ دے . امام کی اطاعت سے حقیقی

نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، اور برائیاں ختم چلی جاتی ہیں۔ یہ نیکیوں کا ذخیرہ ہے مومنین کیلیے۔ اسی سے ان کے درجات زندگی میں بلند ہوتے ہیں، اور مرنے کے بعد ان کیلیے خدا کی رحمت ہی رحمت ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خداوند بزرگ و برتر نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن ہم ہر گروہ کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے، اور اے رسول تم کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔ (القرآن)

امامؑ نے فرمایا یہ آیت خاص طور پر امت محمدیہؐ کیلیے نازل ہوئی ہے۔ ان کا ہر گروہ یا فرقہ اپنے امام کے ساتھ ساتھ ہوگا، اور ہم ان سب پر گواہ ہوں گے، اور حضرت محمدؐ ہم سب پر گواہ ہوں گے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جس نے ہماری تصدیق کی، قیامت کے دن ہم اس کی تصدیق کریں گے، اور جس نے ہم کو جھٹلایا، قیامت کے دن ہم اس کو جھٹلائیں گے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے ملة ابیکم ابرٰهیم یعنی تم اپنے باپ ابراہیمؑ کا گروہ ہو۔

وہ ملتِ ابراہیمؑ خاص طور پر ہم ہیں، ہمارا ہی نام پچھلی آسمانی کتابوں میں مسلمین یعنی خدا کے (کامل اور حقیقی) فرماں بردار آچکا ہے اور اس قرآن میں بھی ہمارا یہی نام ہے۔ تا کہ رسول خداؐ ہم پر گواہ ہوں، اور ہم تم لوگوں پر گواہ ہوں۔

حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم کو پاک و پاکیزہ اور معصوم قرار دیا۔ (اسی لئے) ہمیں زمین پر اپنی حجت بنایا اور قرآن مجید کو ہمارا ساتھی

بنایا اور ہمیں قرآن مجید کا ساتھی بنایا اور نہ ہم قرآن مجید سے جدا ہوں گے اور نہ قرآن مجید ہم سے جدا ہوگا۔

اہلبیتؑ پاک کے ہر سانس کو اے مدّعی
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

خداوند کریم کے اس ارشاد کے متعلق کہ **ولکل قوم ھاد** یعنی ہر قوم کیلئے کوئی ھادی ضرور ہے۔ (القرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہر امام اپنے زمانے کے لوگوں کیلئے ھادی ہوتا ہے۔

خداوند کریم کے اس ارشاد کے متعلق کہ اے رسول! تم ڈرانے والے ہو، اور ہر قوم کیلئے ھادی ہوتا ہے۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: جناب رسول خداؐ ڈرانے والے، اور ہم (اہلبیتؑ) میں سے آنحضرتؐ کے بعد ایک ھادی ہوتا ہے، جو لوگوں کی ہدایت کرتا ہے، ان تعلیمات کی طرف جو آنحضرتؐ لے کر آئے تھے۔

اول خلق کے ھادی حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ ہوئے اور ان حضرتؑ کے بعد اوصیاءِ رسولِ خداؐ (ائمہ اہلبیتؑ) ہیں۔ ایک کے بعد ایک۔ اور ہم سے یہ امر ہدایت قیامت تک نہیں جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ہم (ائمہ اہلبیتؑ) امر الٰہی کے ولی (یعنی حکم خدا کے پہنچانے اور حفاظت کرنے والے) ہیں۔ ہم خدائے تعالیٰ کے علوم کا خزانہ ہیں۔ اور خدا کے رازوں کا مرکز ہیں۔

حضرت امام رضاؑ سے روایت ہے کہ ائمہ اہلبیتؑ اللہ کے خلیفہ ہیں اس کی

زمین پر۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ اگر ہم (محمدؐ وآلِ محمدؐ) نہ ہوتے تو خدا کی پہچان (معرفت) نہ ہوتی۔ اس لیے ہم اللہ کے باب (دروازے) ہیں اور ہم سے خدا نے اپنی مخلوق پر اپنی حجت کو قائم فرمایا ہے۔

راوی نے امام جعفر صادقؑ سے ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"اللہ نے ایمان لانے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں، ان کو زمین پر اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا"۔ (القرآن)

امامؑ نے فرمایا: ان خلفاء سے مراد ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔

ابو خالد کابلی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے اس آیت قرآنی کے بارے میں سوال کیا: (ترجمہ آیت) "ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر، اور پیروی کرو اس نور کی جسے ہم نے اتارا ہے"۔ (القرآن)

حضرت امامؑ نے فرمایا "خدا کی قسم اس نور سے مراد ائمہ اہلبیتؑ ہیں۔ اے ابو خالد! نور امامؑ ہے اور اے ابو خالد! امامؑ کا نور مومنین کے دلوں میں دوپہر کے وقت سورج کی روشنی سے بھی کہیں زیادہ تیز چمکتا ہے، اور وہی (امامؑ) مومنین کے دلوں کو روشن کرتا ہے، مگر خدا اس نور کو روک دیتا ہے جس سے چاہتا ہے۔ پس ان کے دل تاریک ہو جاتے ہیں، اور ان پر پردے پڑ جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ قرآن مجید کی وہ آیت کہ

اللہ نور السموت والارض (اللہ آسمانوں اور ازمین کا نور ہے) مثل نورہ کمشکوۃ (اس کے نور کی مثال مشکوۃ (چراغدان) کی سی ہے۔

امامؑ نے فرمایا مشکوۃ (چراغدان) سے اولین مراد حضرت فاطمہ زہراؑ ہیں۔ فیھا مصباح (چراغ) سے مراد حضرت امام حسنؑ ہیں۔ المصباح فی زجاجۃ (وہ چراغ شیشہ میں ہے) شیشہ سے مراد حضرت امام حسینؑ ہیں۔ الزجاجۃ کانھا کوکب درّی یعنی (شیشہ چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہے)

حضرت فاطمہ زہراؑ تمام عالم کی عورتوں کے درمیان روشن ستارے کی طرح ہیں۔ یوقد من شجرۃ مبارکۃ یعنی وہ چراغ روشن ہے شجرہ مبارکہ یعنی حضرت ابراہیمؑ سے زیتونۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ یعنی (چراغ کا تیل زیتون کا ہے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی) یعنی جو نہ یہودی ہے، نہ عیسائی۔

یکاد زیتھا یضئ ولو لم تمسسہ نار. نور علیٰ نور. یھدی اللہ لنورہ من یشآء. ویضرب اللہ الامثال للناس

یعنی: قریب ہے کہ علم (کا دریا) اس کے تیل سے پھوٹ نکلے، اگرچہ آگ نے اسے چھوا بھی نہ ہو، تب بھی وہ نورِ علیٰ نور ہے۔ ایک نور کے بعد دوسرا نور ہے۔

یعنی: ایک امامؑ کے بعد دوسرا امامؑ ہے۔ خدا اس نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے، یعنی ائمہ اہلبیتؑ کے ذریعہ سے خدا ہدایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ لوگوں کیلئے ایسی مثالیں بیان فرماتا رہتا ہے۔ (سورۃ ۲۴ النور آیت ۳۵)

حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ نے اس قرآنی آیت کے بارے میں کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم

نورہ ولو کرہ الکفرون (سورۃ ۶۱ الصف آیت ۸ پ ۲۸)

یعنی: وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کی اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، جبکہ اللہ اپنے نور کو مکمل کر کے رہے گا، اگرچہ کافروں کو ناگوار ہی (کیوں نہ) ہو۔ (القرآن)

آپؑ نے فرمایا اللہ امامت کے نور کو مکمل کر کے رہے گا۔ وہ نور امامت ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: احکام شریعت کے سلسلے میں علی ابن ابی طالبؑ کی عیب جوئی کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے خدا اور رسول کی عیب جوئی کرنے والا ہے۔ حضرت علیؑ کی کسی چھوٹی یا بڑی بات کا رد کرنے والا شرک کرنے والا ہے، کیونکہ حضرت امام علیؑ (رسول خداؐ کے علم کا) وہ دروازہ ہیں جس سے آیا جانا چاہیئے، اور وہ راستہ ہیں جس کو چھوڑ کر چلنے والا ضرور ہلاک ہوتا ہے۔ تمام ائمہ اہلبیتؑ کو خدا نے زمین کا رکن (ستون) قرار دیا ہے۔ تاکہ زمین اپنے رہنے والوں کے ساتھ ڈگمگانے نہ لگے۔ ائمہ اہل بیتؑ زمین کے اوپر، آسمان کے نیچے خدا کی حجتِ بالغہ (بھرپور دلیل) ہیں۔

حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ فرمایا کرتے تھے کہ میں جنت اور جہنم کا تقسیم کرنے والا ہوں۔ میں ہی فاروقِ اکبر (سب سے بڑا حق کو باطل سے جدا کرنے والا) ہوں۔ میں صاحب عصا ہوں (تمام مسلمانوں کو ایک نقطے پر جمع کرنے کا سبب ہوں) میں صاحب میسم ہوں (وہ نشانیاں ہوں جو امامت کی دلیل ہیں) میری وصایت (جانشینیِ رسولؐ) کا تمام ملائکہ، مرسلینؑ اور روح امینؑ نے اعتراف کیا ہے۔ مجھے منصب امامت بالکل اسی طرح عطا کیا گیا تھا، جس طرح جناب رسول اللہ کو یہ منصب (نبوت) خدا کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ روز قیامت آنحضرتؐ کو

بلایا جائے گا، اور وہ خلعتِ رسالت زیب تن کیے ہوئے ہوں گے۔ اور مجھے بھی بلایا جائے گا، اور میں بھی خلعتِ امامت پہنے ہوئے ہوں گا۔ پھر وہ حضرت کلام فرمائیں گے، اور میں بھی ان حضرت کی طرح کلام کروں گا۔ مجھے چار خصلتیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی (غیر نبی) کو نہیں دی گئیں۔

(۱) مجھے موتوں اور بلاؤں کا علم دیا گیا ہے۔

(۲) مجھے انساب کا علم دیا گیا ہے۔

(۳) مجھے فیصلے کرنے کا علم دیا گیا ہے۔

(۴) مجھے غیب کا علم دیا گیا ہے۔ (یعنی) مجھ سے کوئی چیز غائب نہیں رہی جو مجھ سے پہلے ہو چکی ہے، اور جو پوشیدہ ہے (آئندہ کیلئے) وہ بھی مجھ سے دور نہیں۔ یہ سب (علم) خدا کی اجازت سے میرے سپرد کیا گیا ہے۔ (رسول خداؐ کے ذریعے)

حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ نے فرمایا: خداوند عالم نے اپنے نبی کی روح کو اس وقت تک قبض نہیں کیا جب تک دینِ اسلام کو کامل نہیں کر لیا۔ خداوند کریم نے قرآن مجید کو نازل فرمایا، جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

قرآن مجید میں وہ تمام باتیں بیان کی گئی ہیں جن کی لوگوں کو ضرورت ہے۔ اسی لئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا: ''ہم نے (قرآن) کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا''۔ اور جناب رسول اللہؐ کی آخری عمر میں یہ آیت اتری:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (مائدہ۵ آیت ۳۔ پ۶)

یعنی: ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا، اور تم پر اپنی

نعمت کو تمام کر دیا۔ اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین (کی حیثیت سے) پسند کرلیا"۔ (القرآن)

اسی لیے جناب رسول اللہؐ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک اپنی امت پر دین کے تمام احکامات کو ظاہر نہ کر دیا اور لوگوں کو حق کے راستے پر لگا کر نہ چھوڑا، اس طرح حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ کو تمام امت کیلئے ہدایت کی نشانی اور امامؑ بنایا۔ اس لیے اب جس کسی نے یہ سوچا کہ خدا نے اپنے دین کو نامکمل چھوڑا ہے اس نے خدا کی کتاب کو رد کیا۔

کیا لوگوں کو امام بنانے کا اختیار دیا گیا ہے؟ امامت اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت بلند اور اعلیٰ مرتبہ ہے، امامت کا مفہوم بہت گہرا ہے۔ لوگوں کی عقلیں امامؑ کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اس لئے لوگ اپنے اختیار سے کسی کو امام نہیں بنا سکتے۔ (مثلاً خود قرآن میں) اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو منصبِ امامت سے مخصوص فرمایا، وہ بھی نبوت اور خلت کے عظیم مراتب کے بعد۔ گویا امامت (نبوت، رسالت، خلت کے بعد) کا چوتھا مرتبہ ہے۔

(ثابت ہوا کہ امامت۔ نبوت، رسالت اور خلت سے بلند درجہ ہے)

خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو امامت کے مرتبے کا شرف بخشا، اور فرمایا: انی جاعلک للناس اماما یعنی: میں تم کو لوگوں کا امام مقرر کرنے والا ہوں۔ خلیلِ خدا نے خوش ہو کر اللہ کی عطا کو قبول کرلیا، اور بارگاہِ الٰہی میں درخواست کی: اور میری ذریت میں سے (بھی امامت کا مرتبہ عطا فرمانا) خداوند بزرگ و برتر نے ارشاد فرمایا: لاینال عھدی الظلمین میرے اس عہدے کو

ظالمین نہ پاسکیں گے۔ (القرآن)

اس طرح اس آیت نے قیامت تک کیلئے ظالموں (گنہگاروں) کی (خود ساختہ) امامت کو باطل کر دیا۔ اور امامت کو اپنے خاص خاص لوگوں میں قرار دیا، جو خدا کے چنے ہوئے تھے۔

پھر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ شرف بھی بخشا کہ انکی اولاد میں صاحب طہارت لوگوں کو پیدا کیا۔ خود خدا نے فرمایا: ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ و یعقوبؑ عطا کیے، ان سب کو صالح اور امام بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے، اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کی، نماز کو قائم رکھنے کی، اور زکوۃ ادا کرتے رہنے کی وحی کی۔ (القرآن)

پس اس طرح امامت کا عہدہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں بطور میراث ایک دوسرے کی طرف صدیوں تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے وارث ہمارے نبی اکرمؐ ہوئے۔ جیسا کہ خود خدا نے ارشاد فرمایا: تمام لوگوں میں بہترین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابراہیمؑ کی پیروی کی، اور یہ نبیؐ، اور جن لوگوں نے اس کو دل سے مان لیا، تو اللہ خود ایسے مومنوں کا ولی (سرپرست اور مددگار) ہے۔ (القرآن)

پس اس طرح یہ مرتبہ جناب رسول خداؐ کیلئے خاص ہوگیا۔ پھر یہ عہدۂ امامت حضرت علیؑ سے مخصوص ہوا، اسی اصول کی بناء پر جو خود خدا نے فرض کیا ہے، جناب رسول خداؐ کی اولاد میں وہ اصفیاء (منتخب امام) ہوئے جن کو خود خدا نے علم اور ایمان عطا فرمایا۔ جیسا کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جن کو علم و ایمان دیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ تم قیامت کے دن تک

کتاب خدا کے ساتھ رہے"۔ (القرآن)

کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں۔ پس اس صورت میں جاہلوں کو امام بنانے کا حق کہاں سے حاصل ہوگیا؟ کیونکہ امامت انبیاء کرامؑ کی منزلت جیسی ہے۔ اوصیاءِ انبیاءؑ کی میراث ہے، امامت اللہ کی خلافت ہے۔ رسول خداؐ کی جانشینی ہے۔ امیر المومنینؑ کا مقام ہے۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ کی میراث ہے۔ (جو روز ازل سے طے ہے)

امامت دین کی محافظ ہے۔ مسلمانوں کو منظم رکھنے کا نظام ہے۔ اسی سے دنیا اور دین کے معاملات درست چلتے ہیں۔ اور مومنین کی عزت ہے۔

☆ امامت اسلام کا سر ہے۔ اسلام کی بلند ترین شاخ ہے۔

☆ امامؑ ہی سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد کا تعلق ہے۔

☆ امامؑ ہی مالِ غنیمت کا مالک ہے۔

☆ امامؑ ہی صدقات کا وارث ہے۔

☆ امامؑ ہی خدا کے مقرر کیے ہوئے حدود کو جاری کرنے والا ہے۔

☆ امامؑ ہی مسلمانوں کی سرحدوں کا محافظ ہے۔

☆ امامؑ انہی چیزوں کو حلال بتلاتا ہے جسے خدا نے حلال فرمایا ہے۔

☆ امامؑ ان ہی چیزوں کو حرام بتلاتا ہے جن کو خدا نے حرام قرار دیا ہے۔

☆ امامؑ حدودِ خدا کو قائم کرتا ہے۔

☆ امامؑ دینِ خدا کے دشمنوں کو دفع کرتا ہے۔

☆ امامؑ ہی لوگوں کو دینِ خدا کی طرف بلاتا ہے۔

☆ امامؑ حکمت (دانائی) اور عمدہ نصیحت کی باتیں بتلاتا ہے۔

☆ امامؑ خدا کی پوری حجت ہے۔

☆ امامؑ چڑھتا ہوا آفتاب عالم تاب ہے۔

☆ امامؑ ایک ایسا بلند مقام رکھتا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔

☆ امامؑ (ہدایت کے) میٹھے پانی کا چشمہ ہے جس سے (راہ ہدایت کے) پیاسے سیراب ہوتے ہیں۔

☆ امامؑ ہلاکتِ ابدی سے نجات دلاتا ہے۔

☆ امامؑ اس مشعل کی مانند ہے جو کسی بلندی پر لوگوں کو راستہ دکھانے کیلئے روشن کی جائے۔

☆ امامؑ ہلاکتوں میں صحیح راستہ بتانے والا ہے۔اس لیے

☆ امامؑ سے جدا ہونے والا ہلاک و برباد ہو جاتا ہے۔

☆ امامؑ برسنے والا بادل ہے۔

☆ امامؑ سایہ فگن آسمان ہے۔

☆ امامؑ ہدایت کی کشادہ زمین ہے۔

☆ امامؑ ابلنے والا (ہدایت کا) چشمۂ آب فرات ہے۔

☆ امامؑ مومنین پر مہربان ہے

☆ امامؑ مومنین کا بہترین ساتھی ہے۔

☆ امامؑ شفیق باپ ہے۔

☆ امامؑ ہر مومن کا سگا بھائی ہے۔

☆ امامؑ مومن کے ساتھ ایسا ہمدرد ہے، جیسے مہربان ماں اپنے چھوٹے بچے پر۔

☆ امامؑ لوگوں کی مصیبتوں میں ان کی فریادوں کو پہنچنے والا ہے۔

☆ امامؑ خدا کی مخلوق میں، خدا کا امین ہے۔

☆ امامؑ خدا کی حجت ہے۔

☆ امامؑ خدا کے بندوں پر خدا کا خلیفہ ہے۔

☆ امامؑ مخلوقِ خدا کے شہروں میں اللہ کی طرف بلانے والا ہے اور

☆ امامؑ حرمِ خدا سے خدا کے دشمنوں کو دور کرنے والا ہے۔

مگر لوگوں نے خدا کے منتخب رسولؐ اور اہلبیت رسولؐ سے زیادہ اپنے انتخاب کو پسند کیا۔ حالانکہ قرآن ان کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے: ''تیرا پالنے والا مالک جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے، لوگوں کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اللہ لائقِ تسبیح بھی ہے، اور شرکت سے پاک بھی''۔ (القرآن)

اور تیرا خدا یہ بھی فرماتا ہے: ''جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی بات کو طے کر دیں تو پھر کسی مومن یا مومنہ کو ان کے اپنے معاملے میں بھی کوئی اختیار حاصل نہیں رہتا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم خود کیسے فیصلے کرتے ہو؟'' (القرآن)

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''کیا یہ لوگ قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ یا ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے؟ کہ وہ سمجھتے ہی نہیں''۔ (القرآن)

امام کی معرفت وخصوصیات:۔

پس اس صورت میں خود امام بنانے میں ان کا اختیار کہاں رہا؟۔

☆ امامؑ عالم ہوتا ہے کسی بات سے ناواقف نہیں ہوتا۔

☆ امامؑ دین کے معاملے میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتا۔

☆ امامؑ معدنِ قدس وطہارت ہوتا ہے۔

☆ امامؑ صاحبِ زہد وعبادت ہوتا ہے۔

☆ امامؑ صاحبِ علم وریاضت ہوتا ہے۔

☆ امامؑ دعاءِ رسولؐ سے مخصوص ہوتا ہے۔

☆ امامؑ (حضرت علیؑ کے بعد) نسلِ سیدہ فاطمہ زہراؑ معصومہ سے ہوتا ہے۔

☆ امامؑ کے نسب میں کھوٹ نہیں ہوتی۔ کوئی اس کی شرافتِ حسب ونسب میں برابر نہیں ہوتا۔

☆ امامؑ خاندانِ قریش سے ہوتا ہے۔

☆ امامؑ خاندانِ بنی ہاشم میں سب سے بلند مرتبہ ہوتا ہے۔

☆ امامؑ عترتِ رسولِ خداؐ سے ہوتا ہے۔

☆ امامؑ مرضیِ خدا کا چاہنے والا ہوتا ہے۔

☆ امامؑ تمام فیصلوں کا حامل ہوتا ہے۔

☆ امامؑ حلم کو ترقی دینے والا، اور حلم سے بھرا ہوتا ہے۔

امامؑ علم لدنی کا مالک ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ خداوند عالم کے احکام امامؑ کے وسیلے کے بغیر حاصل نہیں ہوتے اور نہ خدا اپنے بندوں کے اعمال اس وقت قبول کرتا ہے جب تک وہ امام نہ پہچان لیں۔

امامؑ شکوک وشبہات کو دور کرنے والا ہوتا ہے، اور رسول خداؐ کی سنتوں کی گتھیوں کو کھولنے والا ہوتا ہے۔ خدا نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اولاد امام حسینؑ سے (اماموں کا) انتخاب فرمایا، ایک امامؑ کے بعد دوسرے امام کو چنا۔ انہی سے اپنی مخلوق کو ہدایت پانے پر راضی ہوا، ان اماموں کو اسی کام کیلئے چنا۔ جب بھی ان میں سے کوئی امامؑ دنیا سے گیا، اس کے بعد فوراً دوسرا امامؑ معین کیا، جو اس کی وحدانیت کا روشن نشان اور (ہدایت کی) روشنی پھیلانے والا ہادی، اور دل ودماغ کو قوت بخشنے والا امام تھا۔ غرض جو ائمہؑ خدا کی طرف سے امامؑ ہیں صرف وہی حق کی طرف ہدایت کرتے ہیں، اور عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں، وہ خدا کی مخلوق پر خدا کی طرف سے مقرر کیے ہوئے نگہبان (محافظ) ہیں اور خدا کے بندوں کیلئے باعثِ ہدایت ہیں۔ ان ہی کے نور سے شہروں میں (ہدایت کی) روشنی پھیلی ہوئی ہے اور وہ۔

☆ امامؑ اندھیروں کی روشنیاں ہیں۔۔۔وہ

☆ امامؑ خدا کے کلام کی کنجیاں ہیں۔۔۔وہ

☆ امامؑ اسلام کے ستون ہیں۔۔۔وہ

☆ امامؑ خدا کے پسندیدہ ہیں۔۔۔وہ

☆ امامؑ خدا کے منتخب کئے ہوئے ہوتے ہیں۔۔۔وہ

☆ امامؑ خدا کی بارگاہ میں مقبول ہوتے ہیں۔۔۔وہ

☆ امامؑ ایسے ہادی ہیں جو خدا کے اسرار کے اترنے کی جگہ ہیں۔۔۔وہ

☆ امامؑ کیونکہ خدا کے منتخب ہیں اس لیے طہارت سے مخصوص ہیں۔۔۔۔وہ

☆ امامؑ اولادِ آدمؑ کے بقیہ (سردار) ہیں۔۔۔۔وہ

☆ امامؑ ذریتِ نوحؑ ہیں۔۔۔۔وہ

☆ امامؑ اولادِ ابراہیمؑ سے خدا کے چنے ہوئے ہیں۔۔۔۔وہ

☆ امامؑ آلِ اسماعیلؑ کا خلاصہ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔وہ

☆ امامؑ محمد مصطفیٰؐ کے جگر کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔

خدا کی آنکھ ہمیشہ ان کی حفاظت کرتی ہے تاکہ ان کی عصمت باقی رہے، خدا خود انہیں شبہات کے اندھیروں سے بچاتا رہتا ہے۔۔۔اور خدا اس امامؑ کو عیبوں سے پاک صاف اور بری رکھتا ہے۔

خدا اس امامؑ کو لغزشوں سے بچائے رکھتا ہے۔

خدا اس امامؑ کو فواحش سے محفوظ رکھتا ہے۔

☆ امامؑ اولِ عمر ہی سے حلیم و بردبار ہوتا ہے۔۔۔اور

☆ امامؑ اولِ عمر ہی سے نیک ہوتا ہے۔۔۔۔اور

☆ امامؑ آخرِ عمر تک عفت مآب ہوتا ہے۔۔۔اور

☆ امامؑ آخرِ عمر تک صاحب علمِ (لدنی) ہوتا ہے (یعنی خدا خود اسکو علم عطا فرماتا ہے)۔۔۔اور

☆ امامؑ آخرِ عمر تک فضل (وشرف) کا مالک ہوتا ہے۔۔۔۔اور

☆ امامؑ اپنے والد (بزرگوار) کے امر پر قائم (جانشین) ہوتا ہے۔۔۔اور

☆ امامؑ اپنے والد (بزرگوار) کی زندگی میں خاموش رہتا ہے۔۔۔۔اور

☆ امامؑ اپنے والد (بزرگوار) کی مدتِ حیات ختم ہونے پر اپنی امامت کے کاموں کا آغاز کرتا ہے۔۔۔۔خود خدا کا ارادہ امامؑ کو اپنی حجت قرار دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ: ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت عطا کی (اور اس طرح) ہم نے ان کو ملکِ عظیم عطا کر دیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اولادِ ابراہیمؑ میں نبیؑ، رسولؑ اور امامؑ مقرر فرمائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ لوگ اولادِ ابراہیمؑ میں تو اس فضیلت کو مانتے ہیں۔اور آلِ محمدؐ میں اس فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔اس آیت میں ملک عظیم سے مراد ہی یہ ہے کہ اولادِ ابراہیمؑ میں خدا نے امامؑ بنائے۔ایسے امامؑ کہ جس نے ان (اماموںؑ) کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی، اور جس نے اِن (اماموںؑ) کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔بس یہی ملک عظیم ہے۔

خداوند عالم کا ارشاد فرمانا کہ ”اور علامات ہیں اور ستارے سے وہ ہدایت حاصل کرتے ہیں“۔ (القرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: نجم (ستارے) سے مراد رسولِ خداؐ ہیں اور خداوند عالم کی علامات (نشانیاں) ہم (ائمہ اہلبیتؑ) ہیں۔

حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ نے اس آیت عم یتساء لون عن النبا العظیم (پارہ ۳۰، آیت ۱)

یعنی ”وہ لوگ نبا (خبر) عظیم کے بارے میں سوال کرتے ہیں“۔آپ نے فرمایا مجھ

سے بڑی نہ کوئی آیت (نشانی) ہے اور نہ مجھ سے بڑی کوئی نبا (خبر) ہے۔

جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص چاہتا ہے کہ ایسی زندگی گزارے جیسی انبیاء کرامؑ نے گزاری ہے، اور اس کا مرنا شہیدوں کا سا ہو، اور وہ جنت میں رہنا چاہے جس کو خود اللہ تعالیٰ نے بنایا سجایا ہے، اس کو چاہیئے کہ وہ علیؑ کو دوست رکھے، اور ان کے بعد ائمہ (اہلبیتؑ) کی پیروی کرے، جو میری عترت و اولاد ہیں۔ وہ میری مٹی (طینت) سے پیدا ہوئے۔ اللہ نے ان کو میرا جیسا علم اور میری جیسی فہم و فراست عطا فرمائی ہے۔ وائے ہو میری امت کے ان لوگوں پر جو ان کے مخالف ہوں۔ خداوندا! میری شفاعت ان کو نصیب نہ ہو''۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: ہم ہی راسخون فی العلم (علم میں مضبوط لوگ) ہیں۔ ہم ہی قرآن کی تاویل (اولین معنی) کے جاننے والے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: یہ (قرآن) تمہارے لیے ذکر (نصیحت) ہے، اور تمہاری قوم کیلئے بھی ذکر ہے۔ (القرآن)

امامؑ نے فرمایا: ذکر سے مراد قرآن ہے، اور ہم (اہلبیتؑ) رسول خداؐ کی قوم ہیں۔ (اولین معنی میں) اور ہم ہی وہ ہیں جن سے سوال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کیا وہ جو جانتے ہیں، ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو نہیں جانتے''۔ اس کے بارے میں امامؑ نے فرمایا کہ: ہم (ائمہ اہلبیتؑ) وہ ہیں جو جانتے ہیں اور علم رکھتے ہیں، جو لوگ علم نہیں رکھتے، وہ ہمارے دشمن ہیں، اور ہماری پیروی کرنے والے صاحبانِ عقل و فہم ہیں۔ (آیت کے آخری الفاظ بھی یہی ہیں کہ: صاحبانِ عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ہم (ائمہ اہلبیت) راسخون فی العلم ہیں۔ (کیونکہ) ہم قرآن کی تاویل (اولین اور حقیقی معنی) کے جاننے والے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ

یوم ندعوا کل اناس بامامهم (سورۃ ۷ ابنی اسرائیل آیت ۷۱)

یعنی: اس روز ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ تو مسلمانوں نے عرض کی: یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ سب لوگوں کے امام نہیں؟ جناب رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: میں تمام انسانوں کی طرف خدا کا رسولؐ ہوں، مگر میرے بعد میرے اہلبیت سے امام ہوں گے۔ وہی لوگوں کے ہادی اور سیدھا راستہ دکھانے والے ہوں گے، مگر لوگ ان کو جھٹلائیں گے اور ائمہ کفر (جھوٹے امام یا ظالم حکمران) ان پر ظلم کریں گے۔ ائمہ ضلال (گمراہ کرنے والے امام یعنی حکام جور) ان کے ماننے والوں کو بھی ستائیں گے۔ پس جن لوگوں نے ان (سچے اماموںؑ) سے محبت کی اور ان کی پیروی کی، اور ان کی تصدیق کی، وہ مجھ سے ہیں، میرے ساتھی ہیں اور عنقریب مجھ سے ملاقات کریں گے۔ اور جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہوگا اور ان کو جھوٹا سمجھا ہوگا، وہ مجھ سے نہیں ہیں، میں ان سے بری ہوں۔ (یعنی الگ ہوں)

حضرت امام محمد باقرؑ نے اس آیت کے بارے میں کہ **ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخیرات باذن الله ذالک هو الفضل الکبیر**

(سورۃ ۳۵ فاطر آیت ۳۲ پ ۲۲)

یعنی: پھر ہم نے اپنی اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں

میں سے چن لیا تھا۔ پس ان میں سے کچھ تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ حکم خدا سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ یہی تو (خدا کا) بہت بڑا فضل ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے (بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرنے والے) امامؑ (ائمہ اہلبیتؑ) ہیں۔ میانہ رو: وہ لوگ ہیں جو امامؑ (برحق) کو پہچانتے ہیں۔ اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے: وہ لوگ جو امامؑ کو نہیں مانتے۔

راوی نے حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ سے اس آیت ثم اورثنا الکتب یعنی: پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ (القرآن)

کے بارے میں امامؑ نے فرمایا: وہ اولادِ فاطمہؑ (کے ائمہؑ) ہیں۔ وہی سابق بالخیرات (نیکیوں میں سب سے آگے بڑھ جانے والے) ہیں۔

قرآن مجید کا یہ ارشاد فرمانا کہ "یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس چیز کی طرف جو بالکل مضبوط اور درست ہے"۔ اس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: یہ قرآن امامؑ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اس لئے کہ امامؑ کے بغیر ہدایت کا ملنا ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ "اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو"۔ اس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کی نعمت کیا ہے؟ راوی نے عرض کی نہیں۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: وہ نعمت مخلوق پر نازل کی ہوئی تمام نعمتوں سے بڑی ہے، اور وہ نعمت ہماری ولایت ہے۔

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: "بیشک اس میں نشانیاں ہیں صاحبانِ فراست کیلئے اور یہ ایک قائم رہنے والا راستہ ہے"۔ (القرآن)

حضرت امامؑ نے فرمایا: وہ صاحبانِ فراست (انتہائی عقلمندنوںؑ) ہم (ائمہ اہلبیتؑ) ہیں۔ اور ہم ہی وہ راستہ ہیں جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا کہ: صاحبانِ فراست میں سب سے اول جناب رسول خداؐ تھے، آنحضرتؐ کے بعد میں ہوں، اور پھر میری ذریت (کے ائمہؑ)

قرآن مجید کا ارشاد کہ: "عمل کرو، پس اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے، اور اس کا رسولؐ اور مومنین دیکھ رہے ہیں"۔ اس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ یہاں مومنین سے مراد ہم ائمہ (اہلبیتؑ) ہیں۔

قرآن مجید کی آیت جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: "وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا مالک ہے، اور وہ پھر اس پر قائم بھی رہے"۔ اس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو امامت کے عقیدے پر یکے بعد دیگرے قائم رہے۔ یعنی ایمان لاتے رہے۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں، اور ان سے کہتے ہیں کہ "آئندہ کا خوف نہ کرو، اور نہ پچھلی باتوں پر غم کرو۔ تم کو اس جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے"۔ (القرآن)

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ وہ علم جو حضرت آدمؑ لے کر آئے تھے، اٹھا نہیں لیا گیا۔ علم میراث میں چلا کرتا ہے۔ اور حضرت امام علی ابن ابی طالبؑ اس امت کے عالم تھے، اور ان جناب کے بعد ہم ہیں۔ اور ہم میں سے کوئی عالم جب

مرتا ہے اس کے خاندان سے دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور اس کا علم بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔ یا خدا جتنا چاہے اور بڑھا دے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ اللہ نے تمام نبیوں کا علم حضرت محمد مصطفیٰؐ میں جمع کر دیا تھا، اور آنحضرتؐ نے وہ سب علم امیر المومنینؑ کو تعلیم فرمایا۔ اب ایسی صورت میں یہ شخص یہ پوچھتا ہے کہ علیؑ زیادہ عالم تھے یا کوئی دوسرے انبیاءؑ؟

عبداللہ بن جندب سے مروی ہے کہ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ نے اس کو تحریر فرمایا کہ "جناب رسول خداؐ، خداوند عالم کے امین تھے، خدا کی مخلوق پر۔ جب آنحضرتؐ کی روح قبض کی گئی تو ہم ائمہ (اہلبیتؑ) آنحضرتؐ کے وارث ہوئے۔ پس ہم اللہ کے امین ہیں خدا کی زمین پر۔ ہمارے پاس تمام ان بلاؤں کا علم ہے جو آنے والی ہیں، موت کے آنے کا علم بھی ہے۔ ہم اسلام کے پیدا ہونے کی جگہ ہیں۔ ہم جب کسی کو دیکھتے ہیں تو اس کے ایمان اور نفاق کو پہچان لیتے ہیں۔ ہمارے پاس ہمارے ماننے والوں کے نام اور ان کے آباء واجداد کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ وہ اسی جگہ وارد ہوں گے جہاں ہم وارد ہوں گے، اور اسی جگہ داخل ہوں گے جہاں ہم داخل ہوں گے۔ ہم اولادِ انبیاءؑ ہیں، اور اوصیاءِ انبیاءؑ کی اولاد ہیں۔ ہم کو خدا کی کتاب میں خصوصی مقام دیا گیا ہے۔ ہم رسول خداؐ کے نزدیک صاحبانِ فضیلت ہیں۔ ہم پر خداوند عالم نے اپنے دین کو واضح فرمایا ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب (قرآن) میں ارشاد فرمایا ہے کہ: "واضح کیا ہم نے تم پر (اے محمدؐ و آل محمدؐ) اسی بات کو بھیجا جو ہم نے نوحؑ پر وحی کر کے"۔ (القرآن)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جناب سلیمانؑ وارث ہوئے

حضرت داؤدؑ کے، اور حضرت محمد مصطفیٰؐ وارث ہوئے جناب سلیمانؑ کے۔ اور ہم وارث ہوئے حضرت محمد مصطفیٰؐ کے۔ بیشک ہمارے پاس توراۃ، انجیل اور زبور کا علم ہے اور الواح حضرت موسیٰ کا بیان بھی ہمارے پاس ہے۔ پھر فرمایا: علم وہ ہے جو رات، دن روز بروز، ساعت بساعت بڑھتا رہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی چھپی ہوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

پھر امامؑ نے فرمایا خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ ''ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا''۔ پس ہم (ائمہ اہلبیتؑ) ہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے چنا اور ہم کو اس کتاب (قرآن) کا وارث بنایا، اس لیے قرآن کا علم بھی ہم کو عطا فرمایا۔ اس طرح ہر چیز کا علم ہمیں خدا کی طرف سے حاصل ہوا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ ''خدا ایسے شخص کو اپنی حجت قرار نہیں دیتا جس سے کوئی سوال کیا جائے اور وہ یہ کہے کہ میں نہیں جانتا''۔

قرآن اور سنت کا مطلب کس سے لیا جائے؟

جناب رسول خداؐ نے فرمایا ''ہر سچی بات کی کوئی سچائی یا حقیقت ہوتی ہے۔ اور ہر صحیح بات کیلئے ایک نور ہوتا ہے۔ پس جو چیز کتاب خدا (قرآن) کے مطابق ہو اس کو (صحیح سمجھ کر) لے لو، اور جو کتاب خدا کے مخالف ہو اس کو (غلط سمجھ کر) چھوڑ دو''۔

(نوٹ): (معلوم ہوا کسی چیز کے صحیح ہونے کا سب سے پہلا معیار یہ ہے کہ وہ بات قرآن کے مطابق ہے کہ نہیں؟)

ابن ابی یعفور کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے احادیث کے سلسلے میں اختلاف ہونے کے بارے میں سوال کیا۔ (کیونکہ) احادیث رسولؐ وہ لوگ بھی بیان کرتے ہیں جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور وہ لوگ بھی بیان کرتے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا؟

حضرت امامؑ نے فرمایا "تمہارے پاس کوئی حدیث پیش کی جائے تو اگر اس کی گواہ (تائید) اللہ کی کتاب سے کوئی آیت تم کو مل جائے، تو اسے لے لو"۔

جناب رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا "میری جو حدیث تمہارے سامنے آئے اگر وہ خدا کی کتاب کے موافق و مطابق ہو تو وہ میری حدیث ہے۔ اگر وہ خدا کی کتاب کے مخالف ہو تو میں نے وہ بات نہیں کہی"۔

جناب امام زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ: "اللہ کے نزدیک سب سے افضل عمل وہ ہے جو سنتِ رسولؐ کے مطابق ہو، چاہے وہ عمل کم ہی کیوں نہ ہو"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے ایک سوال کیا۔ آپؑ نے اس کا جواب دیا۔ اس نے عرض کی: مگر فقہاء تو ایسا نہیں کہتے۔؟

فرمایا: "وائے ہو تجھ پر۔ تو نے کبھی کسی فقیہ کو دیکھا بھی ہے؟ اصل اور حقیقی فقیہ (گہرا عالم دین) وہ ہے جو دنیا کی طرف رغبت نہ رکھتا ہو، آخرت کی طرف رغبت اور شوق رکھتا ہو اور جناب رسول خداؐ کی سنت (طریقہ) پر سختی سے عمل کرتا ہو"۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کوئی قول (با

معنیٰ) نہیں ہے عمل کے بغیر۔ اور کوئی قول وعمل با معنیٰ نہیں ہوتے صحیح نیت کے بغیر، اور (کوئی قول وعمل ونیت) صحیح نہیں ہوتے سنت رسولؐ سے مطابق ہوئے بغیر"۔

سنت کی دو بڑی قسمیں:۔

امیر المومنین (حضرت امام علی ابن ابی طالب) علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "سنت رسولؐ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ سنت جو فرض ہے کہ اس پر عمل کرنا ہدایت ہے اور اس کو ترک کرنا گمراہی ہے۔ اور دوسری قسم وہ سنت ہے جو فرض نہیں۔ اس پر عمل کرنا (باعث) فضیلت (بڑا مرتبہ) ہے۔ اور اس کا ترک کرنا گناہ نہیں"۔

ان لوگوں کا ذکر جنھوں نے حضرت امام مھدیؑ کو دیکھا ہے اور امام زمانہؑ کی معرفت

راوی کہتا ہے کہ: موسیٰ بن جعفر جو خاندان رسول خداؐ میں سب سے زیادہ سن رسیدہ شخص تھے، بیان کرتے ہیں کہ: "میں نے حضرت امام صاحب الامر علیہ السلام کو دو مسجدوں (مکہ اور مدینہ کی مسجدوں) کے درمیان دیکھا ہے"۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام صاحب الامر علیہ السلام کو حجر اسود کے پاس دیکھا، جب لوگ ہجوم میں ایک دوسرے کو کھینچ رہے تھے، اور حضرت امامؑ فرما رہے تھے: "تمھیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے"۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے سنا کہ: "میرے بعد میرے جانشین حسن (عسکری) ہیں۔

پھر فرمایا: ''تم کیا طریقہ اختیار کرو گے ان کے فرزند کے ساتھ؟''

میں نے عرض کی 'آپ نے یہ کیوں فرمایا؟'' حضرت امامؑ نے فرمایا: ''تم ان کے وجود کو نہ دیکھو گے اور ان کا نام لینا تمھارے لئے جائز نہ ہوگا۔

میں نے عرض کی: ''پھر ہم ان کا نام لئے بغیر کیسے ان کا ذکر کریں گے؟''

امام علیہ السلام نے فرمایا: ''ان کو حجت آل محمدؐ کہنا''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''ہر صبح و شام ظہور حضرت حجت علیہ السلام کی توقع رکھنا، حجت خدا کا غائب ہونا اس بات کی علامت ہے کہ خداوند عالم اپنے دشمنوں پر غضبناک ہے، اس لئے ان پر امام علیہ السلام کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ اور خداوند علیم کو معلوم ہے کہ اس کے اولیاءؑ (دوست) حضرت حجتؑ کے وجود میں شک نہیں کیا کرتے۔ اور شک کرنے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ اپنی حجت کو ان کے لئے کبھی غائب نہ کرتا۔ یہ شک بدترین لوگوں کو ہوا کرتا ہے''۔

عمار ساباطی سے روایت ہے کہ: میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ: ''آجکل کونسی عبادت افضل ہے؟'' آیا وہ عبادت جو باطل حکومت میں چھپے ہوئے امامؑ کو مان کر چھپ کر انجام دی جائے یا وہ عبادت جو حق کی حکومت میں ظاہر امامؑ کے ساتھ کی جائے''؟

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا: ''اے عمار! چھپ کر صدقہ (خیرات، نیکی کرنا) اعلانیہ صدقہ سے بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کی قسم! تمھاری وہ عبادت جو باطل سلطنت میں، غائب امامؑ کے ساتھ ہے، اس شخص کی عبادت سے افضل ہے، جو ظہور حق کے وقت امام حق کے ظاہر ہونے پر حق کی سلطنت کے زیر سایہ عبادت

کرے گا۔

یہ بھی جان لو کہ تم میں جو شخص کسی دن ایک فرض نماز جماعت کے ساتھ صحیح وقت پر دشمن سے چھپا کر پڑھے، اللہ اس کو پچاس فرض نمازوں کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

جو چھپ کر نیکی کرتا ہے خدائے عزوجل اسے بیس نیکیوں کا ثواب عطا فرماتا ہے اور خداوند عالم اس مومن کی نیکیاں دوگنی کر دیتا ہے جو اچھے اچھے کام کرے، اور تقیہ کرے، تاکہ اس کا دین، اس کی ذات اور اس کا امام محفوظ رہے، اور وہ اپنی زبان کو روکے رہے تو اس کو دوگنا ثواب ملے گا، بیشک اللہ کریم ہے۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "سبحان اللہ! کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے کہ اللہ شہروں میں حق اور عدل کو قائم کرے اور سب کو ایک کلمہ پر جمع کر دے، اور جن دلوں میں اختلاف ہے ان میں محبت پیدا کر دے، اور لوگوں کو ایسا بنا دے کہ وہ زمین پر خدا کی نافرمانی نہ کریں۔ اور شریعت کی حدود لوگوں پر قائم ہو جائیں۔ غرض اللہ تعالیٰ حضرت قائم آلِ محمدؑ کے زمانے میں حق کو اس کے اہل کی طرف لوٹائے گا۔ حضرت قائم آلِ محمدؑ اس طرح ظاہر ہوں گے کہ کوئی حق کی بات کسی خوف سے کسی پر چھپی نہ رہے گی۔

اور اے عمار! خدا کی قسم! تم میں سے کوئی نہ مرے گا، مگر یہ کہ خدا کے نزدیک وہ بہت سے ایسے شہیدوں سے افضل ہوگا جو بدر و احد میں شہادت پر فائز ہوئے۔

پس تم کو بشارت ہو۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "اے مفضل! خدا کی قسم!

تمہارے امام علیہ السلام برسوں غائب رہیں گے، اور لوگ غیبت کے کے عقیدے سے بھاگنے لگیں گے یہاں تک کہ یہ کہا جائے گا کہ وہ امامؑ مر گئے یا قتل ہو گئے یا ہلاک ہو گئے یا کسی وادی میں چلے گئے۔۔۔ اور مومنین کی آنکھوں سے انؑ کے فراق میں آنسو بہیں گے، اور وہ اس طرح بے چین ہوں گے جیسے کشتیاں سمندر کی موجوں کے درمیان ڈگمگاتی ہیں۔ اس مصیبت کے بھنور سے صرف وہی شخص نجات پائے گا جس کے عہد کو خدا نے قائم رکھا ہوگا، اور جس کے ایمان کو خدا نے اس کے دل میں مضبوط بنا دیا ہوگا۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "خداوند عالم، امامؑ کی غیبت سے شیعوں کا امتحان لے گا، باطل پرست اس غیبت کے زمانے میں شک میں پڑ جائیں گے۔"

راوی زُرارہ نے عرض کی: (فرزند رسولؐ) اگر میں اس غیبت کے زمانے میں موجود ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا سے یوں دعا کیا کرنا:

دعائے معرفت در زمانۂ غیبت:۔

اللھم عرفنی نفسک فا نک ان لم تعرفنی نفسک لم اعرف نبیک ،اللھم عرفنی رسولک فانک ان لم تعرفنی رسولک لم اعرف حجتک اللھم عرفنی حجتک فانک ان لم تعرفنی حجتک ضللت عن دینی

ترجمہ:۔

یا اللہ! تو مجھے اپنی ذات کی معرفت کرا دے، اگر تو نے مجھے اپنی ذات کی معرفت نہ کرائی تو میں تیرے نبیؐ کی معرفت حاصل نہ کرسکوں گا۔

اے اللہ! تو مجھے اپنے رسولؐ کی معرفت کرا دے، اگر تو نے مجھے اپنے رسولؐ کی معرفت نہ کرائی تو میں تیری حجت کی معرفت حاصل نہ کرسکوں گا۔

اے اللہ! تو مجھے اپنی حجت (یعنی امامؑ قائم) کی معرفت کرا دے، اگر تو نے مجھے اپنی حجت کی معرفت نہ کرائی تو میں اپنے دین ہی سے گمراہ ہو جاؤں گا۔"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر تمھیں صاحب الامرؑ کے غائب ہونے کی خبر ملے، تو تم اس کو برا نہ سمجھنا۔" (اس لئے کہ اسی میں خداوند عالم کی مصلحت اور تمھاری بھلائی ہوگی۔)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ: قائم آلِ محمدؐ کی دو غیبتیں ہوں گی۔ (غیبت صغریٰ۔ اور غیبت کبریٰ۔ پہلی غیبت ۷۰ سال اور دوسری غیر معلوم)

امام علیہ السلام غیبت کے دوران ہر حج کے موقع پر حج ادا کرنے کے لئے آئیں گے۔ وہ لوگوں کو دیکھیں گے مگر لوگ ان کو نہیں دیکھ سکیں گے۔"

اُمِ ہانی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا: فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس

(پ ۳۰ سورۃ ۸۱ التکویر۔ آیت ۱۵۔۱۶)

ترجمہ:۔ ''پس مجھے ان ستاروں کی قسم جو چلتے چلتے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور غائب ہوجاتے ہیں''۔ (ترجمہ مولنا فرمان علی)

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا:''امام مہدیؑ سن ۲۶۰ ہجری میں اس شہاب ثاقب کی طرح ظاہر ہوں گے جو اندھیری رات میں روشن ہوتا ہے پس اگر تم اس زمانے کو پالو گے تو تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی''۔

(اُم ہانیؑ، جناب امیر المومنینؑ کی بہن کا نام ہے)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:''جب (امام مہدیؑ) قائم آل محمدؐ کا ظہور ہوگا تو کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس کی گردن میں ان کی بیعت کا قلادہ (عہد) نہ ہو''۔ (یعنی ہر شخص ان حضرت کی بیعت اور اطاعت میں ہوگا)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ہم میں ایک (امامؑ) غائب، مظفر (کامیاب) اور منصور (خدا کی طرف سے ظاہری مدد ونصرت پانے والا) ہوگا۔ جب خداوند عالم ان کو ظاہر کرنا چاہے گا، تو خداوند قدیر ان کے دل میں ایک نکتہ پیدا کردے گا۔ جس کے بعد وہ ظاہر ہو جائیں گے اور امر خدا (حکومت خدا) کو قائم کردیں گے۔''

امام مہدیؑ کے ظہور کا وقت معین کرنے والے:۔

راوی کہتا ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا، اس نے کہا: میں آپؑ پر قربان ہوں (فرزند رسولؐ!) جس بات کا ہم انتظار کر رہے ہیں، وہ کب ہوگا''۔؟

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا: یا مھرم اکزب الوقاتون وھلک المستعجلون ونجا المسلمون ۔ اے مہرم! (یعنی) ''جن لوگوں نے امام مہدیؑ کے ظہور کا وقت معین کیا وہ جھوٹے ہیں، جلدی کرنے والے ہلاک ہوئے۔ اور نجات پائی ان لوگوں نے جو خدا کے قضاو قدر کے فیصلوں کو تسلیم کرنے والے ہیں''۔

راوی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: خلفاءِ بنی عباس (ظلم پر ظلم کر رہے ہیں) اور روز بروز ترقی بھی کر رہے ہیں، مگر امام مہدیؑ کا ظہور نہیں ہوتا''؟ آپؑ نے فرمایا: ''لوگ جلدی کرنے میں ہلاک ہو رہے ہیں، خدا جلدی نہیں کرتا۔ اُس ظہور کا ایک وقت مقرر ہے۔ نہ اس سے ایک لحہ آگے ہوگا، نہ پیچھے''۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: ہماری باتیں جب لوگ سنتے ہیں تو ان کے دل ان سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہماری باتیں ظن وتخمین کی بنیاد پر نہیں ہوتیں۔ (جبکہ لوگ اپنے ظن وتخمین کے مطابق سوچتے ہیں)

پس جو لوگ ہماری باتوں کو مان لیں، ان سے تم اور زیادہ بیان کرو، اور جو نہ مانیں انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ ضروری ہے کہ اس سلسلے میں آزمائش وامتحان ہو، تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس میں باطنی کھوٹ ہے اور اس طرح وہ لوگ الگ ہو جائیں جو اچھائی اور برائی کو الگ الگ کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ سوائے ہمارے اور ہمارے شیعوں (سچے پیروکاروں) کے کوئی باقی نہ رہے گا۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کی: (فرزند رسولؐ) کشادگی اور امن (یعنی حضرت امام مہدیؑ کا ظہور) کب ہوگا؟ امامؑ نے فرمایا: اے ابو بصیر! کیا تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جو طالب دنیا ہیں۔ جس نے امامؑ کو پہچان

لیا اس کو امامؑ کے انتظار کرنے میں خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں مرگیا کہ اس کا کوئی امام نہیں، وہ کفر کی موت مرا۔ اور جو اس حالت میں مرگیا کہ وہ امامِ برحق کو پہچانتا تھا، تو ظہورِ مہدیؑ کا پہلے یا بعد میں ہونا، اس کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور جو اس حال میں مرگیا کہ وہ امامِ وقت کو پہچانتا تھا تو وہ اس مرتبے میں ہے کہ گویا وہ قائمِ آلِ محمدؐ کے ساتھ ان کے خیمے میں ہو۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: تین قسم کے لوگوں سے خداوند عالم قیامت کے دن نہ کلام کرے گا، اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا، اور ان کیلئے دردناک سزا ہوگی۔

(۱) اول وہ جس نے امام ہونے کا دعویٰ کیا، جبکہ خداوند عالم نے اس کو امام مقرر نہیں کیا ہے۔

(۲) دوسرے وہ جس نے اس امامؑ کا انکار کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے امامؑ مقرر فرمایا ہے۔

(۳) تیسرے وہ جس نے ان دونوں قسم کے لوگوں کیلئے اسلام میں کوئی حصہ قرار دیا۔

• حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: جس نے زندہ اماموںؑ میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا، اس نے مرے ہوئے سب اماموںؑ کا انکار کیا۔

راوی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا:

ومن الناس من یتخذمن دون اللہ انداداً یحبو نھم کحب اللہ

(سورۃ ۲ البقرۃ آیت ۱۶۵)

یعنی: اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو لوگوں کو خدا کا شریک (ہمسر) قرار دیتے ہیں، اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیئے۔

امامؑ نے فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کو اپنا امام بنایا جن کو اللہ نے امام مقرر نہیں فرمایا تھا۔ یہی لوگ خدا کا عذاب دیکھیں گے۔ ان کیلئے مدد کے تمام اسباب کٹ جائیں گے۔ ایسے جھوٹے اماموں کی پیروی کرنے والے اللہ سے کہیں گے کہ "اگر ہم دنیا میں دوبارہ لوٹا دیے جائیں تو ہم ان سے اسی طرح الگ اور بیزار ہو جائیں گے جیسے (آج) یہ لوگ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں، اسی طرح اللہ ان کو حسرتوں میں تڑپا رکھے گا، اور وہ جہنم سے باہر نہ نکل سکیں گے"۔ (القرآن)

پھر امامؑ نے فرمایا: اے جابرؓ! یہ ظالم ائمہ اور ان کی پیروی اور اطاعت کرنے والے ہیں۔

حضرت امام علی بن امام موسیٰ الرضاؑ نے اس آیت کے بارے میں کہ

ومن اضل ممن اتبع هوٰه بغير هدى من الله (سورۃ ۲۸ قصص آیت ۵۰)

یعنی: اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔

فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ اپنا دین اپنی رائے سے بنالے، بغیر ان اماموںؑ کی ہدایت کے جنکو (خدا نے) ہدایت کیلئے مقرر کیا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ: جس کا خداوند عالم کی طرف سے (مقرر کیا ہوا) کوئی امامؑ نہ ہو، جو عادل ہو، وہ گمراہ، حیران اور پریشان رہے گا، اور اگر وہ اسی حالت میں مرجائے تو کفر و نفاق کی موت مرے گا۔

ائمہ جور (ظالم بادشاہ یا خلیفے) اور ان کے تابعین دینِ الٰہی سے الگ ہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اس لیے وہ جو کچھ عمل کرتے ہیں، وہ راکھ کے اس ڈھیر کے مانند ہے جسے آندھی کا تیز جھونکا اڑا کرلے جائے۔ وہ جو کچھ کر چکے، اب ان تمام اعمال میں سے کسی پر ان کا قابو نہیں اور یہ سب سے بڑی گمراہی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا کہ:

اللہ ولی الذین امنو ا یخرجھم من الظلمت لی النوز

(سورۃ ۲ البقرۃ آیت ۲۵۷)

یعنی: اللہ ان کا ولی (سرپرست) ہے جو اس کو دل سے مانتے ہیں وہ ان کو اندھیروں سے روشنی (نورِ ہدایت) کی طرف نکالتا ہے۔

یعنی: اللہ تعالیٰ ان کو گناہوں کے اندھیروں سے توبہ اور مغفرت کی روشنی (نور) کی طرف نکال لاتا ہے، بسبب ان کی اس حجت (دلیل) کے جو وہ امامؑ عادل سے رکھتے ہیں، اس امامؑ سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **والذین کفرو اولیاءُ ھم الطاغوت یخرجو نھم من النور الی الظلمت** (بقرۃ ۲ آیت ۲۵۷)

یعنی: اور جو لوگ کافر ہیں (خدا کو دل سے نہیں مانتے) ان کے اولیاء (سرپرست) شیاطین ہیں جو ان کو روشنی (نور) سے اندھیروں (گمراہیوں) کی طرف لے جاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے اسلام کی روشنی میں تھے لیکن کیونکہ انہوں نے اپنے

امام (رہبر۔حاکم) کو دوست رکھا جو ظالم تھا اور اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا نہیں تھا، اس کی محبت کی وجہ سے وہ اسلام کی روشنی سے نکل کر کفر کے اندھیروں میں آ گئے۔ پس خداوند عالم نے ان پر کافروں کی طرح دوزخ کو واجب کر دیا۔ اب وہ جہنمی ہیں۔

اولٰئک اصحب النار ھم فیھا خلدون (البقرۃ ۲: آیت ۲۵۷)

یعنی: یہی وہ لوگ ہیں جو دوزخی ہیں، وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سزا و عذاب دینے سے نہیں شرماتا، (یا حیا نہیں کرتا) جو اس امام کے ماتحت رہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں فرمایا ہے، چاہے ان کے اعمال کتنے ہی اچھے اور نیک کیوں نہ ہوں۔۔۔۔ اور

اللہ عزوجل شرم و حیا کرتا ہے ان لوگوں کو سزا یا عذاب دینے میں جو اس امام کی محبت کے ساتھ خدا کی عبادت کرتے ہیں جس کو اللہ نے امام مقرر فرمایا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ہم علمِ خدا کے خزانہ دار اور ترجمان ہیں۔ ہم معصوم ہیں۔ اللہ نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور ہماری نافرمانی سے خدا نے روکا ہے۔ ہم اللہ کی مکمل حجت ہیں، آسمان میں بھی اور زمین پر بھی۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ائمہ اہلبیتؑ نبی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ جتنی بھی فضیلتیں جناب رسالتمآبؐ کو عطا فرمائی گئی ہیں، ان سب میں ائمہ اہلبیتؑ، جناب رسول خداؐ کے شریک ہیں۔

حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ نے فرمایا: ائمہ اہلبیتؑ علماء ہیں، سچے ہیں، مفہم (علوم کو سمجھانے والے) اور محدث (فرشتوں کی آواز سننے والے) ہیں۔

مفضل بن عمر نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ آپ کیوں کر اطراف عالم کی خبر رکھتے ہیں جبکہ آپ حضرات اپنے گھروں میں ہوتے ہیں؟

حضرت امامؑ نے فرمایا: اے مفضل! خداوند عالم نے نبیؐ میں پانچ روحیں (صلاحیتیں) قرار دی ہیں۔ (۱) روحِ حیات۔ جس سے وہ چلتے پھرتے ہیں۔

(۲) روحِ قوت: جس سے وہ اٹھتے بیٹھتے اور جہاد کرتے ہیں۔

(۳) روحِ شہوت: جس سے وہ کھاتے پیتے اور حلال عورتوں سے نکاح کرتے ہیں۔

(۴) روحِ ایمان: جس سے وہ ایمان لاتے ہیں اور افراط وتفریط سے محفوظ رہتے ہیں۔

(۵) روح القدس: جو نبوت کی حامل ہے۔ جب نبیؐ کی روح قبض ہوتی ہے تو یہ روح القدس امامؑ کے پاس آجاتی ہے۔ یہ روح القدس سوتی نہیں، نہ غافل ہوتی ہے، نہ دنیا کی طرف مائل ہوتی ہے، اور نہ دین سے بے خبر یا غافل ہوتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: روح، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، جو جبرئیلؑ ومیکائیلؑ سے بھی عظیم ہے۔ وہ جناب رسول اللہؐ کے ساتھ ساتھ رہتی تھی۔ اور وہی ائمہ (اہلبیتؑ) کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ اور وہ الوہی قوتوں میں سے ایک ہے۔

عقیدۂ آخرت

موت کا مطلب صرف انتقال جسم ہے

تحقیقات سے ہم اس حقیقت کو اسطرح سمجھ سکتے ہیں کہ ہر انسان دو (۲) جسم رکھتا ہے۔ ایک مادی جسم اور دوسرا جسم مثالی جسے اورا کہتے ہیں۔ یہ جسم شعاعوں سے بنا ہے جو بہت لطیف دھویں کی طرح کا دکھائی دیتا ہے۔ جو ہمارے ظاہری جسم پر چاروں طرف لپٹا ہوا ہے۔ روح کا تعلق دونوں جسموں سے اسوقت بھی قائم ہے۔ اس جسمِ مثالی کو نفسِ انسانی بھی کہتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ ''یہ جسم دھویں کی طرح لطیف ہوتا ہے اور ہم سے اسقدر مشابہ ہوتا ہے کہ ہم دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ فلاں انسان ہے''۔ آج تو اسکی تصویریں خاص قسم کے کیمرے سے لی جاسکتی ہیں۔ یہ جسمِ مثالی مختلف رنگوں کا دکھائی دیتا ہے۔ انسان کے جسم مادی میں اگر کوئی بیماری ہوتی ہے تو وہ تین دن پہلے جسم مثالی کو لاحق ہوتی ہے۔ انسان کے مرنے سے تین دن پہلے یہ جسمِ مثالی بالکل سیاہ ہوجاتا ہے۔ اس جسم مثالی کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور ان رنگوں کا دارومدار انسان کے مال و دولت اولاد عہدے اور صحت پر نہیں ہوتا بلکہ اسکے اخلاقی اوصاف و کردار پر ہوتا ہے۔ جو لوگ اس جسم مثالی کا رنگ دیکھ سکتے ہیں وہ انسان کے اخلاقی خواص کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ جس وقت انسان کی موت واقع ہوتی ہے، اس وقت روح کا تعلق ظاہری مادی جسم سے کٹ جاتا ہے۔ اسی لئے یہ جسم بے جان ہوجاتا ہے۔ مگر اس وقت انسان خود کو جسم مثالی میں متحرک اور محسوس حالت میں پاتا ہے۔ اس وقت وہ عالمِ برزخ میں ہوتا ہے اور اسکو

اپنی حالت سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ آیا اسکی حالت اچھی ہے یا بری۔ اسکا دارومدار اسکے تصورات یعنی ایمان و عمل پر ہوتا ہے۔

موت کی تیاری:۔

اسی لئے حضرت علی نے فرمایا ہے کہ "موت کی تیاری یہ ہے کہ (۱) ان فرائض کو اچھی طرح سے ادا کیا جائے جو خداوند عالم نے ہم پر فرض کئے ہیں۔ (۲) جن باتوں سے روکا ہے ان سے بچنا ضروری ہے۔ (۳) اور اعلیٰ اخلاقی صفات اپنے اندر پیدا کئے جائیں۔ جب یہ تین کام ہو جائیں تو پھر انسان پرواہ نہ کرے کہ موت اس پر آپڑے یا وہ خود موت پر جا پڑے"۔

قرآن مجید میں اسکا فارمولا ۲ لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا "جس شخص کو بھی اس بات کا خوف یا احساس ہے کہ اُسے اپنے پالنے والے مالک سے ملاقات کرنی ہے۔ اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ "عمل صالح" (نیک کام) انجام دے۔ (اسطرح کہ) اپنے پالنے والے مالک کی غلامی (کامل اطاعت اختیار) کرے مگر اس میں کسی کو شریک نہ کرے"۔ (القرآن سورہ کہف کی آخری آیت)

"عمل صالح" کی مزید تشریح حضرت علی نے یوں فرمائی ہے کہ اسکے تین ارکان ہیں۔ (۱) فرائض کا ادا کرنا۔ (۲) حرام کاموں سے بچنا۔ (۳) اعلیٰ اخلاقی صفات پیدا کرنا۔ فرائض کا ادا کرنا شان بندگی ہے۔ حرام کاموں سے بچنا عملی شکر ہے یعنی خدا کی نعمتوں کو خدا کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کرنا چاہیئے بلکہ حقیقی شکر یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیئے اور اسکا طریقہ ان

فرائض کو ادا کرنا ہے جو خدا نے ہم پر لازم قرار دئے ہیں۔ اور اچھے اخلاق پیدا کرنے سے ہم خدا کے پسندیدہ بن سکتے ہیں اور خدا کی رضا مندیاں حاصل کر سکتے ہیں جو انسان کی تکمیل کی معراج ہے۔

رہا یہ سوال کہ انسان کو دوسری زندگی اور دوسرا جسم کیسے مل سکتا ہے؟ اسکا قرآن مجید نے نہایت منطقی جواب دیا ہے۔ فرمایا "ہم نے اسکو (انسان کو) ایک ٹپکے ہوئے حقیر قطرے سے بنایا ہے اسکے باوجود وہ (ہم سے) جھگڑ رہا ہے اور (وہ احمق) ہم ہی پر مثالیں کس رہا ہے اور خود اپنی ہی تخلیق کو بھلا بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جو کھوکھلی ہو چکی ہیں؟ آپ فرمادیں کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انکو پہلے پہل (لا شیئے سے) بنایا تھا۔ (کیونکہ) وہ ہر چیز کو بنانا خوب جانتا ہے، جو سر سبز درخت سے آگ کو نکال سکتا ہے جسے تم خود سلگا لیتے ہو۔ کیا جس نے زمین آسمان (جیسی عظیم چیزوں کو) بنایا وہ بھلا ان جیسوں کو دوبارہ نہیں بنا سکتا؟ کیوں نہیں بنا سکتا؟ جبکہ وہی تو (تمام چیزوں کا) اصلی بنانے والا ہے اور سب کچھ جاننے والا بھی ہے۔ سو پاک ہے وہ ذات جو ہر نقص سے پاک ہے، جسکے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور تم اسکی طرف (ضرور) لوٹ کر جاؤ گے"۔

(القرآن سورہ یاسین ۷۷ سے ۸۳)

مشاہدہ کا استدلال

اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنی اصلیت ہی کو یاد نہیں رکھتا وہ ایک ناچیز قطرہ تھا۔ خدا نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ اسی حقیر و نجس پانی کے قطرے میں وہ زور اور قوت

پیدا کردی کہ وہ خدا سے جھگڑنے اور اس پر باتیں بنانے لگا۔ اپنی حد سے بڑھ کر اپنے خالق کے مقابلے پر خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ اللہ کی ذات و صفات اور قدرت پر فقرے کس رہا ہے۔ اگر وہ صرف اپنی اصلیت اور پیدائش ہی پر غور کر لے تو سمجھ سکتا ہے کہ جو پہلی مرتبہ انسان کی ہڈیوں میں جان ڈال سکتا ہے وہی خدا دوسری مرتبہ کیوں جان نہیں ڈال سکتا؟ کیونکہ پہلے پہل کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا کر اس میں جان ڈالنا کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔ پھر بھلا اس قادرِ مطلق کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ دوسری مرتبہ اس میں جان ڈال دے۔ اور اس جسم کے بجائے دوسرا جسم مثالی عطا فرمادے۔ جو خدا سر سبز و شاداب درخت بناتا ہے پھر اسکو سکھا کر ایندھن لکڑی بنا دیتا ہے جس سے تم آگ نکال رہے ہو، تو جو خدا متضاد صفات کو ادل بدل سکتا ہے، کیا وہ موت حیات کے الٹ پھیر پر قادر نہ ہوگا؟ کیا وہ ایک جسم کے بجائے دوسرے جسم مثالی میں روح کو قائم نہیں کر سکتا؟ پھر جسم مثالی کا تعلق دوبارہ جسم مادی سے نہیں جوڑ سکتا؟ جو خدا آسمان اور زمین جیسی عظیم چیزیں صرف ایک اشارے پر بنا سکتا ہے، اسکے لئے جسم مادی سے روح کا تعلق کاٹ کر صرف جسم مثالی سے تعلق قائم کر دینا کیا مشکل کام ہے؟ اور پھر دوبارہ روح کا تعلق جسم مادی سے دوبارہ قائم کر دینا کیوں دشوار ہوگا؟ (شیخ الاسلام عثمانی)

دوسری زندگی ہماری فطرت کا تقاضا ہے

(۱) اگر انسان فنا کے لئے پیدا کیا گیا ہوتا تو وہ فنا کا عاشق ہوتا۔ موت سے لطف اندوز نہ ہوتا۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان فنا ہو جانے کے تصور سے بھی نفرت کرتا

ہے۔ اسی لئے جو شخص موت کو فنا سمجھتا ہے وہ موت سے بھاگتا ہے۔ ہمیشہ سے انسان ہمیشہ رہنے کا شیدائی رہا ہے۔ اسی لئے بہت پرانے زمانے میں مردوں کے جسموں کو باقی رکھنے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ اہرامِ مصر کی مومیائی لاشیں اور آبِ حیات کا تصور، بقا کے ساتھ انسان کے عشق کی دلیلیں ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے وجود کے اندر ہر چیز کسی حساب کے ماتحت پیدا کی گئی ہے۔ ہمارے اندر باقی رہنے کی جو محبت ہے، وہ بتا رہی ہے کہ زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ کیونکہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہماری فطرت میں پیاس ہے تو خارج میں پانی بھی موجود ہے۔ اگر ہمارے اندر جنسی خواہشات ہیں، تو جنس مخالف بھی موجود ہے۔ بھوک لگتی ہے تو اناج بھی موجود ہے۔ بیماریاں لاحق ہوتی ہیں تو دوائیں بھی موجود ہیں۔ اسلئے ماننا پڑے گا کہ جب ہمارے اندر بقا کی خواہش موجود ہے تو لازمی طور پر زندگی کو باقی رکھنے کے انتظامات بھی موجود ہوں گے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ہم اپنی فطرت میں اس بات کو موجود پاتے ہیں کہ ہمارے اندر اندرونی عدالت کا نظام موجود ہے جسے ہم وجدان یا ضمیر کہتے ہیں۔ ہر انسان جب اچھا کام کرتا ہے تو اپنی فطرت وجدان یا ضمیر کے اندر سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے۔ ایسا سکون اور ایسی خوشی جو نا قابل بیان ہے۔ اسکے برعکس ہر انسان جرائم کرنے کے بعد اپنے وجود کے اندر پریشانی، بے چینی اور بے سکونی محسوس کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی بے سکونی کی وجہ سے خودکشی تک کر لیتا ہے۔ یا خود کو سولی کے حوالے کر دیتا ہے کیونکہ وہ اسی کو وجدان یا اپنے ضمیر کے شکنجے سے رہائی کا سبب سمجھتا ہے۔

اس صورت حال میں انسان خود سے پوچھنے پر مجبور ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے

کہ مجھ جیسے چھوٹے سے وجود کے اندر تو عدالت جیسا مکمل نظام موجود ہو، لیکن یہ عظیم کائناتِ عالم ہر قسم کی عدالت کے نظام سے خالی ہو؟

یہی انسان کی وہ فطرت ہے جسکی وجہ سے انسان یہ بات ماننے پر مجبور ہے کہ ضرور کوئی نظام عدالت ہے جو کائنات عالم میں عدل کو نمایاں کرے گا۔

(۳) خداوند عالم نے فرمایا "کائنات عالم کی تخلیق کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ خدا ہر شخص کو جو کام اس نے (دنیا میں) انجام دیئے ہیں اسکی جزا دے، (اسلئے) خدا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (القرآن سورہ ابراہیم ۵۱)

یہ حساب اتنا تیزی سے ہوگا کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا "خدا چشم زدن میں سب مخلوقات کا حساب چکا دے گا۔ (جس طرح وہ ایک ساتھ سب کو رزق دے رہا ہے)۔ (مجمع البیان)

اس نظام عدل کی طرف ہمیں خاص طور پر متوجہ کیا گیا ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا "اس دن سے ڈرو کہ جس دن کسی شخص کو کسی دوسرے کی جگہ بدلہ نہیں دیا جائے گا اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کوئی فدیہ یا تاوان قبول ہوگا، اور نہ ہی کوئی شخص اسکی مدد کے لئے آئے گا"۔ (القرآن بقرہ ۴۸)

نیز فرمایا "جہنم کی آگ کا مزہ چکھو کیونکہ تم نے آج کے دن کی (خدا سے) ملاقات کو بھلا دیا تھا"۔ (یعنی مقصد زندگی ہی کو بھلا دیا تھا) (القرآن)

برہان حکمت :۔

دوسری زندگی کا علمی اور عقلی ثبوت یہ ہے کہ اگر ہم اس دنیا کی زندگی کو

دوسری آنے والی زندگی کے بغیر تصور کریں، تو یہ دنیا کی زندگی لغو اور بے معنی ہو جائے گی۔ یہ ایسی ہی بے معنی ہوگی جیسے ہم یہ سمجھیں کہ بچہ ماں کے رحم میں بنایا گیا اور اسکا ماں کے پیٹ ہی میں گلا گھونٹ دیا گیا۔ پھر بھلا کیا منطق ہوئی کہ ہم ۶۰ ۔ ۷۰ سال دنیا کی زندگی کی مشکلات میں گھرے رہیں اور جب ہم تجربہ کار اور کامیاب ہو جائیں تو زندگی ختم ہو جائے۔ تو پھر آخر ہم کس لئے زندگی گزار رہے ہیں؟ کچھ کھانا کھانے کے لئے، چند گز کپڑے پہننے کے لئے، بار بار سونے اور جاگنے کے لئے؟ یہی کام برسوں دہراتے رہنے کے لئے؟ اس لئے اگر دوسری زندگی کا وجود نہیں ہے تو یہ دنیا کی زندگی بالکل لغو، بے معنی اور بے کار ہے۔ قرآن نے اس بات کو یوں فرمایا ہے کہ:

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو فضول اور بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹ کر نہیں آؤ گے؟" (مومنون ۱۱۵)

دنیا کی زندگی صرف اسی وقت با معنی ہو سکتی ہے کہ جب دنیا کو آخرت کی کھیتی مانا جائے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا "یہ دنیا اس شخص کے لئے جو اسکے ساتھ سچائی سے پیش آئے، سچائی کی جگہ ہے۔ اور اس شخص کے لئے جو اس سے کچھ فہم حاصل کرے، عافیت کا گھر ہے۔ اور اس شخص کے لئے جو اس سے زاد راہ (سامان سفر) حاصل کرے، بے نیازی کا گھر ہے۔ اور اس شخص کے لئے جو اس سے نصیحت حاصل کرے، وعظ و نصیحت کا گھر ہے۔ یہ خدا کے دوستوں کی مسجد ہے۔ فرشتوں کی جائے نماز ہے۔ وحیٔ الٰہی کے اترنے کی جگہ ہے۔ اور خدا کے دوستوں کے لئے تجارت خانہ ہے۔ (نہج البلاغہ کلمات قصار ص ۱۳۱)

یعنی اس دنیا میں خدا کے دوست، خدا کی محبت اور رضا مندی کماتے ہیں،

اسلئے اس دنیا کی زندگی کا مطالعہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ایک اور زندگی کا افق ضرور موجود ہے۔ خدا نے فرمایا "تم خود اس پہلی والی زندگی کی پیدائش کو (اپنی آنکھوں سے) دیکھ چکے ہو۔ پھر کیوں نہیں سوچتے (کہ دوسری زندگی ضروری ہے)"۔

(سورہ واقعہ ۶۲)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

برہان ہدف:۔

مادہ پرستوں کے نظریات کے برخلاف انسان کی خلقت میں ایک ہدف اور مقصد کارفرما ہے۔ جسے فلسفی "تکامل و ارتقا" کہتے ہیں اور جسے قرآن "قرب خداوندی" یا "رضائے خداوندی" اور "عبادت و بندگی" کہتا ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا "میں نے جنات اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر صرف اس مقصد کے لئے کہ وہ میری غلامی (عاجزانہ کامل اطاعت) کریں"۔ (ذاریات ۵۶)

نیز فرمایا "خدا کی ناراضگی سے بچنے والے متقین جنت کے سرسبز و شاداب گھنے باغوں اور نہروں میں ہوں گے، وہ اس صاحب اقتدار بادشاہ (خدا) کے پاس جو ہر چیز پر قادر ہے، عزت کے مقام پر ہوں گے"۔ (القرآن سورہ قمر)

اگر موت ہر چیز کے ختم ہو جانے ہی کا نام ہے تو پھر انسان کی تکمیل کا مقصد کیسے پورا ہوگا؟ اسلئے لازمی ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہوتا کہ انسان کا سفرِ کمال جاری و ساری رہے۔ تاکہ اس دنیا کی بوئی ہوئی کھیتی انسان وہاں کاٹے۔ اسلئے مقصدِ تخلیق کا حصول دوسری زندگی کو مانے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر دوسری

زندگی نہیں ہے تو پھر ہر چیز معمہ، بے مقصد، مہمل یا لغو ہے۔ اور پھر ہمارے پاس کسی کیوں کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ پھر یہ پوری زندگی بے معنی، بے مقصد اور مہمل ہو کر رہ جائے گی۔

برہان نفی اختلاف:۔

دنیا میں لوگوں میں بلا کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہر انسان کی آرزو ہے کہ اختلافات ختم ہو جائیں اور حقیقتیں واضح ہو جائیں۔ اسی لئے خداوند عالم نے فرمایا'' خدا ان تمام چیزوں کے بارے میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے ہیں، قیامت کے دن فیصلے کر دے گا''۔ (القرآن سورہ بقرہ ۱۱۳)

قیامت اور حیات بعد الموت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ منکرین حق جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ (القرآن سورہ نحل)

موت پر فتح حاصل کرنے کا طریقہ

فطرت کا ایک قانون یہ بھی ہے کہ ہر چیز کا جواب اور علاج موجود ہے۔ بھوک لگتی ہے تو روٹی موجود ہے۔ پیاس لگتی ہے تو پانی موجود ہے۔ جنسی خواہشات ستاتی ہیں تو جنس مخالف موجود ہے۔ امراض آتے ہیں تو دوائیں موجود ہیں۔ سردی گرمی کیلئے لباس بنانے کا سامان موجود ہے۔ جب ہر مسئلے کا حل اور ہر مرض کی دوا موجود ہے، تو پھر موت کا جواب کیا ہے؟ موت کا جواب دوا یا ڈاکٹر نہیں، دوا ڈاکٹر مرض کا جواب ہیں، موت کا جواب خالق موت نے بتایا ہے کہ فرمایا:

''جسکو خوف ہے کہ اسکو ایک دن اپنے پالنے والے مالک سے ملاقات کرنی ہے اسکو

چاہیئے کہ نیک اعمال (عمل صالح) انجام دے۔اور وہ یہ ہے کہ خدا کی غلامی یا اطاعت میں اپنے مالک کے سوا کسی کو شریک نہ کرے"۔(القرآن سورۃ کہف آخری آیت)

عمل صالح کی حقیقت

انسان کا ہر عمل اصل میں اسکی خودشعوری (روح یا عقل) کا عمل ہوتا ہے، جسم کا نہیں۔انسان کی خودشعوری جسم کو عمل کیلئے آلے کے طور پر استعمال کرتی ہے۔اسی لئے جناب رسول خداؐ نے فرمایا "انما الاعمال بالنیات" اعمال کی بنیاد نیت پر ہوتی ہے۔اسلئے ہر عمل حقیقت میں ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے۔اور ہر ذہنی کیفیت خودشعوری کو یا تو خدا سے قریب لاتی ہے یا خدا سے دور لے جاتی ہے۔جو کیفیت خود شعوری (روح) کو خدا سے قریب لاتی ہے، وہ اسکو راحت اور سکون پہنچاتی ہے اور جو کیفیت خدا سے اسے دور لے جاتی ہے، وہ روح کو تکلیف پہنچاتی ہے۔

گناہ کی زندگی سے خودشعوری قرب خدا کی رکاوٹوں میں گھر جاتی ہے۔ اسلئے پھر وہ منزل مقصود تک جانے کیلئے ارتقا نہیں کر سکتی۔موت کا تجربہ اسکے لئے سخت تکلیف دہ ہو جاتا ہے کیونکہ موت خدا کی طرف پلٹنے کا نام ہے۔جبکہ خودشعوری خدا سے بہت دور ہو چکی ہوتی ہے۔اب جو خودشعوری گناہوں کو ہٹا کر نیکیوں کی طرف بڑھ جاتی ہے وہ دنیا کی زندگی ہی میں ارتقا کی منزلیں طے کر لیتی ہے۔لیکن جو خود شعوری دنیا میں نیکیوں کی طرف نہیں بڑھتی اور گناہوں میں گھری رہتی ہے، اسکی جدوجہد اگلی دنیا میں جاری رہتی ہے۔لیکن اسوقت یہ جدوجہد دوزخ برزخی میں انجام پاتی ہے۔اس لئے خودشعوری قرب خدا کے حصول کی جدوجہد یعنی اپنے ارتقا کو ملتوی

تو کر سکتی ہے لیکن اس سے بچ نہیں سکتی۔ مگر اس کوشش کے دنیا میں ملتوی کرنے پر اسے بڑی سخت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ متواتر گناہ کرنے والا محسوس کر سکتا ہے کہ نیکی کی زندگی کی طرف لوٹنا اسکے لئے دن بدن مشکل تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر کار اسکی خود شعوری اور نیکی کے درمیان ایسی رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے جسے عبور کرنا اسکے لئے ممکن ہی نہیں رہتا۔ اسی لئے خداوند عالم نے فرمایا" اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ توبہ (یعنی) خدا کی طرف لوٹنا ان لوگوں کے لئے ممکن ہے جو نہ جاننے کی غلطی کی وجہ سے گناہ کرتے ہیں اور پھر جلدی سے گناہ کی زندگی سے واپس لوٹ آتے ہیں"۔

(القرآن)

نیز فرمایا" خدا کے بندے تو وہ ہوتے ہیں کہ جب کسی بے حیائی کا کام کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں، تو اپنے برے کام پر بار بار اصرار نہیں کرتے۔ (یعنی) اسکو دوبارہ انجام نہیں دیتے) **(القرآن)**

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی سب سے بڑی ناکامی اور شکست یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں گناہ کی رکاوٹوں کے خلاف جدوجہد نہ کرے کیونکہ اگلی دنیا میں گناہوں کے ازالے کیلئے اسے بہت زیادہ دکھ اور رنج اٹھانا پڑے گا۔ یہ لوگ موت کے بعد دوزخ برزخی سے اپنا ارتقا شروع کریں گے۔ یہ دوزخ دنیا میں تو خود شعوری کو جنت معلوم ہوتی ہے، مگر خود شعوری اپنی دوزخ کا پوری طرح سامنا اس وقت کرتی ہے جب خدا سے دوری کی حالت میں اسکی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ جب گناہ کی کیفیت لئے ہوئے خود شعوری دوسری دنیا میں پہنچتی ہے تو اس پر رنج و غم کی بدترین کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اسلئے کہ اس دوسری دنیا میں کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہ سکتی۔

شیطان کا تزئینِ اعمال کا عمل ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ تمام جھوٹی تسلیاں یک قلم موقوف ہو چکی ہوتی ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

''انہوں نے (مرتے ہی) عذاب کو اپنے سامنے دیکھ لیا اور (غلط فہمیوں کے) تمام اسباب ان سے کٹ گئے''۔ (القرآن)

''اور وہ جھوٹ جو انہوں نے گھڑا تھا ان سے غائب ہو گیا''۔ (یعنی جھوٹے خدا اور غیر خدا کے سہارے کٹ گئے) (القرآن)

ایسے انسان کو ذہنی تکلیف کی وجہ سے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ جلتی آگ میں جھونک دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگلی دنیا میں انسان کی ہر ذہنی کیفیت ایک خارجی حقیقت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جسطرح دنیا میں خارجی حقیقتیں ذہنی کیفیت اختیار کر لیا کرتی ہیں۔

اب وہ شخص جو دنیا کی زندگی میں خدا کی محبت اور اطاعت کی کوششیں کرتا رہتا ہے، وہ گناہوں کی رکاوٹوں پر قابو پالیتا ہے۔ اسطرح اطاعت الٰہی کے امتحان میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اسکے وجود میں خدا کی محبت بڑھتی رہتی ہے۔ ایسی خودشعوری جب موت کا ذائقہ چکھ کر اگلی دنیا میں پہنچتی ہے تو خدا کی محبت کے راستے کی تمام مشکلیں اور رکاوٹیں اسکے لئے ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اسکی مسرتیں ایسے کمال کو پہنچ جاتی ہیں جنکا تصور کرنا بھی ممکن نہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے ''کوئی انسان نہیں جان سکتا کہ کیسی کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اسکے لئے وہاں مہیا کیا گیا ہے''۔

(القرآن)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا'' جنت میں وہ مسرتیں، لذتیں، راحتیں اور نعمتیں

ہوں گی کہ نہ کسی کان نے سنیں ہوں گی اور نہ کسی انسان نے انکا تصور کیا ہوگا''۔

(الحدیث)

اسلئے موت کے وقت خدا کا سچا ماننے والا عاشق مسرت کی ایسی جھلک پاتا ہے کہ وہ خوشی سے سراسر بھر جاتا ہے۔ اسکے چہرے پر اطمینان اور راحت کی ایک عجیب کیفیت نمودار ہو جاتی ہے۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست (اقبال)

(مردِ مومن کی ایک نشانی تجھے بتائے دیتا ہوں کہ جب اس پر موت آتی ہے تو اسکے لبوں پر تبسم کھیل رہا ہوتا ہے)

پھر اسکی مسرت اور اسکا ارتقا بغیر کسی جدوجہد کے از خود ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ یہی وہ مسرت ہے جسکے حاصل ہو جانے کے بعد انسان کے دل میں کسی اور چیز کی تمنا ہی باقی نہیں رہتی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ محبوبِ حقیقی کے حسن اور عطاؤں کی تازہ بہ تازہ جھلک سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ ہر قدم اسکو اگلا قدم اٹھانے کی طاقت از خود فراہم کرتا رہتا ہے۔ اور اسطرح اسکا ارتقا مسلسل جاری رہتا ہے۔

برکلے، ہیگل، کروچے، جنٹیلے جیسے عظیم فلسفیوں اور ایڈنگٹن جیسے عظیم سائنسدانوں نے یہ بات مان لی ہے کہ دنیا میں اگر کسی چیز کی موجودگی کا ہمیں یقین کامل ہو سکتا ہے تو وہ ہماری ذہنی کیفیتیں ہیں۔ اسی لئے اگلی دنیا میں ہماری ذہنی کیفیتوں کے سوا فی الحقیقت کوئی چیز موجود نہ ہوگی۔ اگلی زندگی ہماری ذہنی کیفیتوں کی تصویر ہوگی۔ یعنی اگلی دنیا میں ہماری خود شعوری (روح) اپنی ذہنی کیفیتوں کو خارجی شکل دے گی اور

ایسا کرتے ہوئے ان اشیاء کو کام میں لائے گی جو اس دنیا میں اسکے تجربہ میں آچکی ہوں گی۔ اسی لئے اہل جنت کہیں گے کہ "یہ تو وہی نعمتیں ہیں جو ہمیں دنیا میں بھی دی گئی تھیں۔ حقیقتاً وہاں کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ملتی جلتی ہوں گی"۔ (القرآن)

مثال:۔

جسطرح ہم سوتے ہوئے خواب میں اپنی ذہنی کیفیت کی وجہ سے دیکھتے، سنتے، چھوتے، سونگھتے، سوچتے، حرکت کرتے، جانتے اور محسوس کرتے ہیں، جبکہ ہمارا جسم بے حس اور بے حرکت پڑا رہتا ہے اور ہماری ظاہری قوئ موقوف ہو چکے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح موت کے بعد ہمارے ظاہری قوئ ہم سے الگ ہو چکے ہوں گے، لیکن ہم اپنی ذہنی کیفیت میں دیکھیں گے، سنیں گے، بولیں گے، محسوس کریں گے، حرکت کریں گے، سوچیں گے، جانے پہچانیں گے۔ ہماری ذہنی کیفیتیں خارجی وجود اختیار کریں گی اور وہاں کی تمام چیزیں دنیا کی چیزوں سے کہیں زیادہ اصلی حقیقی اور ٹھوس ہوں گی۔

اسی لئے مرنے کے بعد ہر خود شعوری اپنی ایک الگ دنیا میں ہوگی جسے وہ اپنی ہی ذہنی کیفیتوں سے خود تعمیر کرے گی۔ ہر خود شعوری اپنی مختلف جنت یا دوزخ میں داخل ہوگی۔ یہ جنت دوزخ وہی ہوگی جو اسنے خود اپنی دنیا کی زندگی میں اپنے لئے اپنے افکار و اعمال سے تیار کی ہوگی۔

مدارج ارتقا:۔

سب سے پہلے جب انسان خدا کو پہچان لیتا ہے تو خود شعوری (روح) اپنے

ارتقا کے راستے پر پہلا قدم رکھتی ہے۔ پھر اسکا طلب حسن کا احساس دو (۲) طرح سے اظہار پاتا ہے۔(۱) ذکر وحمد، تلاوت ومطالعہ کے ذریعہ انسان اللہ کی ذات وصفات اور اسماء حسنہ پر غور کرتا ہے۔ پھر ان اسماء حسنہ کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی خدا کے احکامات پر عمل کرتا ہے اور اسکے صفات واخلاق کی جھلک اپنے اندر پیدا کرنے کی کوششیں کرتا ہے۔ بس اسی کو عبادت کہتے ہیں اور یہی انسان کی سیر تکامل اور ارتقا کا سفر ہے۔

(۲) شروع شروع میں خدا کی معرفت اور محبت کمزور ہوتی ہے اسلئے خدا کے احکامات پر عمل کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جذبۂ حسن (محبتِ الٰہی) کا انسان پر اسقدر تصرف یا قبضہ نہیں ہوتا کہ اسکے سارے کے سارے اعمال کا سرچشمہ بن جائے یعنی خدا کی محبت اسکے سارے وجود پر چھا جائے۔

یعنی انسان شروع میں اپنے آدرش (مقصد حیات) کے تصرف میں پوری طرح نہیں آتا۔ اسکا کچھ حصہ دوسرے تصورات یا آدرش (مقاصد) کے تصرف میں رہتا ہے، اسلئے اسکے سارے کام اور سارے اعمال صحیح آدرش کے تقاضوں کے عین مطابق سرزد نہیں ہوتے۔ ایسے ہی موقع پر انسان غلطیوں اور گناہوں کو اختیار کرلیتا ہے۔

ایماں مجھے کھینچے ہے تو روکے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے آگے ہے، کلیسا مرے پیچھے
(غالب)

لیکن جس قدر انسان ذکر وفکر، نماز وتلاوت کے ذریعہ خدا کے اسماء حسنہ

ذات وصفات اور آیات الٰہی پر غور و فکر کرتا جاتا ہے۔ اسی قدر اسکے احساسِ حسن اور خدا سے محبت اور تعلق میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی تعلق اور محبت کی وجہ سے وہ پوری طرح اپنے صحیح آدرش (مقصد) کے تقاضوں پر عمل کرنے لگتا ہے۔ یعنی خدا کی عملاً اطاعت کامل کرنے لگتا ہے۔ اسکی خود شعوری خدا سے محبت کا اظہار پا کر طاقتور ہوتی چلی جاتی ہے۔ آخر کار اسکی توجہ کا مرکز خدا کے اسماء حسنہ، اسکی مرضی، اسکی محبت اور اطاعت ہو جاتے ہیں۔ اسطرح کہ خدا کی معرفت کی وجہ سے خدا کی محبت اور اطاعت کا تعلق اسکے پورے وجود میں سما جاتے ہیں۔ اب اسکا جذبہ حسن پوری طرح تسکین پاتا ہے۔ اس عمل سے خود شعوری کی خدا (آدرش) سے محبت اور قوی تر ہو جاتی ہے۔ پھر وہ خدا سے محبت کے تقاضوں کو خوب سمجھتا ہے اور پورا کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر اسکی محبت اور اطاعت خالص اور محکم ہوتی جاتی ہے۔ بس یہی انسان کے ارتقا کی معراج ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان کی خود شعوری اپنی مراد کو پہنچ جاتی ہے۔ یعنی اسکا خالق اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ پھر اسکو خدا کی طرف سے یہ خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ "خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے"۔ (القرآن)

اسی مقام پر انسان کا ہر عمل اسکی زندگی اور موت عبادت، اطاعت، ریاضت، محبت سب کی سب صرف اور صرف اللہ کی خوشی حاصل کرنے کیلئے وقف ہو جاتی ہے۔ یہی وہ منزل ہے کہ خود شعوری خود آپ کو پالیتی ہے۔ یہی انسان کا تزکیہ، فلاح اور نفسِ مطمئنہ ہے۔ اس حالت میں انسان حقیقتاً جنت کے اندر ہوتا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے "جس نے اپنی جان کو (غلط کاموں اور مقاصد سے) پاک کر لیا، وہ کامیاب ہو گیا"۔ (القرآن) اب خدا کی اطاعت [illegible] کیلئے پر لطف عمل بن جاتا

ایسے ہی انسان کو موت کے وقت ملک الموت یہ آیت سناتے ہیں ''اے مطمئن جان! اپنے پالنے والے مالک کی طرف لوٹ جا۔ تو مجھ سے راضی ہے، میں تجھ سے راضی ہوں۔ اب میرے (خاص) غلاموں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا''۔ (یعنی میرا مقرب یا پسندیدہ بن جا) (القرآن)

اس مقام پر پہنچ کر خود شعوری کو بے حد مسرت حاصل ہوتی ہے۔ پھر خود شعوری خدا کی معرفت اور محبت کی وجہ سے از خود ترقی ہی کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب اس میں خدا کی محبت کمال کو پہنچتی ہے، تو یہ لطف و سرور بھی اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت انسان اپنے مطلوب حقیقی یعنی خدا کی طرف شدید کشش کا جذبہ محسوس کرتا ہے۔

اسکو محسوس ہوتا ہے کہ وہ خدا کی محبت میں کھو چکا ہے۔ اسکو خدا اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ پھر وہ خدا کی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں زبردست لذت محسوس کرتا ہے۔ اسی کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ پھر وہ خود کو خدا کی محبت اور اطاعت کیلئے وقف کر دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا ''کہو میری نماز، میری عبادت، میری زندگی، میری موت اللہ کے لئے کہ جو عالمین کا پالنے والا مالک ہے''۔ (القرآن)

اس طرح وہ مجازی طور پر خدا کے نائب کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ کیونکہ پھر وہ خدا کی ہر عطا کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ وہ صرف خدا کی خوشی حاصل کرنے کیلئے خدا کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ خدا کی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ ایسا کرنے کیلئے وہ اپنے اندر زبردست خواہش اور محبت اور جذبہ محسوس کرتا ہے جس سے وہ خود کو روک تک نہیں سکتا۔

کشاں کشاں لئے جاتی ہے آرزوئے وصال
کشاں کشاں ترے نزدیک آئے جاتے ہیں

اس حقیقت کو خداوند عالم نے اہل بیتؑ رسولؐ کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے کہ" وہ لوگ خود بھوکے رہتے ہوئے خدا کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں (اس احساس کے ساتھ) کہ ہم تمہیں صرف اللہ کیلئے کھانا کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے کسی قسم کا بدلہ، حتیٰ کہ شکریہ تک نہیں چاہتے"۔

(القرآن، سورہ دہر)

جب انسان خدا سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے تو فرائض سے آگے بڑھ کر نوافل یعنی وہ اچھے کام بھی انجام دیتا ہے جو اس پر فرض نہیں کیے گئے ہیں یعنی فرائض سے بھی زیادہ نیک کام وہ اپنی خدا سے محبت اور شوقِ اطاعت کی وجہ سے انجام دینے لگتا ہے۔ اسطرح مومن کا خدا سے تعلق اور محبت فرائض کے ادا کرنے کے بعد، نوافل ادا کرنے سے اور ترقی کرتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ حدیث قدسی میں آتا ہے کہ خدا فرماتا ہے:۔ جب میرا بندہ نوافل (فرض سے زائد کام) میری اطاعت میں کرتا ہے تو پھر میں خود اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ میں اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑ سکتا ہے۔ میں اسکے پیر بن جاتا ہوں جس وہ چلتا ہے، میں اسکے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اسکی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، میں اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (گفتہ او گفتہ اللہ بود ۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود) (حدیث قدسی)

اسی کو عرفاء مقامِ وصل کہتے ہیں۔ یہ کمالِ قرب ہے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں

انسان کا ہر عمل عین خدا کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اب جوں جوں انسان خالق سے عملی تعاون کرتا چلا جاتا ہے، اسکی خود شعوری (روح) کی مخفی قوتیں اجاگر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور اسکی خدا سے محبت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ اب اسکو اپنی بری خواہشات کی مخالفت کی مزاحمت سے خاص پریشانی نہیں ہوتی۔ یعنی مزاحمت بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اب اسکو خدا کی اطاعت میں لطف آنے لگتا ہے۔ اسی کو نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں۔ اسلئے انسان کو چاہیئے کہ خدا اور رسولؐ کے دیئے ہوئے علم سے فائدہ اٹھا کر سب سے پہلے (۱) خدا کو پہچانے۔ جسقدر وہ خدا کے اسماء وصفات و آیات اور قرآنی دلیلوں پر غور کرے گا اسی قدر خدا کو پہچانے گا۔ کائناتِ عالم کی تخلیق پر جسقدر غور کرے گا اسی قدر وہ خدا کی قدرت، رحمت، عظمت وجلالت اور حُسن کو پہچانے گا۔ (۲) اسی قدر وہ خدا سے محبت اور اطاعت کرے گا۔ (۳) غلط تصورات اور غلط آدرش (مقاصد حیات) کی محبت سے محفوظ رہے گا۔ (۴) پھر جب خدا کی معرفت اور محبت کی وجہ سے خدا کی عملاً اطاعت کرتا ہے تو اسکا حقیقی ارتقا کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ وہ خدا کی صفات و کمالات سے زیادہ سے زیادہ فیض پالیتا ہے۔ خدا کی صفات و کمالات کو اپنی ذات کے اندر سمو لیتا ہے۔ اس منزل پر وہ خدا کا خلیفۂ مجازی اور کامل عبد بن جاتا ہے۔ پھر ہم جوں جوں اپنے اندر خدا کے صفاتِ حسنہ کا عکس یا جھلک پیدا کرتے چلے جاتے ہیں، اسی قدر ہم خدا سے قریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور خدا کے اس تصور کو مکمل کرتے جاتے ہیں جو اس نے ہمارے لئے بنا رکھا ہے۔

پھر جب وہ کائناتِ عالم کو دیکھتا ہے تو اسے صاف صاف صرف اور صرف ایک خدا کا ہاتھ اور جلوہ دکھائی دیتا ہے جو ہر جگہ ہر کام انجام دے رہا [illegible] اسطرح

وہ عظیم حقیقت کو پالیتا ہے کہ طاقت، علم، کمال، جمال، غربت، دولت، خوشی، سکون، نفع، نقصان سب کا سب صرف اور صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرے تمام لوگ صرف اور صرف وسیلے یا کل پرزے ہیں۔ اسکے سوا انکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ بات جان لینے کے بعد انسان کسی دوسری طاقت کے تسلط کو اپنے اوپر قبول نہیں کرتا۔ پھر وہ ہر بندھن سے آزاد ہو جاتا ہے۔ صرف خدا کی محبت، تعلق اور اطاعت کو ہر کمال سے بڑا کمال سمجھتا ہے۔ یہی کلمہ لاالٰہ کا مفہوم ہے۔ یہی انسان کی تکمیل ہے اور یہی موت کی بہترین تیاری ہے۔ اسلئے کہ خدا کی محبت کی وجہ سے انسان خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ قرآن میں خداوند عالم نے فرمایا ہے" تم مجھے یاد کرو، میں تم کو یاد کروں گا"۔ (القرآن)

جب خدا صرف یاد کرنے پر بندے کو یاد کرتا ہے تو بندے کے محبت کرنے پر اپنے بندے سے کتنی محبت کرے گا؟ معلوم ہوا کہ خدا سے محبت کرنے والا بندہ، جب خدا کی عملاً اطاعت بھی کرتا ہے تو اپنی خدا سے محبت کو ثابت کر دیتا ہے، پھر وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ پھر موت کے معنی اپنے محبوب و معشوق سے ملاقات کرنا ہو جاتا ہے۔ محبوب حقیقی سے ملاقات ایک لذیز ترین تجربہ بن جاتا ہے۔ اسلئے امام حسنؑ نے فرمایا ہے کہ" موت کا لمحہ مومن کیلئے لذیز ترین تجربہ ہوتا ہے"۔

مرگِ مومن چیست ہجرت سوئے دوست
ترکِ دنیا اختیارِ کوئے دوست (اقبال)

(مومن کی موت کیا ہے؟ دوست کی طرف چلا جانا
دنیا کو چھوڑ دینا اور دوست کی گلی کو اختیار کر لینا ہے)

اسی لئے جب حضرت ابراھیمؑ کے پاس موت کا فرشتہ آیا تو اس نے ابراھیمؑ سے کہا کہ میں ملک الموت ہوں اور تمہاری روح قبض کرنے آیا ہوں۔ تو حضرت ابراھیمؑ نے اس سے پوچھا کہ تم کو کس نے بھیجا ہے؟ ملک الموت نے کہا مجھے خدا نے بھیجا ہے۔ حضرت ابراھیمؑ نے فرمایا: خدا تو مجھے اپنا دوست بنا چکا ہے، کیا بھلا دوست دوست کو مارتا ہے؟ ملک الموت نے جا کر خداوند عالم کی بارگاہ مین عرض کی کہ ابراھیمؑ نے آپ سے پوچھا ہے کیا دوست دوست کو مار ڈالتا ہے؟ خداوند عالم نے ملک الموت سے فرمایا کہ جاؤ اور ابراھیمؑ سے پوچھو کہ کیا دوست دوست کو ملاقات کیلئے بلائے تو دوست ملاقات کیلئے آنے سے انکار کیا کرتا ہے؟ یہ سن کر ابراھیمؑ فوراً موت کیلئے تیار ہو گئے، جسطرح ایک عاشق اپنے دوست سے ملاقات کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی محبت کا تقاضا ہے۔

ہم ہیں پیاسے شربتِ دیدار کے

قرآن مجید نے موت کو صرف دو لفظوں میں بیان فرمایا ہے: لقاء ربہ "اپنے والے مالک سے ملاقات"۔ ملاقات کے درمیان اگر محبت کا قدم آجائے تو وہ لذیز ترین ہو جاتی ہے۔ اسی لئے مومن کیلئے موت احلیٰ من العسل شہد سے زیادہ میٹھی ہوتی ہے، کیونکہ مومن خدا سے محبت کرتا ہے۔

خدا نے فرمایا: والذین آمنوا اشد حباً للہ۔ "جو واقعاً خدا کو دل سے مانتے ہیں وہ خدا سے شدید ترین محبت کرتے ہیں"۔ یہی محبت الٰہی ایمان کا معیار ہے اور کامیابی کا راز ہے۔ (القرآن)

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

پھر اس محبت کا عملی نتیجہ خدا کی عملی اطاعت ہوتا ہے اور خدا والوں سے محبت ہوتا ہے۔ یہ محبت کا فطری تقاضا ہے کہ محبوب کے محبوب سے محبت ہوتی ہے۔ اسی لئے جناب رسول خداؐ نے فرمایا ''مجھ سے محبت کرو خدا کی وجہ سے۔ اور میرے اہلبیت سے محبت کرو میری وجہ سے''۔ (صواعق محرقہ)

نیز فرمایا ''احب اللہ من احب حسینا'' خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو حسینؑ سے محبت کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

اسی لئے قرآن مجید میں رسول خدا اور ان کے قرابتداروں سے محبت کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا ''کہہ دیجئے کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اسکے کہ میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔ جو بھی اس نیکی کو کما کر لائے گا ہم خود اسکی حسنات (نیکیوں) میں اضافہ کریں گے (کیونکہ) اللہ بڑا معاف کرنے والا اور قدر کرنے والا ہے''۔ (القرآن سورہ شورا)

معلوم ہوا خدا والوں کی محبت ہمارے گناہوں کو بھی معاف کرا دیتی ہے، ہماری ناقص نیکیوں کو قبولیت کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔

اسی لئے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اہلبیتؑ رسولؐ کی محبت ہی اصل حسنہ ہے۔ اسلئے کہ قرآن نے اسی آیت میں دو مرتبہ اس محبت کو حسنہ (نیکی) فرمایا ہے۔ کیونکہ یہی محبت تمام نیکیوں کی جڑ بنیاد ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہ اے موسیٰ! تو نے میرے لئے کیا کام کیا؟ موسیٰؑ نے عرض کی کہ میں نے نمازیں پڑھیں۔ روزے رکھے، زکوٰۃ دی۔ فرمایا نماز تیرے قرب کا ذریعہ ہے، روزے تیرے لئے

جہنم کی ڈھال ہیں، زکوٰۃ تیری پاکیزگی، زیادتیٔ رزق اور بلند درجات کیلئے ہے۔ یہ بتا کہ میرے لئے کیا کیا؟ حضرت موسیٰؑ حیران ہو گئے۔ عرض کی مالک میں کیا کروں جو تیرے لئے ہو؟ فرمایا کیا تو نے میرے دوستوں سے محبت کی؟ کیا تو نے میرے دشمنوں سے دشمنی کی؟ (اصول کافی)

معلوم ہوا خدا والوں سے محبت کرنا اور ان کے دشمنوں سے عداوت کرنا سب سے افضل اعمال میں سے ایک عمل ہے جو خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ خدا والوں میں انبیاء کرامؑ، صدیقین یعنی ائمہ اہلبیتؑ، شہداء اور صالحین ہیں۔ ان میں سب سے افضل محمدؐ و آل محمدؐ ہیں۔ ان سے محبت اور ان کی عملاً پیروی کرنے ہی میں انسان کی اصل معراج اور تکمیل کا راز ہے۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

قرآن میں فرمایا "کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، خود خدا تم سے محبت کرے گا"۔ (القرآن)

خدا کے محبوب بن جانے سے بڑی کوئی اور کامیابی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو رسول خداؐ کی عملاً پیروی اور اطاعت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اللھم صل علیٰ محمدٌ و آل محمدٌ وبارک وسلم

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علیٰ المرسلین والحمد للہ رب العالمین

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

اسی مصنف کے قلم سے

۱۔ قرآن مبین: قرآن مجید کا آسان ترین واضح اردو ترجمہ
۲۔ خلاصۃ التفاسیر: مختلف مکاتب فکر کی تفاسیر کا خلاصہ با تفسیر اہل بیت (۳۰ جلد)
۳۔ اصول کافی کا منتخب آسان ترین ترجمہ (اردو، انگریزی)
۴۔ روح قرآن: قرآن مجید کے موضوعات کا خلاصہ
۵۔ روح اور موت کی حقیقت
۶۔ کلام شاہ بھٹائی: اردو ترجمہ کا انتخاب اور ترتیب
۷۔ قرآن مجید کا لفظی انگریزی ترجمہ
۸۔ شیعہ عقائد واعمال کا تعارف سنی کتابوں سے (اتحاد بین المسلمین کی ایک عملی کوشش)
۹۔ قرآن مجید کے (۳۰) اہم ترین سورتوں کی تفسیر
۱۰۔ قرآن مجید کے سو (۱۰۰) موضوعات کی تفسیر موضوعی
۱۱۔ اثبات و معرفت خدا (جدید علوم کی روشنی میں)
۱۲۔ ائمہ اہلبیتؑ کی معرفت اہلسنت کی کتابوں سے
۱۳۔ حضرت امام مہدیؑ کی معرفت اور ہماری ذمہ داریاں
۱۴۔ انتخاب صواعق محرقہ (ولایت علی ابن ابی طالب)
۱۵۔ اصول دین (تفسیر موضوعی)

اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ
B-285 بلاک 13 فیڈرل بی ایریا کراچی فون 6364519